بسم اللہ الرحمن الرحیم

شرح عقیدہ واسطیہ مترجم

متن:

شیخ الاسلام احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ

شرح:

فضیلۃ الشیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز رحمہ اللہ تعالیٰ

تعلیقات وحواشی:

فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ تعالیٰ

فضیلۃ الشیخ عبد اللہ بن عبد الرحمن الجبرین رحمہ اللہ تعالیٰ

ترجمہ، تخریج واضافہ جات:

محمد زبیر شیخ حفظہ اللہ تعالیٰ

نظر ثانی:

الشیخ محمد رفیق طاہر حفظہ اللہ تعالیٰ



انتساب

اس ہستی کے نام جو ہمارا حقیقی معبود ہے

اور اس ذات کے نام جو ہمارا حقیقی رہبر ہے

یعنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام!



پہلے مجھے دیکھیے!

یہ کتاب عقائد کی اصلاح کے لیے لکھی گئی ہے تاکہ ہماری عبادات میں خشوع وخضوع اور اخلاص پیدا ہوسکے۔

اس کتاب میں لکھی گئی تمام روایات صحیح اور مستند ہیں سوائے چند ایک کے جن کی ساتھ ہی وضاحت کر دی گئی ہے۔

تمام قارئین سے درخواست ہے کہ ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

فہرست موضوعات

عرض مترجم

الحمد لله رب العالمين، والعاقبة للمتقين والصلاة والسلام على اشرف الانبياء والمرسلين، نبينا محمد وآله وصحبه اجمعين، إلى يوم الدين، اما بعد!

اللہ رب العالمین کی طرف سے انسانیت کی ہدایت کے لیے جو دین دیا گیا ہے، اس کے دو بڑے حصے ہیں، ایک کو عقیدہ کہا جاتا ہے، جبکہ دوسرے کو اعمال کا نام دیا جاتا ہے۔ عقیدہ ان نظریات کا نام ہے جن کی بنیاد پر اعمال کیے جاتے ہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے لازم وملزوم ہیں۔ عقیدے کی اہمیت اس اعتبار سے زیادہ ہے کہ اس کے صحیح یا غلط ہونے پر اعمال کے صحیح یا غلط کا دارومدار ہوتا ہے۔

عقیدہ کی اسی اہمیت کے پیش نظر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنی دعوت کا آغاز توحید کے پھیلاؤ اور شرک کے مٹانے سے کیا تھا۔ بلکہ گزشتہ انبیاء کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہی پیغام دے کر بھیجا تھا کہ لوگوں میں میری توحید کے ڈنکے بجادو اور انہیں شرک سے روکو۔[الأنبياء: 25]

چنانچہ علماء اسلام نے بھی اس طرف اپنی پوری توجہ رکھی ہے اور لوگوں کو غلط عقائد سے بچانے کے لیے پوری کوشش کی ہے۔ صحابہ، تابعین، تبع تابعین کے بعد محدثین نے اس مسئلہ میں لوگوں کی رہنمائی کی اور انہیں صحیح عقیدے سے روشناس کرایا۔

ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی میں جب بد عقیدگی کا طوفان آیا ہوا تھا اور تصوف اور علم کلام کے ذریعے اسلامی عقائد کو مسخ کرنے کی کوششیں عروج پر تھیں، انہی حالات میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی ہستی کو پیدا کیا جس نے تیر و تلوار اور قلم و قرطاس کے ذریعے دفاعِ اسلام اور صحیح اسلامی عقیدے کے تحفظ کے لیے اپنے

آپ کو وقف کر دیا اور وقت کے صوفیوں اور فلسفیوں کا قرآن وحدیث کے علم کے ذریعے مقابلہ کیا۔ دینِ حنیف کی تعلیمات کو عام کیا اور عقائد میں آئے ہوئے بگاڑ کی نشاندہی کرتے ہوئے سلف صالحین کے عقائد کا پرچار کیا اور انہیں ٹھوس دلائل سے ثابت کیا۔ وہ شخصیت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس صدی کا مجدد بنایا تھا۔

آپ کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ ان میں سے ایک چھوٹی سی تصنیف ''عقیدہ واسطیہ'' ہے جس کی ایک شرح اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ چھوٹا سا کتابچہ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کا ترجمان ہے جو ''بقامت کہتر بقیمت بہتر'' کا صحیح مصداق ہے۔ اس میں انہوں نے مختصر انداز میں اہل سنت کا عقیدہ بیان کیا ہے اور ہر طرف سے عقائد کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے اور گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔

علماء نے اس کی وضاحت میں مختلف شروحات لکھی ہیں، جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

1۔ التنبیهات اللطیفة فیما احتوت علیه الواسطیة من المباحث المنیفة،
لـ عبد الرحمن بن ناصر بن حمد آل سعدي (المتوفى: 1376هـ)

2۔ التعلیقات السنیة علی العقیدة الواسطیة
لـ فیصل بن عبد العزیز الحریملي النجدي (المتوفى: 1376هـ)

3۔ شرح العقیدة الواسطیة
لـ محمد بن خلیل حسن هرّاس (المتوفى: 1395هـ)

4۔ شرح العقیدة الواسطیة
لـ محمد بن صالح بن محمد العثیمین (المتوفى: 1421هـ)

5۔ شرح العقیدة الواسطیة
لـ أبي عبد الله، أحمد بن عمر بن مساعد الحازمي

6۔ شرح العقيدة الواسطية

لـ خالد بن عبد الله بن محمد المصلح

7۔ شرح العقيدة الواسطية من كلام شيخ الإسلام ابن تيمية

لـ خالد بن عبد الله بن محمد المصلح

اس شرح کا حسن یہ ہے کہ شیخ الاسلام ہی کی مختلف عبارات سے تشریح کی گئی ہے۔

8۔ شرح الواسطية

لـ عبد الرحمن بن ناصر بن براك بن إبراهيم البراك

9۔ شرح العقيدة الواسطية

لـ عبد الرحيم بن صمايل العلياني السلمي

10۔ شرح العقيدة الواسطية

لـ عبد الكريم بن عبد الله بن عبد الرحمن بن حمد الخضير

11۔ شرح العقيدة الواسطية

لـ عبد الله بن محمد الغنيمان

12۔ شرح الواسطية

لـ يوسف بن محمد علي الغفيص

13۔ شرح العقيدة الواسطية لشيخ الإسلام ابن تيمية في ضوء الكتاب والسُّنَّة

لـ د. سعيد بن علي بن وهف القحطاني

شیخ مشہور زمانہ دعاؤں کی کتاب "حصن المسلم" کے مؤلف ہیں اور شیخ ابن باز رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں۔

14۔ التعليقات الزكية على العقيدة الواسطية

لـ عبد الله بن عبد الرحمن الجبرين

15۔ شرح العقيدة والواسطية

لـ عبد العزيز بن عبد الله بن باز (المتوفى: 1420هـ)

16۔ مختصر الأسئلة والأجوبة الأصولية على العقيدة الواسطية
لـ أبي محمد عبد العزيز السلمان (المتوفى: 1422هـ)

ان میں سے نمبر 3، 4، 13 اور 16 پر موجود شروح یعنی شیخ خلیل ہراس، شیخ عثیمین، شیخ عبد العزیز السلمان رحمہم اللہ اور شیخ سعید القحطانی حفظہ اللہ کی شروح کا اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

زیر نظر ترجمہ شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز رحمہ اللہ کی شرح کا ہے۔ ترجمہ کے لیے اس شرح کے انتخاب کا سبب یہ ہے کہ یہ شرح مختصر اور جامع ہے۔ علامہ موصوف نے بڑی خوبصورتی سے کتاب کے مطالب کو حل کیا ہے اور آسان الفاظ میں اہل سنت کا موقف پیش کیا ہے۔

کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ بھی بالکل آسان الفاظ میں ہو جسے عوام اور ابتدائی طالب علم بھی سمجھ سکیں کیونکہ اصل مقصد تو عوام کے عقائد کی اصلاح ہے۔

ترجمہ میں قرآنی آیات واحادیث مبارکہ کے تراجم اپنی طرف سے کرنے کی بجائے پہلے سے موجود تراجم پر انحصار کیا گیا ہے۔ آیات کے ترجمہ کے لیے شیخ عبد السلام بھٹوی حفظہ اللہ اور شیخ عبد الرحمن کیلانی رحمہ اللہ کے تراجم کو (تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ) لیا ہے۔ جبکہ احادیث کے تراجم کے لیے مترجم کتابوں سے تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ ترجمہ نقل کیا گیا ہے۔

طلباء کی سہولت کے لیے متن عقیدہ واسطیہ میں آنے والے مشکل الفاظ کے معانی بھی آخر میں حروف تہجی کی ترتیب سے دیے گئے ہیں۔ ان میں لفظ کا اصلی مادہ اور مادہ کا اصلی معنیٰ کوشش کر کے دیا گیا ہے تاکہ طلباء یہ جانیں کہ اصل میں یہ لفظ کن معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ان میں الفاظ کا حقیقی معنی سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو اور یہ شوق بڑھے کہ ہر لفظ کو اس کی گہرائی سے جا کر سمجھیں۔

متن کے ترجمہ میں شیخ عثیمین اور شیخ جبرین رحمہا اللہ کی شروح سے منتخب فوائد اور تعلیقات استفادہ کی غرض سے لگائی گئی ہیں۔ امید ہے یہ حاشیہ قارئین کرام کے لیے مفید ثابت ہو گا۔ ان شاء اللہ

یہاں یہ بات قابل وضاحت ہے کہ شیخ عثیمین رحمہ اللہ والی شرح کا چونکہ اردو ترجمہ ہو چکا ہے، اسے لیے اس کتاب سے جو تعلیقات لی گئی ہیں، ان میں اس ترجمہ کو پیش نظر رکھا گیا ہے، جس کے لیے میں فاضل مترجم کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ لیکن ہر جگہ پر ان کا ترجمہ ان کے الفاظ میں نہیں لیا گیا کیونکہ وہ خالص علمی نوعیت کا ترجمہ ہے اور ہمارے پیش نظر عوام کو سمجھانا تھا، اس لیے جہاں مناسب سمجھا، الفاظ اور بیان میں تبدیلی کی گئی ہے۔

منہج:

سب سے اوپر شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی عقیدہ واسطیہ کا متن ہے۔ پھر اس کا ترجمہ اور ترجمہ پر شیخ عثیمین اور شیخ جبرین رحمہا اللہ کی تعلیقات وحواشی ہیں۔ ہر حاشیہ کے اختتام پر صاحبِ تعلیق کا نام مع جلد وصفحہ دے دیا گیا ہے۔ یہ جلد اور صفحہ عربی کتاب کا ہے۔

اس کے بعد شیخ ابن باز رحمہ اللہ کی شرح کا ترجمہ ہے۔ اس پر حواشی شیخ علی بن صالح بن عبد الہادی المِرِی حفظہ اللہ کے ہیں جنہوں نے اس شرح کو آڈیو کیسٹس سے کتابی صورت میں مرتب کیا ہے۔ شرح کے اختتام پر الفاظ معانی ہیں جن کے مصادر کا تذکرہ ان کے بعد موجود ہے۔

شیخ محترم، استاد مفخم فضیلۃ الشیخ ابو عبد الرحمن محمد رفیق طاہر حفظہ اللہ نے مجموعی طور پر کتاب کو پڑھا ہے اور بعض مقامات پر اختلافی نوٹ لکھے ہیں۔ حواشی میں جہاں جہاں (الطاہر) لکھا ہوا ہے، اس سے مراد شیخ محترم ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر اور اجر جزیل سے نوازیں۔

میں اللہ رب العالمین کے حضور سر بسجود ہوں جس نے مجھے اس کام کے لیے چُنا اور اس کی توفیق عطا فرمائی۔ بلاشبہ اس کی عنایات زندگی کے ہر لمحہ میں مجھ پر بے پناہ ہیں۔

آخر میں مجھے شکریہ ادا کرنا ہے اپنے والدین کا جنہوں نے اپنی بساط سے بڑھ کر میری پرورش کی اور مجھے دین کی تعلیم کے لیے وقف کیا۔ اسی طرح اپنے بہن بھائیوں کا شکریہ ادا کرنا بھی میری ذمہ داری ہے جنہوں نے مجھے دینی کاموں کے لیے آزادی دی اور مجھے ہر طرح کی ذمہ داریوں سے فارغ رکھا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں اور اپنی خصوصی رحمتوں سے نوازیں میرے اساتذہ کرام حفظہم اللہ کو جن کی کوششوں اور محنتوں سے میں چار حرف پڑھنے اور لکھنے کے قابل بنا۔ خصوصاً فضیلۃ الشیخ عبد الستار المدنی حفظہ اللہ، فضیلۃ الشیخ عبد الغفار بہاولپوری حفظہ اللہ اور فضیلۃ الشیخ ابو عبد الرحمن محمد رفیق طاہر حفظہ اللہ الطاہر۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی حفظ وامان میں رکھیں۔

اسی طرح وہ تمام احباب بھی خصوصی شکریہ کے حق دار ہیں جنہوں نے اس شرح کا ترجمہ کرنے کی مجھے ترغیب دی اور پھر ہر طرح سے میرا ساتھ دیا اور خصوصی مشوروں سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ انہیں دین ودنیا میں برکتیں عطا فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب سے راضی ہو جائے اور سب کو اپنے فضل وکرم سے نوازے۔ آمین

محمد زبیر شیخ

دہلی گیٹ، ملتان

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على نبينا محمد وعلى آله وصحبه، ومن سار على نهجه إلى يوم الدين، أما بعد!

محترم قارئین کرام! ''مؤسسہ عبد العزیز ابن باز الخیریہ'' رسالہ عقیدہ واسطیہ کی شرح جو شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے فرمائی ہے، آپ کے سامنے پیش کرتے ہوئے خوشی محسوس کررہی ہے۔ یہ اس پروجیکٹ کا حصہ ہے جس کے تحت شیخ رحمہ اللہ کی مختلف اہل علم کی کتابوں کی شروح اور تعلیقات کی طباعت کا اہتمام کیا جارہا ہے۔

رسالہ عقیدہ واسطیہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اہلِ واسط کے لیے لکھا تھا جس میں انہوں نے عمومی طور پر ایمان اور خصوصی طور پر اللہ پر اور اس کے اسماء وصفات پر ایمان کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بیان کیا ہے۔

اس رسالے کی اہمیت کے پیش نظر قدیم وجدید دور کے علماء نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس کی تدریس وتشریح پر خصوصی توجہ دی۔ انہی شیوخ میں ایک ہمارے محترم شیخ عبد العزیز بن باز رحمہ اللہ بھی ہیں جنہوں نے اس کی بہترین شرح کی ہے۔ اس میں نہ فضول طوالت ہے اور نہ بہت زیادہ اختصار, تھوڑے الفاظ میں واضح اور مختصر بات کی ہے جس سے ہر طالبِ حق اللہ پر، اس کے اسماء وصفات پر، روزِ آخرت پر اور اس میں ہونے والے ثواب وعذاب پر ایمان کے بارے میں اہل سنت والجماعت کے عقائد جان سکتا ہے۔ انہی وجوہات کے پیشِ نظر مؤسسہ عبد العزیز ابن باز الخیریہ کی مجلسِ علمی نے یہ طے کیا کہ فضیلۃ الشیخ کی اس شرح کو ایک مطبوعہ کتاب کی صورت میں پیش کیا جائے تاکہ ساری امت تک اس کا فائدہ اور خیر پہنچے۔

یاد رہے کہ یہ شرح شیخ نے بذاتِ خود لکھی نہیں ہے بلکہ پڑھائی ہے جسے آڈیو کیسٹوں سے فضیلۃ الشیخ علی بن صالح بن عبد الہادی المری حفظہ اللہ نے کتابی

صورت میں مرتب کیا ہے۔ جبکہ فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبد العزیز بن محمد الوہیبی حفظہ اللہ نے اس کی نظر ثانی فرمائی ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ان دونوں کو اجر وثواب سے نوازے۔

اسی طرح جو حضرات بھی اس شرح کی طباعت واشاعت میں معاون بنے، اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔ اس کام کی نگرانی مملکت سعودی عرب کے مفتی عام فضیلۃ الشیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن محمد آل شیخ حفظہ اللہ نے فرمائی۔ اسی طرح صدارتی کمیٹی کے ممبران جنہوں نے اس کی نظر ثانی اور مطابقت میں اپنی کوششوں کو صَرف کیا اور وہ تمام طالب علم اور محققین نے ہمارے ساتھ اس کام میں ہاتھ بٹایا، اللہ تعالیٰ سب کو بہترین جزا سے نوازے۔

اسی طرح ان تمام لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں جنہوں نے اس کی طباعت واشاعت میں مدد کی۔

اللہ تعالیٰ اس شرح کو اس علمِ نافع کا حصہ بنا دے جس کا اجر ہمارے شیخ رحمہ اللہ کے لیے جاری ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو جنت الفردوس میں جمع فرمادے ،یقیناً وہی اس پر مدد کرنے والا اور قادر ہے۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

مجلسِ علمی

مؤسسہ عبد العزیز ابن باز الخیریہ

تعارف شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

از قلم: حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ [1]

نام ونسب: تقی الدین ابو العباس احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام بن عبد اللہ بن ابو القاسم الخضر بن محمد بن خضر بن علی بن عبد اللہ ابن تیمیہ الحرانی الشامی رحمہ اللہ۔

آپ کے والد مفتی شہاب الدین عبد الحلیم رحمہ اللہ بہت بڑے عالم تھے اور دادا شیخ الاسلام مجد الدین ابو البرکات عبد السلام رحمہ اللہ (م 652ھ) نے بہت سی مفید کتابیں لکھیں، مثلاً: منتقی الاخبار یعنی المنتقی من احادیث الاحکام وغیرہ۔

ولادت: 10 تا 12 ربیع الاول 661ھ، بروز سوموار

اساتذہ: اسماعیل بن ابراہیم ابن ابی الیسر، احمد بن عبد الدائم المقدسی، الکمال ابن عبد، احمد بن ابی الخیر سلامہ بن ابراہیم، المجد محمد بن اسماعیل بن عثمان عرف ابن عساکر، برکات بن ابراہیم بن طاہر الخشوعی، یحییٰ بن منصور الصیرفی، قاسم بن ابی بکر بن قاسم بن غنیمہ الاربلی، ابو الغنائم مسلم بن محمد عرف ابن علان، فخر الدین ابن البخاری، موصل بن محمد البالسی اور احمد بن شیبان وغیرہم۔ رحمہم اللہ

تلامذہ: حافظ ذہبی، حافظ ابن کثیر، حافظ ابن القیم، حافظ ابن عبد الہادی، ابن الوردی، شمس الدین محمد بن احمد الاباہی اور ابو العباس احمد بن حسن بن عبد اللہ بن محمد بن احمد بن قدامہ المقدسی وغیرہم۔ رحمہم اللہ

تصانیف: آپ کی تصانیف بہت زیادہ ہیں، جن میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں:

1۔ الصارم المسلول علی شاتم الرسول (ط یعنی مطبوع)

2۔ منہاج السنہ (ط)

---

(1) دیکھیے: کتاب الاربعین مترجم، طبع: مکتبہ اسلامیہ، دسمبر 2012ء ص: 21-15 (بتغیر یسیر)

3۔ درء تعارض العقل والنقل (ط)

4۔ الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح (ط)

5۔ کتاب الایمان (ط)

6۔ کتاب النبوات (ط)

7۔ العقیدۃ الواسطیہ (ط)

8۔ اقتضاء الصراط المستقیم (ط)

9۔ قاعدۃ جلیلۃ فی التوسل والوسیلہ (ط)

10۔ الاستقامہ (ط)

11۔ ابطال وحدۃ الوجود والرد علی القائلین بہا (ط)

12۔ مسئلۃ صفات اللہ تعالیٰ وعلوہ علی خلقہ (ط)

13۔ کتاب الرد علی المنطقیین (ط)

14۔ السیاسۃ الشرعیہ فی اصلاح الراعی والرعیہ (ط)

15۔ الفرقان بین اولیاء الرحمن واولیاء الشیطان (ط)

16۔ الکلم الطیب (ط)

17۔ الرد علی الاخنائی (ط)

18۔ الرد علی البکری (ط)

19۔ فتاویٰ (ط)

20۔ کتاب الاربعین۔ اور بہت سی مفید کتب۔۔۔

فضائل: جمہور محدثین و صحیح العقیدہ علمائے حق نے آپ کی تعریف وتوثیق کی ہے اور آپ کے فضائل بے حد وبے شمار ہیں، بلکہ بہت سے کبار علماء نے آپ کو شیخ الاسلام کے لقب سے ملقب کیا ہے۔ مثلاً:

1۔ حافظ ابن تیمیہ (متوفی 728ھ) کے شاگرد حافظ ذہبی (متوفی 748ھ) نے ابن تیمیہ کے بارے میں لکھا: " الشيخ الإمام العلامة الحافظ الناقد (الفقيه) المجتهد المفسر البارع شيخ الإسلام علم الزهاد نادرة العصر۔"
(تذکرۃ الحفاظ: 4/1496 ت: 1175)

اور لکھا: "الإمام العالم المفسر الفقيه المجتهد الحافظ المحدث شيخ الإسلام نادرة العصر، ذو التصانيف الباهرة والذكاء المفرط۔"
(ذیل تاریخ الاسلام للذہبی، ص: 324)

اور لکھا: "شيخنا الإمام" (معجم الشیوخ: 1/56 ت 40)
معلوم ہوا حافظ ذہبی انہیں امام اور شیخ الاسلام سمجھتے تھے۔

2۔ حافظ ابن تیمیہ کے شاگرد حافظ ابن قیم رحمہ اللہ (متوفی 774ھ) نے لکھا:
"وفاة شيخ الإسلام أبي العباس تقي الدين أحمد بن تيمية۔"
(البدایہ والنہایہ: 14/141، وفیات 728ھ)

3۔ شیخ علم الدین ابو محمد القاسم بن محمد بن البرزالی الشافعی رحمہ اللہ (متوفی 739ھ) نے اپنی تاریخ میں کہا: "الشيخ الإمام العالم العَلم العلامة الفقيه الحافظ الزاهد العابد المجاهد القدوة شيخ الإسلام" (البدایہ والنہایہ: 14/141)
نیز دیکھیے: العقود الدریۃ، ص: 246

4۔ حافظ ابن تیمیہ کے شاگرد حافظ ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عبد الہادی المقدسی الحنبلی رحمہ اللہ (المتوفی 744ھ) نے "العقود الدرية من مناقب شيخ الإسلام أحمد بن تيمية" کے نام سے ایک کتاب لکھی جو 353 صفحات پر مطبعۃ المدنی قاہرہ مصر سے مطبوع ہے۔۔۔

اس کتاب میں ابن عبد الہادی نے کہا: "هو الشيخ الإمام الرباني، إمام الأئمة ومفتي الأمة وبحر العلوم، سيد الحفاظ وفارس المعاني والألفاظ، فريد العصر وقريع الدهر، شيخ الإسلام بركة الأنام وعلامة الزمان

وترجمان القرآن، عَلَم الزهاد وأوحد العبّاد، قامع المتبدعين وآخر المجتهدين" (العقود الدریہ، ص:3)

5۔ حافظ ابو الفتح ابن سید الناس الیعمری المصری رحمہ اللہ (متوفی 734ھ) نے حافظ جمال الدین ابو الحجاج المزی رحمہ اللہ کے تذکرے میں کہا: "وهو الذي حداني على رؤية الشيخ الإمام شيخ الإسلام تقي الدين أبي العباس أحمد" (العقود الدریہ، ص:9)

6۔ کمال الدین ابو المعالی محمد بن ابی الحسن الزملکانی (متوفی 727ھ) نے حافظ ابن تیمیہ کی کتاب "بيان الدليل على بطلان التحليل" پر اپنے ہاتھ سے لکھا: "الشيخ السيد الإمام العالم العلامة الأوحد البارع الحافظ الزاهد الورع القدوة الكامل العارف تقي الدين.، شيخ الإسلام مفتي الأنام سيد العلماء، قدوة الأئمة الفضلاء.، ناصر السنة قامع البدعة حجة الله على العباد في عصره، رادّ أهل الزيغ والعناد، أوحد العلماء العاملين آخر المجتهدين۔"
(العقود الدریہ، ص:8، الرد الوافر لابن ناصر الدین الدمشقی، ص:104، واللفظ لہ)

7۔ ابو عبد اللہ محمد بن الصفی عثمان بن الحریری الانصاری الحنفی (متوفی 728ھ) فرماتے تھے: "إن لم يكن ابن تيمية شيخ الإسلام فمن؟"
"اگر ابن تیمیہ شیخ الاسلام نہیں تو پھر کون ہے؟"
(الرد الوافر لابن ناصر الدین، ص:56، 98)

8۔ ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن ابی بکر بن ابی العباس احمد بن عبد الدائم المعروف بابن عبد الدائم المقدسی الصالحی (متوفی 775ھ) نے حافظ ابن تیمیہ کو شیخ الاسلام کہا۔
(دیکھئے الرد الوافر، ص:61)

9۔ شمس الدین ابو بکر محمد بن محب الدین ابی محمد عبد اللہ بن المحب عبد اللہ الصالحی الحنبلی المعروف بابن المحب الصامت نے اپنے ہاتھ سے لکھا: "شيخنا الإمام الرباني شيخ الإسلام إمام الأعلام بحر العلوم والمعارف" (الرد الوافر، ص:91)

10۔ حافظ ابن تیمیہ کے مشہور شاگرد حافظ ابن قیم الجوزیہ (متوفی 751ھ) نے ان کے بارے میں کہا: "شیخ الإسلام" (اعلام الموقعین، ج:2، ص:241، طبع: دار الجیل بیروت)

ان دس حوالوں کے علاوہ اور بھی بہت سے حوالے ہیں جن میں حافظ ابن تیمیہ کی بے حد تعریف کی گئی ہے یا انہیں شیخ الاسلام کے عظیم الشان لقب سے یاد کیا گیا ہے، مثلاً:

حافظ ابن رجب الحنبلی (متوفی 795ھ) نے کہا: "الإمام الفقيه المجتهد المحدث الحافظ المفسر الأصولي.، الزاهد تقي الدين أبو العباس شيخ الإسلام وعلم الأعلام" (الذیل علی طبقات الحنابلہ، 2/387، ت:395)

ابن العماد الحنبلی نے کہا: "شيخ الإسلام ـ۔۔ الحنبلي بل المجتهد المطلق۔" (شذرات الذہب، 6/81)

تہذیب الکمال اور تحفۃ الاشراف کے مصنف حافظ ابو الحجاج المزی رحمہ اللہ نے فرمایا: "ما رأيت مثله، ولا رأى هو مثل نفسه وما رأيت أحداً أعلم بكتاب الله وسنة رسوله ولا أتبع لهما منه"

میں نے ان جیسا کوئی نہیں دیکھا اور نہ انہوں نے اپنے جیسا کوئی دیکھا، میں نے کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کا ان سے بڑا عالم نہیں دیکھا اور نہ ان سے زیادہ کتاب و سنت کی اتباع کرنے والا کوئی دیکھا ہے۔

(العقود الدریہ، ص:7، تصنیف الامام ابن عبد الہادی تلمیذ الحافظ المزی رحمہما اللہ)

ان گواہیوں کا خلاصہ یہ ہے کہ حافظ ابن تیمیہ اہل سنت و جماعت کے کبار علماء میں سے تھے اور شیخ الاسلام تھے۔

نیز ملا علی قاری حنفی نے لکھا ہے: "ومن طالع شرح منازل السائرين تبين له أنهما من أكابر أهل السنة والجماعة ومن أولياء هذه الأمة" جس نے منازل السائرین کی شرح کا مطالعہ کیا تو اس پر واضح ہو گیا کہ وہ دونوں (حافظ ابن

تیمیہ اور حافظ ابن القیم رحمہا اللہ) اہل سنت والجماعت کے اکابر میں سے اور اس امت کے اولیاء میں سے تھے۔(جمع الوسائل فی شرح الشمائل، ج:1، ص:207)

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو حافظ ذہبی وغیرہ نے "المجتھد" قرار دیا اور خود حافظ ابن تیمیہ نے فرمایا: "إنما أتناول ما أتناول منها على معرفتي بمذهب أحمد، لا على تقليدي له"

میں احمد (بن حنبل) کے مسلک سے وہی لیتا ہوں جسے میں (دلائل کی رُو سے) جانتا ہوں، میں آپ کی تقلید نہیں کرتا۔(اعلام الموقعین لابن القیم، 2/242-241)

وفات: 20 ذوالقعدہ 728ھ بمقام قلعہ دمشق بحالت قید۔

یعنی آپ کا جنازہ جیل سے نکلا تھا۔رحمہ اللہ وأدخله الجنة۔

تعارف شیخ صالح العثیمین رحمہ اللہ

از قلم: حافظ ریاض احمد عاقب اثری حفظہ اللہ [2]

نام ونسب: ابو عبد اللہ محمد بن صالح بن محمد بن عثیمین المقبل الوہبی التمیمی

پیدائش وپرورش: آپ 27 رمضان المبارک 1347ھ کو مملکت سعودی عرب کے علاقے قصیم کے ایک شہر "عنیزہ" میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت: آپ کے گھر کا ماحول بہت علمی اور دینی اقدار کا حامل تھا۔ آپ کے نانا جان الشیخ عبد الرحمن بن سلیمان الدامغ خود علم و عمل کے پیکر تھے۔ شیخ موصوف نے اپنے نانا عبد الرحمن بن سلیمان الدامغ سے صغر سنی میں قرآن کریم حفظ کیا، پھر شیخ دوسرے علوم کی طرف راغب ہوئے۔ خط، ریاضی اور ادب کے دوسرے علوم وفنون سیکھے۔ شیخ موصوف ذہانت وفطانت سے نوازے گئے تھے۔ "قصیم" کا علاقہ علمی اعتبار سے مشہور ومعروف رہا ہے۔ یہاں بڑے بڑے علمی مراکز قائم ہیں، اس وجہ سے شیخ کو بہترین علمی ماحول میسر رہا۔ آپ نے اس سے خوب استفادہ کیا۔

اساتذہ: مشہور ومعروف تفسیر سعدی کے مؤلف الشیخ عبد الرحمن بن ناصر السعدی (متوفی 1376ھ)، مفتی عام مملکت سعودی عرب اور کبار علماء کی کمیٹی کے چیئرمین الشیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز، تفسیر اضواء البیان کے مؤلف الشیخ محمد امین بن محمد المختار الشنقیطی (متوفی 1393ھ)، الشیخ علی بن حمد الصالحی حفظہ اللہ، شیخ محمد بن عبد العزیز المطوع رحمہ اللہ، الشیخ عبد الرحمن بن سلیمان آل دامغ رحمہ اللہ جو کہ آپ کے نانا محترم تھے۔

---

(2) دیکھیے: کتاب "نسوانی طبعی خون کے احکام" للعثیمین رحمہ اللہ، ترجمہ از حافظ ریاض احمد عاقب حفظہ اللہ۔ ناشر: عبد اللہ حنیف پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز، ملتان، طبع اول: اپریل 2009ء، ص: 22-17 (بتصرف)

شاگرد: شیخ کے شاگرد بے شمار تھے، خصوصاً آخری سالوں میں تو آپ کی ایک ایک مجلس میں 500 سے زائد طلباء بھی شمار کیے تھے۔ چند ایک کے نام درج کیے جاتے ہیں: الشیخ عبد الرحمن بن صالح الدہش، الشیخ محمد بن عبد الرحمن الإسماعیل، الشیخ غانم بن مرزوق الحربی، الشیخ عبد الرحمن بن عبد اللہ الابراہیم، الشیخ ڈاکٹر محمد بن صالح البراک، الشیخ ڈاکٹر سلیمان اباالخیل، الشیخ امیر عبد الرحمن ابن سعود وغیرہ۔

علمی منہج: اپنے استاد محترم عبد الرحمن ناصر السعدی رحمہ اللہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپ کسی خاص مذہب کے جامد مقلد نہ تھے، بلکہ جہاں حق دیکھتے، دلائل کی بنیاد پر اسے اختیار کر لیتے۔

علمی و دعوتی خدمات: شیخ موصوف نے 1371ھ میں باقاعدہ تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ جب مملکت سعودی عرب کے علاقہ ''الریاض'' میں علمی درس گاہ کھلی تو شیخ 1372ھ میں وہاں داخل ہو گئے اور 1374ھ میں وہاں سے فراغت کے بعد ''عنیزہ'' کی علمی درس گاہ میں مدرس مقرر ہو گئے۔

اپنے استاذِ گرامی فضیلۃ الشیخ عبد الرحمن بن ناصر السعدی کی وفات کے بعد آپ ''عنیزہ'' کی جامع مسجد کے امام و خطیب مقرر ہوئے۔ جس مسجد میں آپ کے استاذ نے خطابت کے فرائض سرانجام دیے، اسی میں اپنے استاذ کے جانشین خطیب بنے اور تقریباً 45 سال تک اسی جامع مسجد میں امام و خطیب کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

''عنیزہ'' کی علمی درس گاہ کے بعد آپ کافی عرصہ تک ''قصیم'' کی مشہور یونیورسٹی ''جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ'' میں کلیہ شریعہ اور اصول الدین میں تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اس کے علاوہ آپ مملکت سعودی عرب میں مجلس کبار علماء کے اہم رکن بھی رہے۔

اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ فضیلۃ الشیخ محمد بن ابراہیم چیف جسٹس آف سپریم کورٹ نے آپ کو جج کا منصب پیش کیا، لیکن آپ نے ان سے معذرت کرلی۔

اس کے علاوہ شیخ کے علمی و تحقیقی لیکچرز، خطبات اور تالیفات سے آج بھی بے شمار لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔

آپ کی شخصیت: شیخ عثیمین اپنے دور کی بڑی باکمال شخصیت تھے۔ خوف وللّٰہیت، زہد وورع کے ساتھ ساتھ اللہ عزوجل نے انہیں ذہانت، فطانت، برجستہ گوئی، حاضر جوابی، حق گوئی، راست بازی، حافظہ اور وسعت نظر سے نوازا تھا۔ آپ بلند پایہ مربی، معلم، مدرس اور مبلغ تھے۔ توحید کی دعوت، اسلام کا احیاء، سنت سے تمسک، عقیدہ سلف صالحین کی اشاعت، فکر محدثین کا فروغ، فقہ اور حدیث میں تطبیق، افکار امام احمد بن حنبل اور ابن تیمیہ رحمہما اللہ کی اشاعت ان کا طرہ امتیاز تھا۔ امت مسلمہ کا درد، ہر خاص وعام کی بھلائی کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

الغرض فضیلۃ الشیخ ابن باز رحمہ اللہ کے بعد شیخ عثیمین رحمہ اللہ کو عالم اسلام کی دوسری بڑی شخصیت ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

تصانیف: آپ رحمہ اللہ تقریباً پچاس سے زائد کتب کے مصنف ہیں۔ آپ نے مختلف میدانوں میں علمی آثار چھوڑے۔ عقیدہ، فقہ، حدیث، اخلاق، زہد وسلوک، بیوع اور معاملات کے موضوع پر آپ کا علمی و تحقیقی سرمایہ موجود ہے، جس سے ہر خاص و عام مستفید ہو رہا ہے۔ آپ کی تقاریر اور لیکچرز کی مدد سے بھی بعض کتب مرتب کی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے فتاویٰ جات کی اب تک انیتس جلدیں منصہ شہود پر آچکی ہیں۔ آپ رحمہ اللہ کی چند ایک مشہور کتب کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

1۔ فتح رب البريه بتلخيص الحموية۔ یہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتاب الحمویہ کی تلخیص ہے۔ یہ آپ کی پہلی کتاب ہے جو آپ نے 1380ھ میں لکھی تھی۔

2۔ مصطلح الحديث

3۔ الأصول من علم الأصول

4۔ رسالة في الوضوء والغسل والصلاة

5۔ كفر تارك الصلاة

6۔ مجالس رمضان

7۔ تسهيل الفرائض

8۔ شرح العقيدة الواسطية

9۔ عقيدة أهل السنة والجماعة

10۔ الشرح الممتع على زاد المستقنع في فقه الإمام أحمد بن حنبل۔

وفات: جب آپ رحمہ اللہ بیمار ہوئے تو آپ کو سرکاری طور پر امریکا علاج کے لیے بھیجا گیا اور آپ کے آرام کا خاص خیال رکھا گیا لیکن آپ نے امریکا جا کر آرام کرنے کی بجائے ڈاکٹروں کے منع کرنے کے باوجود خطبہ ارشاد فرمایا۔ صحت یاب ہو کر واپس آئے اور آکر وعظ و نصیحت کا سلسلہ شروع کر دیا۔ دسمبر 2000ء میں دوبارہ آپ کی طبیعت خراب ہوئی۔ آپ کو کنگ فیصل ہسپتال ریاض میں داخل کروایا گیا۔ دوران علاج رمضان کا مہینہ آیا تو مکہ جانے پر اصرار کیا۔ بیماری اور کمزوری کے باوجود بابِ عمر کی دوسری منزل پر خصوصی کمرہ کا بندوبست ہوا اور وہاں سے پورے حرم میں آپ کی آواز میں فتاویٰ اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوا۔

29 رمضان کو آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو آپ کو کنگ فیصلہ ہسپتال جدہ لایا گیا۔ اس کے بعد آپ کی طبیعت نہ سنبھلی۔ وفات سے چند روز قبل آپ نے وصیت تحریر کی جس میں عالم اسلام کو تفسیر پڑھنے اور قیام اللیل اور سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران کی آخری آیات کی تلاوت اور ذکر واذکار اور شریعت کی

پابندی کی تلقین کی گئی۔ 15 شوال 1421ھ بمطابق 10 جنوری 2001 بروز بدھ شام 6 بجے شدید علالت کی بناء پر عالم اسلام کے جلیل القدر محدث، فقیہ، محقق، عالم دین، مخلص، عالم باعمل، مشفق ومربی مدرس، زہد وورع کے پیکر ہم سے جدا ہو گئے۔ جمعرات کو بعد نماز عصر مسجد الحرام میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور مکہ کے قبرستان جنت المعلیٰ میں متعدد اصحاب رسول کے ساتھ الشیخ عبد العزیز بن باز رحمہ اللہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

آپ نے ورثاء میں بیوہ کے علاوہ چار بیٹے اور دو بیٹیاں چھوڑیں۔ آپ کی وفات پر پورے عالم اسلام میں غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ اللہ سے دعاء ہے کہ شیخ رحمہ اللہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور ان کے درجات بلند کرے۔

آمین

تعارف شیخ عبد اللہ ابن جبرین رحمہ اللہ

از قلم: محمد زبیر شیخ

نام ونسب: عبد اللہ بن عبد الرحمن بن عبد اللہ بن ابراہیم بن فہد بن حمد بن جبرین آل رشید۔ آپ کا تعلق قبیلہ بنی زید سے تھا۔ آپ مشہور داعی اور فقیہ تھے۔

ولادت: آپ 1353ھ میں قویعیہ کی ایک بستی محیرقہ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم: آپ نے تعلیم کی ابتداء 1359ھ میں کی۔ بارہ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد آپ نے والد اور دیگر اساتذہ سے پڑھا۔ یہاں تک 1390ھ میں آپ نے ماسٹرز کر لیا۔ اس وقت آپ کی عمر 41 سال تھی۔ آپ کے مقالے کا عنوان تھا: "أخبار الآحاد في الحديث النبوي"۔ 1407ھ میں آپ نے پی ایچ ڈی کر کے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ تب آپ کی عمر 58 سال تھی۔ آپ کے مقالے کا عنوان تھا: "تحقيق الزركشي على مختصر الخرقي"۔

عقیدہ: آپ کا عقیدہ وہی تھا جو اہل سنت والجماعت ہے۔ فقہی مذاہب میں سے آپ حنابلہ کے مسلک کو ترجیح دیتے تھے کیونکہ آپ کے اساتذہ بھی حنبلی المسلک تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ جامد مقلد نہ تھے۔ بلکہ حدیث اور فقہاء کے دلائل پر مطلع تھے۔ ان میں تطبیق دیتے اور صحیح بات اختیار فرماتے اگرچہ آپ کا موقف آپ کے اساتذہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہوتا۔

اساتذہ: الشیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ، الشیخ عبد العزیز بن محمد الشثری، الشیخ صالح بن مطلق، الشیخ اسماعیل انصاری، الشیخ عبد العزیز بن ناصر بن رشید، الشیخ حماد بن مجد انصاری، الشیخ محمد البیجانی، الشیخ عبد الحمید عمار الجزائری، الشیخ عبد اللہ بن محمد بن حمید، الشیخ عبد الرزاق عفیفی، الشیخ عبد العزیز بن باز۔

تصانیف: آپ کی بہت سی تالیفات موجود ہیں۔ چند ایک کے نام لکھے جاتے ہیں:

1۔ أخبار الآحاد في الحديث النبوي
2۔ التدخين مادته وحكمه في الإسلام
3۔ الجواب الفائق في الرد على مبدل الحقائق
4۔ شرح العقيدة الواسطية المعروف التعليقات الزكية على العقيدة الواسطية
5۔ فوائد من شرح منار السبيل (تين اجزاء)
6۔ الإجابات البهية في المسائل الرمضانية
7۔ الرياض الندية على شرح العقيدة الطحاوية
8۔ حول تربية الأطفال وتعليم الجهال
9۔ كيف تطلب العلم
10۔ الفتاوى الشرعية في المسائل الطبية

وفات: آپ 80 سال کی عمر میں 20 رجب 1430ھ بروز سوموار وفات پا گئے۔

تعارف شیخ عبد العزیز ابن باز رحمہ اللہ

نام ونسب: فضیلۃ الشیخ، امام، سردار، مجتہد، بقیۃ السلف، مفتیٔ مسلمین ابو عبد اللہ عبد العزیز بن عبد اللہ بن عبد الرحمن بن محمد بن عبد اللہ بن باز۔ آپ کا لقب ابن باز تھا۔

ولادت: آپ سعودی عرب کے دار الحکومت ریاض میں 12 ذو الحجہ 1330ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کی پرورش ایسے گھرانے میں ہوئی جو خیر وصلاح سے بھرا ہوا تھا۔ آپ کے والد محترم 1333ھ میں فوت ہوگئے جبکہ اس وقت آپ تین سال سے بھی کم عمر تھے۔ آپ نے یتیمی کی حالت میں زندگی گزاری اور اپنی والدہ کے پاس پرورش پاتے رہے۔ انہوں نے آپ کی بہت اچھی تربیت کی۔ 1356ھ میں وہ بھی فوت ہو گئیں۔ اس وقت چونکہ ماحول علمی تھا اور ریاض میں سلفی دعوت کے بڑے بڑے امام موجود تھے، اس لیے آپ کی والدہ بھی شرعی علوم کا ذوق شوق رکھتی تھیں۔

علمی وعملی زندگی: آپ نے سلفی دعوت کے روشن ستاروں سے علم حاصل کیا جن میں ممتاز ترین شخصیت کا نام محمد بن ابراہیم بن عبد اللطیف آل شیخ رحمہ اللہ کا ہے۔ آپ نے انہی سے تمام شرعی علوم حاصل کیے۔

جہاں تک آپ کی عملی زندگی کا تعلق ہے تو آپ نے کئی ایک عہدوں کو سنبھالا ہے:

- 1357ھ سے 1371ھ تک دلم میں خرج علاقے کے قاضی رہے۔
- 1371ھ سے 1395ھ تک مدینہ اور ریاض میں وزارت تعلیم سنبھالی۔
- پھر 1395/10/14ھ سے 1414/01/14ھ تک علمی تحقیق وافتاء اور دعوت وارشاد کے لیے آپ وزیر کے رتبے پر فائز رہے۔

- پھر 20/01/1414ھ میں آپ پوری مملکت کے مفتی عام اور کبار علماء کی کمیٹی کے صدر بنائے گئے، اس کے ساتھ ساتھ آپ علمی تحقیق وافتاء کی دائمی کمیٹی کے بھی صدر بنائے گئے۔ آپ انہی عہدوں پر براجمان تھے کہ موت نے آلیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

تصنیفات: آپ کی بہت سی تالیفات ہیں جن میں سے اکثر مجموعہ مقالات وفتاویٰ میں جمع کردی گئی ہیں۔ اسی طرح آپ کے آڈیو فتاویٰ ایک کتاب بنام "فتاوی نور علی الدرب" چھپ چکے ہیں۔ اس کی اب تک 25 جلدیں بن چکی ہیں جسے فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد بن سعد الشویعر حفظہ اللہ مملکت کے مفتی عام الشیخ عبد العزیز بن عبد اللہ آل شیخ کی نگرانی میں جمع وترتیب دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو بھلائی کی توفیق عطا فرمائے۔

اسی طرح مؤسسہ عبد العزیز ابن باز الخیریہ نے آپ کی بعض نامور اہل علم کی کتب پر تعلیقات اور شروح کو شائع کیا ہے۔ مثلاً: امام، مجدد، الشیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کی کتب (كشف الشبهات، القواعد الاربع اور فضل الاسلام) شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتب (الفتوى الحمويه اور العقيده والواسطيه) ابن جریر الطبری رحمہ اللہ کی کتاب التبصير في معالم الدين اور الشیخ عبد الرحمن بن محمد بن قاسم رحمہ اللہ کی کتاب وظائف رمضان۔ اس کے ساتھ ساتھ مؤسسہ نے آپ کے شاگرد الشیخ عبد العزیز بن ابراہیم بن قاسم کی طبع کردہ کتب (تحفة الاخوان، تحفة أهل العلم والإيمان اور التحفة الكريمة وغیرہ) کی نگرانی کا کام بھی سرانجام دیا ہے۔

وفات: 27 محرم 1420ھ کو طائف میں جمعرات کے دن فجر سے تھوڑی دیر پہلے آپ فوت ہوئے۔ مسجدِ حرام میں نمازِ جمعہ کے بعد آپ کا جنازہ پڑھا گیا اور مقبرہ عدل میں آپ کو دفنایا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی آپ پر رحمتیں نازل ہوں اور وہ آپ کو اپنی جنتوں کی وسعتوں میں ٹھہرائے۔ آمین

عقیدہ واسطیہ کا مقدمہ:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ؛ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا. وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ؛ إِقْرَارًا بِهِ وَتَوْحِيدًا. وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ. صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا مَزِيدًا.

فَهَذَا اعْتِقَادُ الْفِرْقَةِ النَّاجِيَةِ الْمَنْصُورَةِ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ، وَهُوَ الْإِيمَانُ: بِاللَّهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكُتُبِهِ، وَرُسُلِهِ، وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْإِيمَانِ بِالْقَدَرِ؛ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ.

ترجمہ:

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے مخصوص ہیں جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم [3] کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اسے [4] تمام ادیان باطلہ پر غالب کر دے اور اللہ گواہ کے طور پر کافی ہے۔

---

(3) رسول کا لغوی معنیٰ ہے: قاصد، جسے پیغام دے کر بھیجا جائے۔ اصطلاحی طور پر رسول اس مذکر انسان کو کہتے ہیں جس پر شریعت کی وحی آئے اور اسے اس کی تبلیغ کا حکم ہو۔ اگر تبلیغ کا حکم نہ ہو تو اسے نبی کہتے ہیں۔ اس لیے ہر رسول نبی ہوتا ہے جبکہ ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ (الجبرین: 1/43) یہاں رسول سے تمام جنس رسول مراد ہے کیونکہ سارے انبیاء کرام ہی ہدایت اور دینِ حق لے کر آئے تھے۔ البتہ جس رسول کے ذریعے رسالت مکمل ہوئی اور انبیاء کے آنے کا سلسلہ ختم ہوا اور نبوت ورسالت کی عمارت تکمیل کو پہنچ گئی، وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (العثیمین: 1/39)

(4) «لیظهره» میں ضمیر کس طرف لوٹ رہی ہے؟ اگر دینِ حق کی طرف لوٹ رہی ہے تو پھر اس دین کے لیے جہاد کرنے والا ہر شخص غالب ہو گا کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس دین کو دیگر

میں اس کی توحید کو تسلیم کرتے ہوئے اور اس کا اقرار کرتے ہوئے گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں ہے، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔(5) میں گواہی دیتا ہوں(6) کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے

تمام ادیان پر غالب کر دے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جن لوگوں کا کوئی دین ہی نہیں ہے، ان پر انہیں بطریق اولیٰ غلبہ عطا فرمائے گا کیونکہ بے دین انسان باطل دین کے پجاری سے زیادہ خبیث ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ تمام ادیان جن کے پیروکار اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں، اسلام ان سب پر غالب آئے گا اور جو ان کے علاوہ ہیں، ان پر تو بطریقِ اولیٰ غالب آئے گا۔

اگر یہ ضمیر رسول کی طرف لوٹ رہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو غلبہ عطا کرے گا کیونکہ اس کے ساتھ دینِ حق ہے۔

غرض جس طرف بھی ضمیر لوٹے، مقصد یہ ہے کہ جو شخص اس دینِ حق پر عمل پیرا ہوگا، وہی غالب ہوگا۔ جو کسی دوسرے دین میں عزت تلاش کرے گا، اسے ذلت ہی ملے گی۔ غلبہ، عزت اور کرامت صرف دین حق میں ہے۔ اس لیے میرے بھائیو! میں آپ کو یہ دعوت دیتا ہوں کہ ظاہر و باطن ہر اعتبار سے یعنی عبادت و سلوک، اخلاق اور اس کی طرف دعوت دینے میں اسی دین کو تھام لیں تاکہ ملت قائم ہو جائے اور امت سیدھے راستے پر آجائے۔(العثیمین: 1 / 41)

(5) زبانی اقرار کرنا یعنی لا الہ الا اللہ کہہ دینا کافی نہیں جب تک اس کے تقاضوں کے مطابق عمل نہ ہو۔ یعنی عبادت کی تمام اقسام کو جب تک اللہ تعالیٰ کے لیے خاص نہیں کیا جائے گا، تب تک اقرار کام نہیں آئے گا۔ عاجزی، خشوع، خضوع، خوف، امید، محبت وغیرہ صرف اسی سے رکھنا ضروری ہے۔(الجبرین: 1 / 48)

گویا: خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل ۔۔۔ دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

(ضرب کلیم، نظم: تصوف)

(6) ”شہادت دیتا ہوں“ کا مطلب ہے کہ میں دل سے اقرار کرتا ہوں اور زبان سے اس کا اظہار کرتا ہوں۔ کیونکہ شہادت کا مطلب ہے: دل میں موجود بات کا زبان کے ذریعے اظہار۔ مثلاً: جب آپ جج کے سامنے کسی کے حق میں یا کسی کے خلاف شہادت دیتے ہیں تو زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو آپ کے دل میں ہوتی ہے۔ یہاں لفظ اقرار کی بجائے شہادت کا لفظ اس لیے بولا گیا ہے کیونکہ

رسول ہیں،[7] اللہ تعالیٰ کی طرف سے درود[8] اور بہت زیادہ سلام ہو آپ ﷺ، آپ کی آل[9] اور ساتھیوں[10] پر۔ اس حمد وصلاۃ کے بعد!

یہ[11] قیامت قائم ہونے تک[12] غالب اور نجات پانے والی جماعت اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کا بیان ہے۔[13] ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ پر، اس کے

شہادت کا اصلی معنیٰ ہوتا ہے کسی چیز کے پاس حاضر ہونا اور اسے دیکھنا۔ گویا اپنی دلی بات کو زبان کے ذریعے ظاہر کرنے والا معاملے کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا ہے۔ (العثیمین: 1/ 43)

(7) یہاں آپ ﷺ کی عبدیت اور رسالت کی گواہی دی جا رہی ہے۔ عبدیت کو اس لیے پہلے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ یہ آپ ﷺ کی تعریف ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے بندے اور عبادت گزار ہیں۔ اس لیے قرآن میں بھی جب آپ ﷺ کا کسی اعلیٰ جگہ پر ذکر آیا ہے تو «عبد» کہہ کر اللہ نے آپ کا تذکرہ کیا ہے۔ (الجبرین: 1/ 53)

(8) اللہ کی طرف سے درود کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کی اپنے مقرب ترین فرشتوں میں تعریف کرتے ہیں جیسا کہ صحیح البخاری میں ابو العالیہ تابعی رحمہ اللہ کا قول موجود ہے۔ (صحيح البخاري، حديث: 4797 سے پہلے) بعض لوگ کہتے ہیں کہ درود کا مطلب رحمتِ الٰہی کا نزول ہے۔ لیکن یہ قول درست نہیں ہے۔ (الجبرین: 1/ 54، والعثیمین: 1/ 46)

(9) آل سے مراد آپ ﷺ کے مؤمن اہل خانہ، مثلاً: بیویاں، بیٹیاں وغیرہ ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے درود کے یہ الفاظ سکھائے ہیں: «اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّتِهِ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ» (صحيح البخاري: 6360) یہاں آپ ﷺ نے لفظ آل کی بجائے جن پر یہ لفظ صادق آتا ہے، ان کے نام لیے ہیں۔ (الجبرین: 1/ 55)

(10) یعنی صحابہ کرام پر۔ صحابی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے نبی کریم ﷺ سے ملاقات کی، آپ ﷺ پر ایمان لایا، آپ ﷺ کی پیروی کی اور پھر ایمان کی حالت میں ہی فوت ہوا۔ (الجبرین: 1/56)

(11) لفظ «هذا» بمعنیٰ: ”یہ“ اسم اشارہ ہے اور اشارہ کسی موجود چیز کی طرف ہونا چاہیے۔ جب میں «هذا» یعنی ”یہ“ کہوں گا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ میں کسی ظاہر و محسوس چیز کی طرف

اشارہ کر رہا ہوں۔ مگر مؤلف نے تو کتاب لکھنے اور اسے عالم محسوس میں پیش کرنے سے پہلے اس کا خطبہ لکھا تھا۔ پھر انہوں نے ''یہ'' کیوں کہا؟

میں اس کے جواب میں یہ کہنا چاہوں گا کہ علماء فرماتے ہیں: اگر مؤلف نے کتاب پہلے لکھی، پھر اس کا مقدمہ اور خطبہ لکھا تو اس صورت میں کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے جس کی طرف وہ اشارہ کر رہے ہیں، وہ ان کے سامنے موجود ہے۔ لیکن اگر کتاب ابھی نہیں لکھی تو اس صورت میں وہ اپنے ذہن میں موجود ان معانی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جنہیں وہ اس کتاب میں لکھنے والے تھے۔ میرے نزدیک اس کی ایک تیسری وجہ بھی ہے اور وہ یہ کہ مؤلف نے یہ لفظ قاری یعنی پڑھنے والے کے اعتبار سے لکھا ہے۔ کیونکہ جب پڑھنے والا اس کتاب کو پڑھے گا تو کتاب اس کے سامنے ہو گی۔ گویا وہ اسے کہہ رہے ہیں کہ یہ کتاب جو تمہارے سامنے ہے۔ (العثیمین: 1/ 50)

(12) یہاں ایک سوال پیدا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ قیامت بدترین مخلوق پر قائم ہو گی۔ (صحيح مسلم: 2949) اور اس وقت قیامت قائم ہو گی جب اللہ کا نام لینے والا باقی نہیں بچے گا۔ (صحيح مسلم: 148) تو پھر متن میں مذکور فرمان اور ان دونوں فرامین میں کیا تطبیق ہو گی؟

جواب: ''قیامت قائم ہونے تک'' سے ''قیامت قائم ہونے کے قریب'' والا وقت مراد ہے۔ کیونکہ ایک حدیث میں ہے: «حتى يأتي أمر الله» یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے۔ (صحيح البخاري: 7312، وصحيح مسلم: 1920) یا قیامت قائم ہونے سے ان لوگوں کی موت مراد ہو گی کیونکہ جو شخص مر جاتا ہے، اس کی قیامت قائم ہو جاتی ہے۔ لیکن پہلا قول زیادہ مناسب ہے کہ وہ لوگ قیامت قائم ہونے کے قریب والے وقت تک مدد یافتہ ہوں گے۔ ہم نے یہ تاویل دلیل کی بنیاد پر کی ہے اور دلیل کی بناء پر تاویل کرنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ ساری باتیں اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہیں۔ (العثیمین: 1/ 52-51)

(13) اس رسالے کا نام عقیدہ واسطیہ ہے۔ عقیدہ کے مطلب ہے: وہ پختہ یقین جس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہ ہو۔ اس رسالے کو واسطیہ کا نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حج کے دنوں میں شیخ الاسلام رحمہ اللہ عصر کے بعد مسجد میں تشریف فرما تھے کہ واسط شہر کا ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے کوئی ایسی تحریر لکھ دیں جس میں صحیح عقیدے کا بیان ہو۔ تب آپ نے اسی جگہ بیٹھے بیٹھے اپنے حفظ سے، بغیر کسی کتاب کو دیکھے یہ رسالہ لکھ کر اس شخص کو دے دیا۔ (الجبرین: 1/ 37)

فرشتوں پر،(14) اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر،(15) موت کے بعد کی زندگی پر اور اچھی بری تقدیر(16) پر ایمان لایا جائے۔

---

(14) فرشتے وجود رکھتے ہیں، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ﴾ فرشتوں کو قاصد بنانے والا ہے جو پروں والے ہیں۔ [فاطر: 1] اسی طرح نبی کریم ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی پیدائشی شکل میں دیکھا تھا تو ان کے چھ سو پَر تھے جنہوں نے افق کو ڈھانپا ہوا تھا۔ (صحیح البخاري: 3232) بعض لوگ انہیں روحیں سمجھتے ہیں۔

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کیا فرشتے عقل رکھتے ہیں؟ ہم پوچھتے ہیں: کیا آپ عقل رکھتے ہیں؟ ایسا سوال تو کوئی دیوانہ ہی کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جو وہ انھیں حکم دے اور وہ کرتے ہیں جو حکم دیے جاتے ہیں۔ [التحریم: 6] کیا کسی بے عقل کی اس طرح کی تعریف کی جا سکتی ہے؟ ﴿يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ﴾ وہ رات اور دن تسبیح کرتے ہیں، وقفہ نہیں کرتے۔ [الأنبیاء: 20] کیا ان کے بارے میں ہم کہیں گے کہ ان کے عقل نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کرتے ہیں اور اللہ کی طرف سے ملنے والے ہر حکم پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور وحی پہنچاتے ہیں؟ حق تو یہ ہے کہ جو انہیں بے عقل کہتا ہے، وہ خود بے عقل ہے۔ (العثیمین: 1/64-65)

(15) ادریس علیہ السلام کے بارے میں اکثر مؤرخین اور بعض مفسرین کا یہ خیال ہے کہ وہ نوح علیہ السلام سے پہلے تھے اور ان کے آباء واجداد میں سے تھے۔ لیکن قول غلط ہے۔ قرآن وحدیث اس کی تردید کرتے ہیں۔ صحیح بات یہی ہے کہ پہلے نبی آدم علیہ السلام اور پہلے رسول نوح علیہ السلام تھے۔ جبکہ آخری نبی اور رسول محمد ﷺ تھے، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ لیکن وہ اللہ کا رسول اور تمام نبیوں کا ختم کرنے والا ہے۔ [الأحزاب: 40] خاتم المرسلین اس لیے نہیں کہا کہ جب نبوت ختم ہو گئی تو رسالت بطریق اولیٰ ختم ہو گئی۔

اگر آپ یہ سوال کریں کہ عیسیٰ علیہ السلام جو رسول تھے، وہ آخری زمانے میں آسمان سے نازل آئیں گے، (صحیح البخاري: 2222، وصحیح مسلم: 155) لہٰذا آپ ﷺ آخری نبی اور رسول نہ رہے؟

جواب: وہ کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آئیں گے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق ہی فیصلے فرمائیں گے۔

اگر سوال کیا جائے کہ یہ بات تو سبھی مانتے ہیں کہ اس امت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ جب عیسیٰ علیہ السلام بھی نازل ہو کر اسی شریعت کے مطابق فیصلہ کریں گے تو آپ علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار ہوئے۔ پھر ہمارا یہ کہنا کہ ”اس امت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں“ کیسے درست ہو سکتا ہے؟

جواب: اس کے تین جواب ہیں: (1) عیسیٰ علیہ السلام مستقل رسول ہیں اور اولو العزم رسولوں میں سے ایک ہیں۔ لہٰذا کوئی بھی ان کے اور ایک امتی کے درمیان مقابلے کا سوچ بھی نہیں سکتا، فضیلت دینا تو دور کی بات ہے۔ اس بناء پر یہ اعتراض سرے سے ہی مردود ہے۔ یہ محض تکلف ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تکلف سے کام لینے والے ہلاک ہوں گے۔ (صحیح مسلم: 2670) (2) ابو بکر ساری امت سے افضل ہیں سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے۔ (3) عیسیٰ علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی اور اس امت کے ایک فرد نہیں ہیں کیونکہ آپ علیہ السلام تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پچھلے دور کے ہیں۔ البتہ جب آپ علیہ السلام نازل ہوں گے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں گے کیونکہ اب قیامت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ہی باقی رہنے والی ہے۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ آپ علیہ السلام کیسے فرمانبردار ہوں گے جبکہ آپ خنزیر کو قتل کریں گے، صلیب توڑ دیں گے اور اسلام کے علاوہ کوئی اور دین قبول ہی نہیں کریں گے، حالانکہ اسلام کا اصول تو یہ ہے کہ اہل کتاب سے جزیہ لے کر انہیں تحفظ فراہم کرتا ہے؟

جواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ باتیں بتانا ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریری حدیث ہے، لہٰذا یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا حصہ ہوگا اور اس وقت اسلام کا سابقہ حکم منسوخ ہو جائے گا۔ (العثیمین: 1/ 66-68)

(16) تقدیر کا لغوی معنیٰ ہے: چیزوں کی مقدار کا احاطہ۔ اصطلاحی معنیٰ: اللہ تعالیٰ کا چیزوں کی پیدائش سے پہلے ان کی مقدار اور زمانے کو جاننا، پھر انہیں پیدا کرنا۔ (الجبرین: 1/ 79)

تشریح:

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ؛ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا» "تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے مخصوص ہیں جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اسے تمام ادیان باطلہ پر غالب کر دے اور اللہ گواہ کے طور پر کافی ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا ہے جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴾

وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو سب ادیان پر غالب کر دے۔ خواہ یہ بات مشرکوں کو کتنی ہی ناگوار ہو۔
[التوبۃ: 33]

«الھدی» کا مطلب ہے: فائدہ مند علم اور سچی خبریں، اسے ہدایت کہتے ہیں۔

«دین الحق» کا مطلب ہے: احکامات (وہ کام جنہیں کرنے کا حکم ہے) اور منہیات (جن سے روکا گیا ہے) میں عدل وانصاف کا دامن تھامے ہوئے سیدھی شریعت۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو علمِ نافع، عمل صالح اور سیدھے سادے احکامات دے کر بھیجا ہے تاکہ دین اسلام کو آپ ﷺ کے ذریعے بھیجی گئی ہدایت سے تمام ادیان باطلہ پر غالب کر دے۔ اس عظیم معاملے پر اللہ تعالیٰ بطور گواہ کافی ہے۔

پھر فرماتے ہیں: «وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ؛ إِقْرَارًا بِهِ وَتَوْحِيدًا» "میں اس کی توحید کو تسلیم کرتے ہوئے اور اس کا اقرار کرتے ہوئے گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں ہے، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔" یعنی یہ اقرار کرتے ہوئے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی

عبادت کا مستحق ہے۔ وہی اپنی ذات، صفات اور ناموں میں اکیلا ہے۔ اس کا کوئی ہمنام ہے، نہ ہمسر اور نہ ہم مثل۔ وہ بندوں کو پیدا کرنے اور ان کی پرورش کرنے، پالنے اور ان کو پروان چڑھانے میں اکیلا ہے۔ اس کے علاوہ ان کا کوئی خالق نہیں ہے۔ وہی سب کچھ پیدا کرنے والا، سب کو روزی دینے والا ہے۔ الوہیت میں بھی وہ اکیلا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ «إِقْرَارًا بِهِ» یعنی اس عظیم توحید کا اقرار کرتے ہوئے۔ «وَتَوْحِيدًا» یعنی صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے خالص کرتے ہوئے۔

پھر انہوں نے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو دعا کرنے کا طریقہ سکھاتے ہوئے کہا کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرو، پھر نبی کریم ﷺ پر درود بھیجو۔ اس لیے دعاؤں اور کتابوں کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء، اس کی وحدانیت اور نبی کریم ﷺ کی رسالت کی گواہی مستحب ہے کیونکہ یہ قبولیتِ دعا اور توفیق ملنے کا ایک سبب ہے۔ اسی وجہ سے فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «**إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِتَحْمِيدِ اللَّهِ وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِ، ثُمَّ لْيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ لْيَدْعُ بَعْدُ بِمَا شَاءَ**».

جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اسے چاہیے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرے پھر نبی اکرم ﷺ پر درود بھیجے اور اس کے بعد جو چاہے، دعا کرے۔

(سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الدعاء، ح:1481، سنن الترمذي، أبواب الدعوات، باب في إيجاب الدعاء۔۔۔، ح: 3477۔ ترمذی نے حسن صحیح جبکہ حاکم نے مستدرک:840 میں صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔)

پھر انہوں نے کہا: «أما بعد» یہ جملہ پہلے اور بعد والی کلام کے درمیان فاصلہ کرنے کے لیے آتا ہے۔ اس کا مقصد منتقل ہونا ہوتا ہے یعنی پچھلی کلام کے بعد بات یہ ہے۔

«فهذا اعتقاد» یعنی میں کہتا ہوں کہ یہ جو انہوں نے کتاب لکھی ہے، یہ عقیدہ ہے ”قیامت قائم ہونے تک غالب اور نجات پانے والی جماعت اہل سنت والجماعت“ کا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے کہ یہ امت تہتر (73) فرقوں میں بٹ جائے گی، ایک کے علاوہ سبھی جہنم میں جائیں گے۔ پوچھا گیا: یا رسول اللہ ﷺ! وہ ایک فرقہ کون سا ہے؟ فرمایا: «الْجَمَاعَةُ» جماعت۔ (سنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب افتراق الأمم، ح: 3992، سنن أبي داؤد: 4597، مستدرک حاکم: 443، حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔)

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: «مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي» جس میں اور میرے صحابہ ہیں۔ (سنن الترمذي، أبواب الإيمان، باب ما جاء في افتراق هذه الأمة، ح: 2641، المعجم الأوسط للطبراني: 4886)

یہ اہل سنت والجماعت ہیں۔ انہیں فرقہ ناجیہ (نجات پانے والی جماعت)، فرقہ منصورہ اور طائفہ منصورہ (قیامت تک غالب رہنے والی جماعت) کہا جاتا ہے۔ یہ سب ایک ہی جماعت کے مختلف نام ہیں۔ انہیں منصورہ، ناجیہ، اہل السنہ والجماعہ اور اس جماعت میں شامل لوگوں کو اہل سنت کہتے ہیں۔ یہ صحابہ اور ان کے منہج پر چلنے والے لوگ ہیں۔ یہی اہل سنت والجماعت اور فرقہ ناجیہ ہیں۔ یعنی اصحابِ نبی اور ان کے طریقے اور منہج پر چلنے والے اور ان کی پیروی کرنے والے ہی اہل سنت والجماعت ہیں۔ جہمیہ، معتزلہ، مرجئہ اور قدریہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں کیونکہ یہ سب صحابہ کے مخالف ہیں اور بہتر (72) گروہوں میں شامل ہیں۔ فرقہ ناجیہ وہی ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول کے مطابق اللہ تعالیٰ کی توحید واخلاص، اتباعِ شریعتِ الٰہی اور اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کی تعظیم میں صحابہ کے منہج پر ہے۔ یہی لوگ فرقہ ناجیہ والے ہیں۔

ان کا عقیدہ: اللہ پر، اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں، آخرت کے دن اور ایک دوسری روایت کے مطابق، موت کے بعد زندگی اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لانا ہے۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ انہی چھ اصولوں پر قائم ہے۔

اللہ پر ایمان:

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے میں یہ بات شامل ہے کہ اس بات پر ایمان لایا جائے کہ اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ اس نے اپنے رسولوں کو بھیجا ہے، کتابیں نازل کی ہیں اور شریعت مقرر فرمائی ہے۔ اللہ پر ایمان میں اسلام کے پانچوں رکن شامل ہیں۔ یعنی شہادتین کے علاوہ نماز، روزہ، حج [17] اور زکاۃ۔ اللہ پر ایمان لانے میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ اس بات پر ایمان لایا جائے کہ اکیلا اللہ ہی عبادت کا مستحق ہے۔ اسی نے شریعتیں مقرر کی ہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکاۃ اور دیگر سارے کام اسی کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔

فرشتوں پر ایمان:

یعنی ان تمام فرشتوں پر ایمان لانا جن کا نام اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صحیح حدیث میں بیان کیا ہے۔ لہٰذا اہل سنت جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، موت کے فرشتے، جہنم کے داروغے وغیرہ تمام فرشتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ جن کا تفصیلی ذکر ہے، ان پر تفصیلی ایمان اور جن کا اجمالی ذکر ہے، ان پر اجمالی ایمان لاتے ہیں۔

اجمالی ذکر والے فرشتوں کی مثال: عرش اٹھانے اور اسے گھیرنے والے فرشتے وغیرہ۔ اہل سنت کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جن میں عرش اٹھانے والے ہیں۔ ان میں «الکروبیون» ہیں جو عرش کو گھیرے ہوئے ہیں۔ ان

---

(17) اللہ پر ایمان میں حج کے شامل ہونے کی دلیل ہمیں نہیں ملی۔ اسکی جگہ مال غنیمت میں سے خمس کی ادائیگی کا تذکرہ حدیثِ وفدِ عبد القیس میں موجود ہے۔ (صحيح البخاري: 53) یعنی اللہ پر ایمان میں اسلام کے پانچوں رکن شامل ہیں۔ یعنی شہادتین کے علاوہ نماز، روزہ، زکاۃ اور مال غنیمت میں سے خمس کی ادائیگی۔ (طاہر)

میں دن رات ہمارے پاس آنے جانے والے ہیں۔ ان میں ہم پر مقرر کردہ فرشتے ہیں۔ ان میں جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل وغیرہ فرشتے ہیں۔ اہل سنت سب پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ سارے فرشتے اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے: ﴿بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝26 لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝27﴾

بلکہ وہ تو اس کے معزز بندے ہیں۔ وہ بات کرنے میں اس سے پہل نہیں کرتے، بس اسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ [الأنبياء: 27-26]

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا تذکرہ کیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے بہترین بندے ہیں، لیکن اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ انسانوں میں سے مؤمن بندے فرشتوں سے افضل ہیں کیونکہ یہ مکلف ہیں اور شہوات میں گھرے ہوئے ہیں۔ جب یہ ایمان لائیں اور اس پر استقامت کا مظاہرہ کریں، تو اس اعتبار سے فرشتوں سے افضل ہیں۔

کتابوں پر ایمان:

اسی طرح اہل سنت والجماعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسولوں پر نازل شدہ تمام کتابوں پر ایمان لاتے ہیں۔ جنہیں وہ جانتے ہیں، مثلاً: تورات، انجیل، زبور اور قرآن، ان پر تفصیلی اور جنہیں نہیں جانتے، ان پر اجمالی ایمان لاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ﴾

بلاشبہ ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازو کو نازل کیا۔ [الحديد: 25]

اہل سنت کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں پر کتابیں نازل فرمائی ہیں اور ساری حق ہیں۔ ان کا اس بات پر بھی ایمان ہے کہ اللہ جل جلالہ کی کتابیں اللہ

تعالیٰ کا کلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں میں تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید شامل ہے۔

رسولوں پر ایمان:

اہل سنت والجماعت رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسولوں میں پہلے نوح علیہ السلام ہیں۔ انہی میں ایک آدم علیہ السلام بھی ہیں جو اپنی اولاد کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ سب سے آخری نبی محمد ﷺ ہیں۔ سارے نبی حق تھے۔ سب نے اللہ تعالیٰ کے پیغامات اس کی مخلوق تک بھرپور طریقے سے پہنچائے۔ سب کو اس لیے بھیجا گیا تھا تاکہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی اطاعت کی طرف بلائیں اور انہیں شرک اور نافرمانیوں سے ڈرائیں۔ پہلے پیغمبر آدم علیہ السلام سے لے کر آخری پیغمبر محمد ﷺ نے یہی کام کیا ہے۔

نوح علیہ السلام کو پہلا رسول اس لیے کہا جاتا ہے کہ اہل زمین میں شرک آنے کے بعد سب سے پہلے انہیں ہی بھیجا گیا تھا۔ ان سے پہلے سب لوگ آدم علیہ السلام کی شریعت کے مطابق توحید پرست تھے۔ پھر قوم نوح میں ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کی محبت میں غلو کی وجہ سے شرک آ گیا۔[18]

تو اللہ تعالیٰ نے انہیں توحید کی طرف بلانے اور اللہ تعالیٰ کے انتقام سے ڈرانے کے لیے نوح علیہ السلام کو ان کی طرف بھیجا۔

جب وہ اسی شرک پر اڑے رہے اور ان کی بات نہ مانی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں طوفان میں غرق کر دیا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

---

(18) سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ قوم نوح کے نیک لوگوں کے نام ہیں جنہیں ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنا معبود بنا لیا تھا۔ پھر ان کے بعد یہ عرب کے معبود بن گئے۔ (صحيح البخاري، كتاب التفسير، تفسير سورة نوح، باب وقالوا لا تذرن آلهتكم۔۔۔ الخ، ح: 4920)

اسی طرح اہل سنت پانچویں اصول پر بھی ایمان رکھتے ہیں یعنی آخرت کے دن پر یا موت کے بعد اٹھنے پر۔ اہل سنت کا ایمان ہے کہ سب انسان اور جن مر جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ انہیں اٹھا کھڑا کریں گے۔

دوبارہ اٹھنے کو «البعث الآخر»، «الیوم الآخر» اور «البعث بعد الموت» بھی کہتے ہیں۔ یہ سب نام قرآن وحدیث میں مذکور ہیں۔ «الیوم الآخر» کا لفظ قرآن مجید میں ہے اور «البعث بعد الموت» کا لفظ بعض احادیث میں موجود ہے۔

اہل سنت کا ایمان ہے کہ سب انسان اور جن مر جائیں گے اور پھر اٹھائے جائیں گے، پھر ان کے اعمال کے مطابق انہیں اچھا یا برا بدلہ دیا جائے گا، جیسا کہ یہ ساری باتیں اللہ عزوجل نے اپنے اس فرمان مبارک میں بیان کر دی ہیں: ﴿زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑦﴾

(آخرت کا) انکار کرنے والوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ قطعاً اٹھائے نہیں جائیں گے۔ آپ ان سے کہیے: کیوں نہیں۔ میرے پروردگار کی قسم! تم ضرور اٹھائے جاؤ گے پھر جو کچھ تم کرتے رہے اس سے ضرور تمہیں آگاہ کیا جائے گا اور یہ بات اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔ [التغابن: 7]

یعنی لوگوں کا دوبارہ زندہ ہونا اور انہیں بدلہ ملنا بہت ضروری ہے۔

موت کے بعد زندگی کو ہی آخرت کا دن کہتے ہیں۔ اس میں لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔ اگر اچھے اعمال ہوں گے تو اچھا بدلہ ملے گا اور اگر برے اعمال کر کے آئے ہوں گے تو برا بدلہ ملے گا۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ㉛﴾

اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اللہ ہی کا ہے، تا کہ وہ ان لوگوں کو جنھوں نے برائی کی، ان کے کیے کا بدلہ دے اور ان لوگوں کو جنھوں نے بھلائی کی، انہیں اچھا بدلہ دے۔[النجم : 31]

ساری مخلوق کے لیے ایک وقت مقرر کیا گیا ہے جو قیامت کا دن ہے۔ اگر کچھ لوگوں کو دنیا میں مہلت مل گئی اور وہ سزا پائے بغیر مر گئے تو ان کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان عبرت نشان ہے:﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۙ﴿42﴾﴾

اور آپ اللہ کو ہرگز اس سے غافل نہ سمجھیں جو ظالم لوگ کر رہے ہیں، وہ تو انہیں صرف اس دن کے لیے مہلت دے رہا ہے جس میں آنکھیں کھلی رہ جائیں گی۔[إبراهيم : 42]

اور یہ قیامت کا دن ہے۔

تقدیر پر ایمان:

اہل سنت کے عقیدے کا چھٹا رکن تقدیر پر ایمان ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی پیدائش سے پہلے اپنے پیشگی اندازے کے مطابق چیزوں کو مقدر میں لکھ دیا تھا۔ جیسا کہ یہ بات صحیح مسلم میں موجود ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمرو عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كَتَبَ اللّٰهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، قَالَ : وَعَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ»

اللہ نے آسمان وزمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیر لکھی اور اللہ کا عرش پانی پر تھا۔

(صحیح مسلم، کتاب القدر، باب حجاج آدم و موسی علیهما السلام، ح: 2653)

فرمان باری تعالیٰ ہے:﴿ اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿49﴾ ﴾

بے شک جو بھی چیز ہے، ہم نے اسے ایک اندازے کے ساتھ پیدا کیا ہے۔[القمر: 49]

فرمان الٰہی ہے:﴿ مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ﴿22﴾ لِّكَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ﴿23﴾ ﴾

کوئی بھی مصیبت جو زمین میں آتی ہے یا خود تمہیں پہنچتی ہے، وہ ہمارے پیدا کرنے سے پہلے ہی ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے (اور) بلاشبہ یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔ یہ اس لئے کہ جو کچھ تمہیں نہ مل سکے، اس پر تم غم نہ کیا کرو اور جو کچھ اللہ تمہیں دے دے اس پر اِترایا نہ کرو اور اللہ کسی بھی خود پسند اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ [الحدید: 23-22]

پیشگی تقدیریں ثابت اور لکھی ہوئی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِیْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ﴿70﴾ ﴾

کیا آپ نے نہیں جانا کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ بلاشبہ یہ ایک کتاب میں درج ہے، یقیناً یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔[الحج: 70]

اہل سنت کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چیزوں کی تقدیر بنائی ہے اور لوگوں کی تخلیق اور ایجاد سے پچاس ہزار سال پہلے بلکہ تمام مخلوقات کی پیدائش سے پہلے، آسمانوں کے پیدا کیے جانے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دی ہیں، اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ وہ پاک ہے اور بہت بلند و بالا ہے۔

اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہ چھ رکن ایمان کی بنیاد ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفات کے اثبات پر ایمان:

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَمِنَ الْإِيمَانِ بِاللَّهِ: الْإِيمَانُ بِمَا وَصَفَ بِهِ نَفْسَهُ فِي كِتَابِهِ، أَوْ بِمَا وَصَفَهُ بِهِ رَسُولُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَيْرِ تَحْرِيفٍ وَلَا تَعْطِيلٍ، وَمِنْ غَيْرِ تَكْيِيفٍ وَلَا تَمْثِيلٍ؛ بَلْ يُؤْمِنُونَ بِأَنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ [الشورى: 11]

فَلَا يَنْفُونَ عَنْهُ: مَا وَصَفَ بِهِ نَفْسَهُ وَلَا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ، وَلَا يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَاءِ اللَّهِ، وَآيَاتِهِ، وَلَا يُكَيِّفُونَ وَلَا يُمَثِّلُونَ صِفَاتِهِ بِصِفَاتِ خَلْقِهِ؛ لِأَنَّهُ سُبْحَانَهُ لَا سَمِيَّ لَهُ، وَلَا كُفُوَ لَهُ، وَلَا نِدَّ لَهُ، وَلَا يُقَاسُ بِخَلْقِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى، فَإِنَّهُ سُبْحَانَهُ أَعْلَمُ بِنَفْسِهِ وَبِغَيْرِهِ، وَأَصْدَقُ قِيلًا، وَأَحْسَنُ حَدِيثًا، مِنْ خَلْقِهِ۔

ترجمہ:

اللہ پر ایمان [19] لانے میں یہ بات شامل ہے کہ اس کی ان صفات کو بغیر کسی تحریف، تعطیل (نفی)، تکییف (کیفیت بیان کیے) اور تمثیل (مثال دیے) تسلیم

---

(19) ایمان کے لغوی معنیٰ کے بارے میں بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ یہ تصدیق کا مترادف ہے۔ یعنی لغوی اعتبار سے کسی پر ایمان لانا یا اس کی تصدیق کرنا برابر ہے۔ تفسیر میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ قول غلط ہے۔ بلکہ لغوی اعتبار سے ایمان کا مطلب ہے: ”کسی چیز کی تصدیق کرتے ہوئے اس کا اقرار کرنا“ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ میں فلاں چیز پر ایمان لایا، میں نے فلاں چیز کا اقرار کیا، میں نے فلاں کی تصدیق کی، لیکن آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ «آمنت فلانا» (یعنی بغیر حرف جر کے ایمان کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ مترجم) لہٰذا ایمان تصدیق سے بڑھ کر کسی چیز کا نام ہے۔ اور وہ ہے ایسا اقرار اور اعتراف جو خبر ماننے اور احکام کی تعمیل کرنے کو شامل ہو۔ یہ ایمان کی

کیا جائے جو خود اس نے اپنی کتاب میں یا اس کے رسول ﷺ نے اس کی بیان فرمائی ہیں ۔ بلکہ اہل سنت والجماعت کا ایمان ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿١١﴾﴾

اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔[الشوری : 11]

تو اس نے اپنی جو بھی صفت بیان کی ہے،[20] اہل سنت اسکی تعطیل (نفی) نہیں کرتے، نہ تحریف کرتے (بات کو اس کی اصل جگہ سے پھیرتے) ہیں،[21] نہ اللہ

تعریف ہے۔ آپ کا صرف یہ ماننا کہ اللہ موجود ہے، یہ کوئی ایمان نہیں ہے۔ جب اس تسلیم کرنے میں باتیں ماننا اور احکام کی تعمیل شامل ہو گی تو یہ ایمان کہلائے گا، وگرنہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے میں چار چیزیں شامل ہیں: (1) وجودِ باری تعالیٰ پر ایمان (2) اس کی ربوبیت پر ایمان یعنی یہ ماننا کہ وہ ربوبیت میں اکیلا ہے۔ (3) الوہیت میں اس کے اکیلا ہونے پر ایمان (4) اس کے اسماء وصفات پر ایمان۔

جب تک یہ چاروں چیزیں نہ پائی جائیں، تب تک ایمان پیدا ہی نہیں ہوتا۔ لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان نہیں رکھتا، وہ مؤمن نہیں ہے۔ جو اللہ کے وجود پر تو ایمان رکھتا ہے لیکن ربوبیت میں اسے اکیلا نہیں مانتا، وہ بھی مؤمن نہیں ہے۔ جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے، ربوبیت میں اسے اکیلا تسلیم کرتا ہے لیکن الوہیت میں اسے اکیلا نہیں مانتا، وہ بھی مؤمن نہیں ہے۔ جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے، اس کو ربوبیت اور الوہیت میں اکیلا جانتا ہے، لیکن اس کے اسماء وصفات پر ایمان نہیں رکھتا، وہ بھی مؤمن نہیں ہے۔ اسماء وصفات کے انکار کے حوالے سے بعض اوقات ایمان بالکل ختم ہو جاتا ہے اور بعض اوقات اس میں کمی آجاتی ہے۔ (العثیمین: 1/ 55-54)

(20) **سوال:** کیا ہر وہ چیز جو ہمارے حق میں کمال ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی کمال ہے ؟ اور کیا جو چیز ہمارے لیے باعث نقص ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے حق میں بھی باعثِ نقص ہے ؟

جواب: نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اس لیے کہ نقص وکمال کا پیمانہ ان کی طرف منسوب چیز کے اعتبار سے نہیں ہے کیونکہ خالق اور مخلوق کے درمیان فرق بالکل واضح ہے، بلکہ اصل پیمانہ صفت کے صفت ہونے کے اعتبار سے ہے۔ اس لیے ہر صفتِ کمال اللہ کے لیے ثابت ہے۔

کھانا پینا خالق کے اعتبار سے نقص ہے کیونکہ ان کا سبب ضرورت ہے اور اللہ ہر چیز سے بے نیاز ہے، لیکن یہ دونوں چیزیں مخلوق کے لیے کمال ہیں کیونکہ جب انسان کھانا نہیں کھاتا تو لازماً کسی بیماری وغیرہ کا شکار ہو کر کمزور ہو جاتا ہے اور یہ نقص ہے۔

خالق کے اعتبار سے نیند نقص ہے، جبکہ مخلوق کے لیے نیند کمال کی چیز ہے۔ لہٰذا فرق صاف ظاہر ہے۔

تکبر خالق کے لیے کمال جبکہ مخلوق کے لیے نقص ہے۔ کیونکہ شان اور عظمت تکبر کے بغیر کامل نہیں ہوتی تاکہ غلبہ مکمل ہو اور کوئی جھگڑا نہ کر سکے۔ اس لیے جو شخص کبریائی اور عظمت کو چھیننے کی کوشش کرتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے دھمکی دی ہے کہ: «من نازعني واحد منهما عذبته» جو کوئی ان میں سے کوئی ایک چیز بھی مجھ سے چھیننا چاہے گا، میں اسے عذاب دوں گا۔ (صحيح مسلم: 2620)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مخلوق کا ہر کمال خالق کے حق کمال اور مخلوق کا ہر نقص خالق کے حق میں نقص نہیں ہے کیونکہ کمال اور نقص دونوں اعتباری چیزیں ہیں (یعنی مختلف اعتبار سے ان کا حکم مختلف ہوتا ہے۔) (العثيمين: 1/ 83-82)

(21) **سوال:** تحریف اور تعطیل میں کیا فرق ہے؟

جواب: تحریف دلیل میں ہوتی ہے اور تعطیل اس دلیل کے معنیٰ میں۔ مثلاً: جب کوئی یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾ [المائدة: 64] کا مطلب ہے کہ ”بلکہ اس کی دونوں قوتیں۔“ تو یہ شخص دلیل میں تحریف کر رہا ہے اور اس کے اصلی معنیٰ کی نفی کر رہا ہے کیونکہ اس کا اصلی معنیٰ تو حقیقی ہاتھ ہیں۔ تو اس نے مرادی معنیٰ کی نفی کی اور غیر مرادی معنیٰ کا اثبات کیا۔ البتہ جب وہ یہ کہے کہ: ﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾ کا مطلب مجھے معلوم نہیں، میں یہ معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ حقیقی ہاتھ کا اثبات کرے، نہ تحریف شدہ ہاتھ یعنی قوت کا۔ ہم کہیں گے کہ یہ شخص «مُعَطِّل» (نفی کرنے والا) ہے، «مُحَرِّف» (تحریف کرنے والا) نہیں ہے، کیونکہ اس نے لفظ کے معنیٰ کو بدلا نہیں ہے اور نہ اس کی غیر مرادی تفسیر کی ہے لیکن اصل مرادی معنیٰ کی نفی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا اثبات تھا۔ (العثيمين: 1/ 92)

تعالیٰ کے ناموں اور اس کی آیات میں ٹیڑھا پن اختیار کرتے ہیں،[22] نہ وہ تکییف (ان کی کیفیت بیان) کرتے ہیں اور نہ تمثیل (اس کی صفات کو اس کی مخلوق کی صفات جیسی قرار دیتے ہیں)[23] کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا نہ کوئی ہمنام ہے، نہ کوئی ہمسر اور

---

(22) ابن قیم رحمہ اللہ (اپنی کتاب بدائع الفوائد، ج: 1، ص: 169 میں) فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے ناموں میں الحاد کرنے کا مطلب ہے: ان سے پھر جانا اور انہیں ان کے ثابت شدہ اور حقیقی معانی سے پھیر دینا۔ پھر انہوں نے اس کی اقسام ذکر کی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے: (1) بتوں کو اللہ کا نام دے دینا۔ جیسے مشرکوں نے الٰہ سے لات اور عزیز سے عزیٰ بنایا۔ (2) اس کا ایسا نام رکھنا جو اس کی شان کے لائق نہ ہو، جیسے عیسائیوں کا اسے باپ کہنا۔ (3) اسے نقص سے موصوف کرنا، جیسے یہودیوں کا اسے فقیر کہنا۔ (4) نام کے مطلب کی نفی اور انکار کرنا جیسے جہمیہ کا کہنا کہ وہ بغیر سماعت کے سمیع، بغیر بصارت کے بصیر اور بغیر علم کے علیم ہے، وغیرہ۔ (5) اس کی صفات کو مخلوق کی صفات سے تشبیہ دینا، جیسے مشبہ کا کہنا کہ اللہ کا ہاتھ ہمارے ہاتھ جیسا ہے، اس کی سماعت ہماری سماعت جیسی ہے، وغیرہ۔

آیات میں الحاد کا مطلب ہے: انہیں ان کے مرادی معنیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کے مقصود سے پھیر دینا۔ (الجبرین: 1/ 90-89)

(23) **سوال:** تکییف اور تمثیل میں کیا فرق ہے؟

جواب: دو طرح کا فرق ہے: (1) تمثیل میں صفت کا تذکرہ اس جیسی دوسری صفت کے ذکر سے ہوتا ہے، مثلاً: فلاں کا ہاتھ فلاں کے ہاتھ جیسا ہے۔ جبکہ تکییف میں صفت کا تذکرہ اس جیسی دوسری صفت کے ذکر کے بغیر ہوتا ہے۔ مثلاً: فلاں کا ہاتھ اس اس طرح کا ہے۔ اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ ہر «مُمَثِّل» تشبیہ دینے والا «مُکَیِّف» کیفیت بیان کرنے والا ہوتا ہے جبکہ ہر «مُکَیِّف» «مُمَثِّل» نہیں ہوتا۔

(2) کیفیت صرف صفت یا حالت کی ہوتی ہے جبکہ تشبیہ ان میں بھی ہوتی ہے اور عدد میں بھی، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾ اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور زمین سے بھی ان کی مانند۔ [الطلاق: 12] یعنی تعداد میں۔ (العثیمین: 1/ 113-112)

نہ کوئی مد مقابل۔ نہ ہی اسے اس کی مخلوق پر قیاس کیا جا سکتا ہے کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے آپ کو اور دوسروں کو زیادہ جانتا ہے۔ اس کی بات سب سے سچی اور ساری مخلوق سے اچھی ہے۔

تشریح:

اللہ تعالیٰ نے خود اپنی یا اس کے رسول ﷺ نے جو اس کی صفات بیان فرمائی ہیں، انہیں بغیر کسی تحریف، نفی، کیفیت بیان کیے اور مثال دیے تسلیم کرنا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا حصہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے آپ کو حکیم، عزیز، رؤوف، رحیم، قدیر وغیرہ کہا ہے یا اس کے رسول ﷺ نے اپنی صحیح احادیث میں اس کی صفات بیان فرمائی ہیں، ان کا اللہ تعالیٰ کے لیے اثبات کرنا ضروری ہے۔ مثلاً:

ایک صحیح حدیث میں آتا ہے: **«يَضْحَكُ اللهُ إِلَى رَجُلَيْنِ، يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ كِلَاهُمَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ»**.

(قیامت والے دن) اللہ تعالیٰ ایسے دو آدمیوں کی طرف دیکھ کر ہنس دیں گے کہ ان میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کیا تھا اور پھر بھی وہ دونوں جنت میں داخل ہو گئے۔ (متفق عليه) (صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب الكافر يقتل المسلم۔۔۔ الخ، ح: 2826۔ وصحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب بيان الرجلين يقتل أحدهما الآخر يدخلان الجنة، ح: 1890۔ الفاظ مسلم کے ہیں۔)

دوسری حدیث میں ہے: **«إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَا يَغْضَبُ بَعْدَهُ مِثْلَهُ»**.

میرا رب آج اتنے غصے میں ہے کہ نہ اس سے پہلے کبھی اتنا غصہ ہوا اور نہ کبھی اس کے بعد ہو گا۔ (متفق عليه) (صحيح البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله: ولقد أرسلنا نوحا إلى قومه، ح: 3340۔ وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها، ح: 194۔ الفاظ مسلم کے ہیں۔)

یعنی قیامت والے دن۔

اسی طرح دیگر بہت ساری صفات جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں موجود ہیں، اہل سنت ان تمام پر اس عقیدے کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ کا کوئی ہمنام ہے، نہ ہمسر اور نہ مد مقابل یعنی اس جیسا کوئی نہیں ہے۔ اس کو اس کی مخلوق پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اچھے نام اور بلند صفات اسی کی ہیں۔ وہ اس کی صفات کو اس کی مخلوق کی صفات سے تشبیہ نہیں دیتے، بلکہ وہ جانتے ہیں کہ اس کی صفات ویسی ہی ہیں جیسی اس کی ذات کے لائق ہیں۔ ان میں وہ اپنی مخلوق کے مشابہ نہیں ہے۔ اس کا کوئی ہمنام نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے: ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهُۥ سَمِيًّا ۝65﴾

کیا آپ اس کا کوئی ہم نام جانتے ہیں؟ [مریم: 65]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَلَمْ يَكُن لَّهُۥ كُفُوًا أَحَدٌۢ ۝4﴾

اور نہ کبھی کوئی ایک اس کے برابر کا ہے۔ [الإخلاص: 4]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَا تَجْعَلُوا۟ لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝22﴾

پس اللہ کے لیے کسی قسم کے شریک نہ بناؤ، جب کہ تم جانتے ہو۔
[البقرۃ: 22]

اہل سنت والجماعت اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کا انداز میں اثبات کرتے ہیں جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔ وہ اس کی صفات کی نفی نہیں کرتے۔ کلمات کو ان کی اصل جگہوں سے ہٹاتے نہیں ہیں، بلکہ بغیر کسی تحریف کے اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق ان تمام ناموں اور صفات پر ایمان رکھتے ہیں جیسے وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں موجود ہیں۔

تحریف کا مطلب ہے: بات میں کمی بیشی کر کے تبدیلی پیدا کر دینا۔
بغیر تعطیل کے: یعنی بغیر نفی کیے، یا لفظی یا معنوی تاویل کیے۔

بغیر تکییف کے: یعنی وہ یہ نہیں کہتے کہ اس کے عرش پر مستوی ہونے کی کیفیت یہ ہے۔ یا اس کے نزول کی کیفیت یہ ہے۔ یا اس کے غصے کی کیفیت یہ ہے۔ نہیں، وہ کیفیت بیان نہیں کرتے۔

بغیر تمثیل کے: یعنی وہ یہ نہیں کہتے کہ اس کا غصہ فلاں کے غصے جیسا ہے۔ یا اس کا عرش پر مستوی ہونا فلاں کے بیٹھنے جیسا ہے۔ یا اس کی سماعت فلاں کی سماعت جیسی ہے۔ یا اس کی بصارت فلاں کی بصارت جیسی ہے۔ نہیں۔

وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اس انداز میں اثبات کرتے ہیں جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔ نہ اس میں تبدیلی کرتے ہیں، نہ تحریف کرتے ہیں، نہ تشبیہ دیتے ہیں، نہ نفی کرتے ہیں اور نہ کیفیت بیان کرتے ہیں۔ اس مسئلہ میں ان کا اصول یہ ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿١١﴾﴾

اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ [الشوری: 11]

جب سلف صالحین میں سے امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: «**الاستواء معلوم، والكيف مجهول، والإيمان به واجب، والسؤال عنه بدعة**»

استواء معلوم ہے، کیفیت نا معلوم ہے، اس پر ایمان ضروری ہے اور اس بارے میں سوال بدعت ہے۔(24)

بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اسماء وصفات کا بغیر کسی کمی بیشی کے اثبات کرتے ہیں جیسا کہ اس نے خود بتایا ہے۔ اس کی صفات حقیقی ہیں۔ استواء حقیقی ہے، سماعت

---

(24) یہ بات بہت سے سلف صالحین سے منقول ہے جن میں امام مالک، ان کے شیخ ربیعۃ بن ابو عبد الرحمن، امام شافعی، اوزاعی اور ثوری وغیرہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔ اسی طرح یہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح منقول ہے۔ اس کی تخریج استواء والی آیات کی تشریح میں آئے گی۔ ان شاء اللہ

حقیقی ہے، رضامندی حقیقی ہے، غصہ حقیقی ہے، مجاز نہیں، لیکن ہے اسی انداز میں جس طرح اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔

ہم نہ اس کی کیفیت بیان کرتے ہیں، نہ مثال دیتے ہیں، نہ تشبیہ دیتے ہیں، نہ تحریف کرتے ہیں بلکہ انہیں ان کی ظاہری صورت پر سمجھتے ہیں۔ کتاب وسنت میں جو بات جیسے آئی ہے، ہم ویسے ہی مانتے ہیں جیسا کہ سلف صالحین کا فرمان ہے:

«أمروها كما جاءت»

ایسے ہی تسلیم کرو جیسے منقول ہیں۔[25]

بغیر کسی تحریف اور نفی کے۔ ہم بغیر کسی تاویل کے تسلیم کرتے ہیں اور ایمان رکھتے ہیں کہ وہ حق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات ثابت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے بغیر کسی تشبیہ، تمثیل، تکییف اور تعطیل کے حقیقی طور پر متصف ہے۔ اہل سنت والجماعت اسی بات کے قائل ہیں۔

---

(25) بغیر کیفیت بیان کیے۔ یہ اثر امام خلال کی السنة، ج: 1، ص: 243، آجري کی الشريعة، ج: 3، ص: 1146، ح: 720، دار قطنی کی الصفات، ج: 1، ص: 44، ح: 67، ابن مندہ کی التوحید، ج: 3، ص: 307، ح: 894، لالکائی کی شرح عقیدہ اھل السنہ والجماعہ، ج: 3، ص: 527، ح: 930، صابونی کی عقیدہ السلف اصحاب الحدیث، ص: 249، بیہقی کی السنن الکبری، ج: 3، ص: 2 اور الاسماء والصفات، ح: 955 میں ہے، امام بیہقی نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور علامہ البانی نے مختصر العلو، ص: 142، ح: 74 میں ان کی موافقت فرمائی ہے۔

رسولوں کی دی ہوئی تمام خبروں کی سچائی پر ایمان:

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ثُمَّ رُسُلُهُ صَادِقُونَ مُصَدَّقُونَ بِخِلَافِ الَّذِينَ يَقُولُونَ عَلَيْهِ مَا لَا يَعْلَمُونَ، وَلِهَذَا قَالَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى: ﴿سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿180﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿181﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿182﴾﴾ [الصافات: 180 - 182] فَسَبَّحَ نَفْسَهُ عَمَّا وَصَفَهُ بِهِ الْمُخَالِفُونَ لِلرُّسُلِ، وَسَلَّمَ عَلَى الْمُرْسَلِينَ لِسَلَامَةِ مَا قَالُوهُ مِنَ النَّقْصِ وَالْعَيْبِ، وَهُوَ سُبْحَانَهُ قَدْ جَمَعَ فِيمَا وَصَفَ وَسَمَّى بِهِ نَفْسَهُ بَيْنَ النَّفْيِ وَالْإِثْبَاتِ، فَلَا عُدُولَ لِأَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ عَمَّا جَاءَ بِهِ الْمُرْسَلُونَ، فَإِنَّهُ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيمُ، صِرَاطُ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ، وَالصِّدِّيقِينَ، وَالشُّهَدَاءِ، وَالصَّالِحِينَ، وَقَدْ دَخَلَ فِي هَذِهِ الْجُمْلَةِ مَا وَصَفَ بِهِ نَفْسَهُ فِي «سُورَةِ الْإِخْلَاصِ» الَّتِي تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ حَيْثُ يَقُولُ: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿1﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿2﴾ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ﴿3﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿4﴾﴾ [الإخلاص: 1 - 4].

وَمَا وَصَفَ بِهِ نَفْسَهُ فِي أَعْظَمِ آيَةٍ فِي كِتَابِهِ حَيْثُ يَقُولُ: ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿255﴾﴾ [البقرة: 255]

ترجمہ:

پھر اس کے سچے اور تصدیق یافتہ رسولوں کی بات سب سے سچی ہے بخلاف ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہیں، جنہیں نہیں جانتے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿سُبۡحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الۡعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ﴿180﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿181﴾ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿182﴾﴾

آپ کا پروردگار، جو عزت کا مالک ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ اور رسولوں پر سلام ہو۔ اور سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ [الصافات: 182-180]

مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کے مخالفین کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان کی جاتی تھیں، ان سے اپنے آپ کو پاک قرار دیا ہے۔ رسولوں پر سلام بھیجا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ان کی کہی ہوئی بات عیب و نقص سے پاک ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بیان کردہ اسماء وصفات میں نفی واثبات کو جمع کر دیا ہے۔ اس لیے اہل سنت والجماعت رسولوں کی کہی ہوئی باتوں سے ہٹتے نہیں ہیں کیونکہ یہی صراط مستقیم ہے۔ یہ ان انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کا راستہ ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔[26] ان صفات میں وہ بھی شامل ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو اس سورت اخلاص میں متصف کیا ہے جو تہائی قرآن کے برابر

---

(26) **نبی:** وہ انسان جنہیں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے اعمال کی اصلاح اور صراط مستقیم دکھانے کے لیے بھیجا۔ **صدیق:** وہ لوگ جنہوں نے رسولوں کی بغیر کسی ہچکچاہٹ کے تصدیق کی۔ گویا یہ انتہا درجے کے سچے اور مُصدِّق (تصدیق کرنے والے) تھے۔ **شہید:** وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی سربلندی کے لیے فی سبیل اللہ جان قربان کرنے کی توفیق بخشی۔ **صالح:** وہ لوگ جو ظاہری وباطنی اصلاح یافتہ تھے۔ انہوں نے اپنے اقوال وافعال اور دلوں کو ٹھیک کر لیا تھا۔ (الجبرین: 1/102-103)

ہے۔(متفق عليه، صحيح البخاري: 5015۔ وصحيح مسلم: 811) فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝﴾

آپ کہہ دیجیے کہ: اللہ ایک ہے۔ اللہ ہی بے نیاز ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور نہ کبھی کوئی ایک اس کے برابر کا ہے۔
[الإخلاص: 1-4]

انہی میں وہ صفات بھی شامل ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی سب سے عظیم آیت میں اپنے آپ کو متصف کیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــــُٔـــوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝﴾

اللہ (وہ ہے کہ) اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ زندہ ہے، ہر چیز کو قائم رکھنے والا ہے۔ نہ اسے کچھ اونگھ آتی ہے اور نہ کوئی نیند۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اسی کا ہے۔ کون ہے وہ جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرے؟[27] جو کچھ ان کے سامنے اور جو ان کے پیچھے ہے وہ اسے جانتا ہے اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کرتے مگر جتنا وہ چاہے۔ اس کی کرسی آسمانوں اور

---

(27) **سوال:** جب اللہ تعالیٰ کو پتہ ہے کہ جس کی سفارش ہو رہی ہے، اس نے نجات پا لینی ہے تو پھر شفاعت کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ سفارش کرنے والے کی عزت افزائی اور اسے مقام محمود تک پہنچانے کے لیے سفارش کرنے کی اجازت دے گا۔ (العثیمین: 1/ 170)

زمین کو سمائے ہوئے ہے اور اسے ان دونوں کی حفاظت نہیں تھکاتی اور وہی بہت بلند، بہت بڑا ہے۔[28] [البقرۃ: 255]

---

(28) اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ذاتی طور پر بلند ہے اور اس کا عُلُوّ (بلندی) اس کی ازلی ابدی ذاتی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ اس حوالے سے اہل سنت کے دو مخالف گروہ ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ اللہ ذاتی طور پر ہر جگہ ہے۔ جبکہ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اللہ نہ جہان کے اوپر ہے، نہ نیچے ہے، نہ جہان میں ہے، نہ دائیں، نہ بائیں، نہ جہان سے جدا ہے، نہ اس سے ملا ہوا ہے۔

پہلا گروہ ان آیات سے استدلال کرتا ہے: ﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿7﴾ ﴾ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ کوئی تین آدمیوں کی کوئی سرگوشی نہیں ہوتی مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ کوئی پانچ آدمیوں کی مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم ہوتے ہیں اور نہ زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، جہاں بھی ہوں، پھر وہ انھیں قیامت کے دن بتائے گا جو کچھ انھوں نے کیا۔ یقیناً اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ [المجادلۃ: 7] اور ﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَي الْعَرْشِ ۭ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿4﴾ ﴾ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر بلند ہوا، وہ جانتا ہے جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو اس سے نکلتی ہے اور جو آسمان سے اترتی ہے اور جو اس میں چڑھتی ہے اور وہ تمھارے ساتھ ہے، جہاں بھی تم ہو اور اللہ اسے جو تم کرتے ہو، خوب دیکھنے والا ہے۔ [الحدید: 4] ان آیات کی بناء پر وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر بلند نہیں ہے، صفاتی طور پر بلند ہے۔ (یعنی اس کی صفات بلند ہیں۔)

دوسرا گروہ جو اس بات کا قائل ہے کہ اللہ کی کوئی جہت (سمت) متعین نہیں کی جا سکتی ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر ہم اس کی کوئی جہت بیان کریں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ کوئی جسم ہے۔ اگر وہ جسم ہے تو جسم ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ اس طرح تشبیہ دینا لازم آتا ہے۔ اس لیے ہم اس بات کے ہی منکر ہیں کہ وہ کسی جہت میں ہو سکتا ہے۔

ہم ان دونوں کی دو طرح سے تردید کرتے ہیں: (1) ان کے استدلال کو باطل کر کے۔
(2) قطعی دلائل سے ان کے دعویٰ کے متضاد کا اثبات کر کے۔

نمبر ایک: جو لوگ اللہ تعالیٰ کو ذاتی طور پر ہر جگہ مانتے ہیں، ہم انہیں کہتے ہیں کہ تمہارا دعویٰ بالکل غلط ہے۔ عقل و نقل اس کی تردید کرتی ہے۔

نقل اس طرح تردید کرتی ہے کہ قرآن و حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے علو کا اثبات کیا ہے۔ جس آیت سے تم استدلال کر رہے ہو، وہ تمہارے دعویٰ کی دلیل نہیں ہے کیونکہ معیت کا مطلب کسی جگہ میں حلول کر جانا نہیں ہوتا۔ کیا آپ نے عرب لوگوں کی یہ بات نہیں سنی کہ وہ کہتے ہیں: چاند ہمارے ساتھ ہے۔ حالانکہ وہ آسمان پر ہوتا ہے۔ شوہر کہتا ہے کہ میری بیوی میرے ساتھ ہے، حالانکہ خود وہ مشرق میں اور بیوی مغرب میں ہوتی ہے۔ سپہ سالار اپنے سپاہیوں سے کہتا ہے کہ آگے بڑھو میرے جوانو! میں تمہارے ساتھ ہوں حالانکہ خود اپنے دفتر میں ہوتا ہے اور سپاہی میدان جنگ میں۔ ان مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ معیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ آدمی ہمیشہ اپنے کے ساتھی کے ساتھ اس کی جگہ پر ہو۔ معیت جس طرف منسوب ہوتی ہے، اسی کی نسبت سے اس معنیٰ متعین ہوتا ہے۔ مثلاً: بعض اوقات ہم کہتے ہیں: یہ دودھ ہے جس کے ساتھ پانی ہے۔ یہ اختلاط والا ساتھ ہے۔ کوئی آدمی کہتا ہے: میرا سامان میرے ساتھ ہے حالانکہ وہ اس سے دور، اس کے گھر میں ہوتا ہے۔ اسی طرح جب وہ سامان اٹھالیتا ہے، تب بھی یہی کہتا ہے کہ میرا سامان میرے ساتھ ہے اور وہ اس کے ساتھ جڑا ہوتا ہے۔ تو یہ بات ایک ہی ہے لیکن جس طرف منسوب ہوتی ہے، اسی نسبت سے اس کا معنیٰ تبدیل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق سے معیت دیگر صفات کی طرح ایسی ہی ہے جیسی اس کی شان کے لائق ہے۔ یہ معیت کامل اور حقیقی ہے لیکن وہ خود آسمان پر ہے۔ ((مخلوق میں معیت ہر وقت اپنے حقیقی معنی میں نہیں ہوتی کیونکہ بسا اوقات حقیقت متعذرہ، مھجورہ یا غیر مستعملہ ہوتی ہے۔ سو مخلوق کے حق میں لفظ معیت کے حقیقی معنی کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور مجازی معنی لے لیا جاتا ہے۔ جبکہ خالق کے حق میں کچھ بھی متعذر (ناممکن) نہیں، سو خالق کے لیے معیت کا حقیقی معنی ہی مراد لیا جائے گا۔ کہ اللہ نے جہاں اپنی معیت کا اثبات کیا ہے وہاں حقیقتاً اللہ کی معیت ہے۔ اور جہاں اللہ کی معیت پر کوئی دلیل نہیں وہاں اس کا اثبات کرنا درست نہیں۔ لہذا جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے ہم ان سے کہیں گے ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین. (طاہر))

ان کے دعویٰ کے باطل ہونے پر عقلی دلیل یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں: جب تم یہ کہتے ہو کہ اللہ ہر جگہ تمہارے ساتھ ہے تو اس سے بہت سی باطل باتیں لازم آتی ہیں۔ مثلاً: اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ متعدد ہیں یا اس کے ٹکڑے ہیں۔ بلاشبہ یہ لازم آنے والی بات بالکل باطل ہے۔ جب لازم باطل ہے تو جس چیز کی وجہ سے یہ لازم آرہا ہے، وہ بھی باطل ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ جب تم کہتے ہو: وہ تمہارے ساتھ مختلف جگہوں میں ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ لوگوں سے بڑھ جاتا ہے اور لوگوں کے کم ہونے سے کم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس سے یہ لازم آتا ہے کہ تم اسے گندی جگہوں سے پاک قرار نہیں دیتے، وہ اس طرح کہ جب تم بیت الخلاء میں بیٹھ کر کہو گے کہ اللہ میرے ساتھ ہے تو اس سے بڑھ کر اللہ کی توہین اور کیا ہو گی؟ ((تعدد مکان تعدد مکین کو مخلوق میں تو مستلزم ہوتا ہے، خالق میں نہیں۔ بلکہ بسا اوقات مخلوق کے کبیر الحجم ہونے سے بھی یہ بات لازم نہیں آتی۔ مثلا سورج اللہ کی مخلوقات میں سے ایک حقیر مخلوق ہے وہ بیک وقت تقریبا نصف دنیا پر موجود ہوتا ہے بہت سے ممالک کے لوگ بیک وقت سورج کو اپنے ساتھ پاتے ہیں۔ وللہ المثل الأعلی۔ طاہر))

اس بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کا قول عقل و نقل کے خلاف ہے۔ قرآن میں اس پر کسی بھی قسم کی دلیل موجود نہیں ہے۔۔۔۔

دوسرے گروہ کو ہم کہیں گے: (1) تمہارا جہت کی نفی کرنا اس بات کو لازم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہے ہی نہیں۔ کیونکہ ہم سوائے عدم کے ایسی کوئی چیز نہیں جانتے جو جہان کے اوپر ہو، نہ نیچے، نہ دائیں، نہ بائیں، نہ جڑی ہوئی، نہ علیحدہ۔ اس لیے بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر ہمیں یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا وصف عدم سے بیان کرو تو ہمیں عدم کا اس سے سچا وصف اور کوئی نہیں ملے گا۔ (2) تم یہ کہتے ہو کہ جہت کے اثبات کے جسم کا ہونا لازم آتا ہے۔ ہم لفظ جسم کے بارے میں تم سے وضاحت طلب کریں گے۔ یہ کون سا جسم ہے جس کی وجہ سے تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی صفات کے اثبات سے نفرت دلا رہے ہو؟ کیا تم ایسا جسم مراد لیتے ہو جو ایسی چیزوں سے مل کر بنا ہو جو ایک دوسری کی محتاج ہیں؟ کہ ان اجزاء کے اکٹھا ہوئے بغیر وہ جسم قائم ہی نہیں رہ سکتا؟ اگر تمہاری یہی مراد ہے تو ہم اسے تسلیم نہیں کرتے۔ ہم کہتے ہیں: ان معنوں میں اللہ کا جسم نہیں ہے۔ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ اس کے علو کا اثبات اس طرح کے جسم ہونے کو لازم کرتا ہے تو اس کی بات بلا دلیل دعویٰ ہے۔ ہمارا صرف یہی کہنا کافی ہے کہ تمہیں بات قابل قبول نہیں ہے۔ اگر تمہاری مراد ایسا جسم ہے

جو بذات خود قائم ہے اور ایسی صفات سے متصف ہے جو اس کی شان کے لائق ہیں تو ہم اس طرح کے جسم کا اثبات کرتے ہیں اور کہتے ہیں: بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی ایک ذات ہے، وہ از خود قائم ہے، صفاتِ کمال سے متصف ہے۔ یہ تو ایسی چیز ہے جو ہر انسان جانتا ہے۔

اس ساری بحث سے دونوں گروہوں کی تردید ہو جاتی ہے جو یہ ثابت کرتے پھرتے ہیں کہ اللہ ہر جگہ ہے یا یہ کہتے پھرتے ہیں کہ اللہ جہان کے اوپر ہے، نہ نیچے، نہ جڑا ہوا ہے، نہ علیحدہ ہے۔ ہم کہتے ہیں: وہ اپنے عرش پر بلند ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علو کے دلائل جو اہل سنت کے مسلک کو ثابت کرتے ہیں اور ان لوگوں کے مسلک کو غلط ثابت کرتے ہیں، اتنے زیادہ ہیں کہ ایک ایک کر کے شمار کرنا ناممکن ہے۔ اگر ان کی اقسام بنائی جائیں تو پانچ قسمیں بنتی ہیں: کتاب، سنت، اجماع، عقل، فطرت۔

کتاب: اس میں اللہ تعالیٰ کے علو کے مختلف دلائل موجود ہیں، مثلاً: اس کے بلند اور اوپر ہونے، چیزوں کے اس کی طرف اوپر چڑھنے اور اس کی طرف سے اترنے وغیرہ کی تصریح ہے۔

سنت: میں بھی مختلف اقسام کے دلائل ہیں۔ سنت کی تینوں اقسام یعنی قولی، فعلی اور تقریری سنت سے اللہ تعالیٰ کا ذاتی طور پر بلند ہونا ثابت ہے۔

اجماع: بدعتی فرقوں کی پیدائش سے پہلے تمام مسلمانوں کو اس بات پر اجماع تھا کہ اللہ اپنی مخلوق سے اوپر اپنے عرش پر بلند ہے۔۔۔۔

عقل: ہم کہتے ہیں کہ ہر کوئی جانتا ہے کہ بلندی صفتِ کمال ہے۔ تو جب یہ صفتِ کمال ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا اثبات ضروری ہے کیونکہ اللہ صفاتِ کمال سے متصف ہے۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ تین ہی صورتیں ہیں کہ اللہ یا تو اوپر ہو، نیچے ہو یا برابر ہو۔ نیچے اور برابر ہونا تو ناممکن ہے کیونکہ نیچے ہونا اپنے معنیٰ کے اعتبار سے نقص ہے اور برابر ہونا بھی نقص ہے کیونکہ اس میں مخلوق کی مشابہت اور مماثلت پائی جاتی ہے۔ باقی صرف علو ہی رہ جاتا ہے۔ یہ بھی ایک عقلی دلیل ہے۔

فطرت: ہم کہتے ہیں کہ جو انسان بھی یارب کہہ کر اللہ کو پکارتا ہے، اس کے دل میں بلندی کا خیال ضرور آتا ہے۔

تشریح:

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «ثُمَّ رُسُلُهُ صَادِقُونَ مُصَدَّقُونَ» ’’پھر اس کے رسول سچے اور تصدیق یافتہ ہیں‘‘، یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ خود اپنے بارے میں بتایا ہے، جیسا کہ پہلے مؤلف ذکر کر چکے ہیں کہ اللہ پر ایمان، اس کے فرشتوں، رسولوں، کتابوں پر ایمان۔۔۔ آخر تک اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے آپ کو اور اپنی مخلوق کو زیادہ جانتے ہیں اور یہ کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اس کی مخلوق پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ جس طرح یہ باتیں بیان کرنے میں اللہ تعالیٰ سچے ہیں،

پھر اسی طرح اس کے رسول بھی ان باتوں میں سچے اور تصدیق یافتہ ہیں جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بیان کی ہیں۔ جو کچھ قرآن نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بتایا ہے، وہی رسولوں نے بتایا ہے۔ ان پر اللہ کی طرف سے درود وسلام نازل ہوں۔ ان میں سب سے افضل، ان کے امام اور سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والے محمد ﷺ ہیں جنہوں نے بتایا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی بلند وبالا اور سب سے اعلیٰ ہے۔ وہ اپنے عرش پر مستوی ہے۔ وہی عطا کرتا اور محروم کرتا ہے۔ وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی عبادت کا مستحق ہے۔ سنت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بہت عظیم صفات بیان ہوئی ہیں۔ وہی معبود برحق ہے اور عبادتوں کا مستحق ہے کیونکہ اسی کی عبادت کی جاتی ہے جیسا اس بات پر قرآن دلالت کرتا ہے۔ سارے رسولوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو کچھ کہا، ان میں وہ سچے ہیں۔

یوں اللہ تعالیٰ کی ذات کی بلندی پانچوں دلائل سے ثابت ہے۔ رہی بات صفات کی بلندی کی تو ہر دیندار اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے والا شخص اس سے متفق ہے۔ (العثیمین: 1/175-179)

«مُصَدَّقُونَ» یعنی ان کی تصدیق کرنا ہر عاقل وبالغ شخص کے لیے ضروری ہے۔ وہ اللہ کی طرف صرف سچائی ہی لے کر آئے ہیں۔ وہ خود سچے ہیں، تصدیق کرنے والے ہیں اور تصدیق یافتہ ہیں۔

اس لیے ہر عاقل وبالغ پر لازم ہے کہ ان کی تصدیق کرے اور ان کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرے۔ ہر امت اپنے رسول کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کرتی ہے۔ اس امت کے رسول محمد ﷺ ہیں۔ امت محمدیہ پر لازم ہے کہ ان کی اتباع کریں اور اپنے آپ کو ان کی شریعت کا پابند بنائیں۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ﴾

اور رسول تمہیں جو کچھ دے، تو وہ لے لو اور جس سے تمہیں روک دے تو رک جاؤ۔[الحشر: 7]

فرمان الٰہی ہے: ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾

کہہ دیجیے: اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔
[الأعراف: 158]

لہٰذا تمام عاقل و بالغ لوگوں پر لازم ہے کہ اس رسول ﷺ کی ان تمام باتوں میں پیروی کریں جو وہ کتاب وسنت کی شکل میں شرعی احکام لائے ہیں، چاہے کسی کام کا حکم ہو یا ممانعت۔ انہی میں وہ باتیں بھی ہیں جن میں آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء وصفات کے بارے میں بتایا ہے۔ تو ان کی تصدیق بھی ضروری ہے۔ ان تمام اسماء وصفات پر ایمان لانا ضروری ہے جن کے بارے میں آپ ﷺ نے بتایا ہے۔ ایمان ایسا ہونا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی اس کی مخلوق سے تشبیہ، تمثیل اور تعطیل سے پاک ہو۔

اسی لیے شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے کہا: «بِخِلَافِ الَّذِينَ يَقُولُونَ عَلَيْهِ مَا لَا يَعْلَمُونَ» ''بخلاف ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہیں، جنہیں نہیں جانتے۔'' یعنی کافر اور جاہل لوگ۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو ان باتوں سے بری قرار دیا ہے جو یہ جھوٹے ترین لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾

آپ کا رب، جو عزت کا مالک ہے، ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ اور رسولوں پر سلام ہو۔ اور سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ [الصافات: 180-182]

اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف کی ہے کیونکہ وہ اپنی ذات، صفات اور اسماء میں کامل ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾

سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔ [الصافات: 182]

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے مخالف دشمنوں کی کہی ہوئی باتوں سے اپنے آپ کو پاک قرار دیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝﴾

آپ کا پروردگار، جو عزت کا مالک ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ [الصافات: 180]

یعنی ان باتوں سے جو کافروں میں سے اللہ تعالیٰ کے دشمن اس کی بیوی اور بچہ ثابت کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اس کا کوئی شریک ہے۔ یہ سب کچھ باطل ہے، اس نے ان باتوں سے اپنے آپ کو پاک قرار دیا ہے۔ اس کی بیوی ہے، نہ اولاد۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اکیلا اور بے نیاز ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ بلکہ وہی معبودِ حقیقی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے: ﴿وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿163﴾﴾

اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔[البقرة: 163]

رسولوں پر سلام بھیجا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ان کی کہی ہوئی بات عیب و نقص سے پاک ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿181﴾﴾

اور رسولوں پر سلام ہو۔[الصافات: 181]

کیونکہ انہوں نے جو کچھ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بیان کیا، اسے اسی کے سپرد کیا، خود اس کے فرمانبردار بن گئے اور امت تک پیغام پہنچا دیا۔ وہ سلامت ہیں، تسلیم کرنے والے ہیں، حقیقتاً سچے ہیں، تصدیق کرنے والے ہیں اور تصدیق یافتہ ہیں۔
پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف کی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿182﴾﴾

سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔[الصافات: 182]

اپنی ذات، صفات اور افعال کے کمال کی وجہ سے۔ اسی لیے تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آیات واحادیث میں اپنے بیان کردہ اسماء وصفات میں نفی واثبات کو جمع کر دیا ہے۔ نفی اجمالی ہے اور اثبات تفصیلی۔ یہی قرآن وسنت کا طریقہ ہے۔

اجمالی نفی کی مثالیں:

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ﴾

اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔ [الشوری: 11]

فرمان الٰہی ہے: ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾

پس اللہ کے لیے کسی قسم کے شریک نہ بناؤ، جب کہ تم جانتے ہو۔

[البقرة: 22]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾

کیا آپ اس کا کوئی ہمنام جانتے ہیں؟ [مریم: 65]

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾

اور نہ کبھی کوئی ایک اس کے برابر کا ہے۔[الإخلاص: 4]

اس طرح کی بہت سی آیات ہیں۔

تفصیلی اثبات کی مثالیں:

وہ عزیز، حکیم، رؤف، حلیم ہے۔ ایک ہے۔ بے نیاز ہے۔ غفور، رحیم، بادشاہ، قدوس، سلام وغیرہ نام اور صفات تفصیلی ہیں۔

یہ تو تھا قرآنی آیات کا بیان۔ سنت میں بھی اسی طرح نفی واثبات جمع ہے۔ اجمالی نفی جو رب تعالیٰ کو ہر اس چیز سے پاک صاف قرار دیتی ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں ہے۔ جو رسولوں کے مخالفین اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہتے رہتے ہیں۔ تفصیلی اثبات اس کے نام اور صفات کا ذکر ہے۔ اہل سنت والجماعت ان سے انحراف نہیں کرتے یعنی کوئی چیز انہیں رسولوں کی بتائی ہوئی باتوں سے ہٹاتی نہیں ہے۔ کیونکہ یہی صراط مستقیم ہے۔ یہی اللہ کی توحید اور اس کی اطاعت ہے۔ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے اسماء وصفات پر ایمان لانا اور یہ جان لینا کہ اس کی کوئی مثال ہے، نہ ہمسر اور نہ مدمقابل، یہی اللہ تعالیٰ کا صراط مستقیم ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾

ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔[الفاتحة: 6]

اس راستے پر جو ان لوگوں کا تھا: ﴿الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾

جن پر اللہ نے انعام کیا، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ اور یہ لوگ اچھے ساتھی ہیں۔ [النساء: 69]

ان کا راستہ: اللہ اور اس کے اسماء وصفات پر ایمان، اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کی مشابہت سے پاک قرار دینا، اسے صفاتِ کمال سے متصف قرار دینا، اس کے احکامات کی پیروی کرنا، اس کے منع کردہ کاموں کو چھوڑنا اور اس کی قائم کردہ حدود کو نہ پھلانگنا۔ یہی صراط مستقیم ہے۔ ان لوگوں کا راستہ: ﴿الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾

جن پر اللہ نے انعام کیا، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ اور یہ لوگ اچھے ساتھی ہیں۔ [النساء: 69]

اللہ تعالیٰ نے اس چھوٹی سی سورت میں تفصیلی اثبات اور اجمالی نفی کو جمع کر دیا ہے۔ فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝﴾

آپ کہہ دیجیے کہ: اللہ ایک ہے۔ اللہ ہی بے نیاز ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور نہ کبھی کوئی ایک اس کے برابر کا ہے۔
[الإخلاص: 1-4]

اس میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ وہ ایک ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔ پھر فرمایا: ﴿لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝﴾

نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ [الإخلاص: 3]

یہ تفصیل ہے جو اولاد کی نفی سے مخصوص ہے کیونکہ اس کی وجہ سے نقص آتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے عمومی نفی بیان کی، فرمایا: ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾

اور نہ کبھی کوئی ایک اس کے برابر کا ہے۔[الإخلاص : 4]

اسی طرح فرمایا: ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾

کیا آپ اس کا کوئی ہمنام جانتے ہیں؟[مریم : 65]

فرمان الٰہی ہے: ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾

پس اللہ کے لیے کسی قسم کے شریک نہ بناؤ، جب کہ تم جانتے ہو۔ [البقرۃ : 22]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾

اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔[الشوری : 11]

اسی طرح کی بات آیت الکرسی میں ہے: ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ﴾

اللہ (وہ ہے کہ) اس کے سوا کوئی معبود نہیں، زندہ ہے، ہر چیز کو قائم رکھنے والا ہے، نہ اسے کچھ اونگھ پکڑتی ہے اور نہ کوئی نیند۔ [البقرۃ : 255]

اس نے اپنے آپ سے «سِنَةٌ» کی نفی کی ہے جس کا مطلب ہے، ہلکی سی نیند یعنی اونگھ اور «نوم» کی نفی کی ہے جو گہری نیند کو کہتے ہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کمال حیات سے متصف ہے۔ اونگھ اور نیند زندگی کا نقص ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ وہ ایسا زندہ ہے کہ جسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ جبکہ نیند موت کی ایک قسم ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ زندہ ہے، اسے کبھی موت نہیں آنی۔

پھر فرمایا: ﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ﴾

اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے۔[البقرۃ : 255]

یعنی وہ ہر چیز کا مالک ہے۔

پھر فرمایا: ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ﴾

کون ہے وہ جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرے؟

[البقرة: 255]

یعنی قیامت والے دن کوئی بھی اس کی اجازت کے بغیر اس کے ہاں سفارش نہیں کر سکے گا۔ رسول اور نیک لوگ بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اجازت سے سفارش کریں گے۔

دنیا میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سب لوگوں کو یہ حکم دیا ہے کہ اس سے دعائیں کریں، دعاؤں کے لیے اسے مخصوص کرلیں اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنے بھائیوں کی سفارش کریں۔ نبی کریم ﷺ سے جب کوئی سفارش چاہتا تو آپ کر دیتے تھے۔ جب کوئی آپ سے سفارش کا مطالبہ کرتا یا کسی تکلیف وغیرہ سے چھٹکارا چاہتا تو آپ ﷺ اس کے لیے دعا فرما دیتے تھے۔(29)

لیکن قیامت والے دن کوئی بھی اس کی اجازت کے بغیر سفارش نہیں کر سکے گا۔ دنیا میں سفارش کی عام اجازت ہے کیونکہ شریعت میں اجازت ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کی سفارش کر سکتے ہیں۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ﴾

(29) عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کہتے ہیں مجھے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تمہیں ایک جنتی عورت دکھاؤں؟ میں نے کہا: جی، ضرور۔ فرمایا: یہ کالے رنگ کی عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور کہا: مجھے مرگی کے دورے پڑتے ہیں اور بے پردگی ہو جاتی ہے، آپ میرے لیے اللہ سے دعا کریں۔۔۔ تو آپ ﷺ نے اس کے لیے دعا فرمائی۔ (صحيح البخاري، كتاب المرضى، باب فضل من يصرع من الريح، ح: 5652 وصحيح مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب ثواب المؤمن فيما يصيبه من مرض ۔۔۔، ح: 2576) اسی طرح جب بریرہ نے آپ ﷺ سے کہا: آپ مغیث سے رجوع کرنے کی جو بات کر رہے ہیں، یہ آپ کا حکم ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، میں تو صرف اس کی سفارش کر رہا ہوں۔ (سنن أبي داؤد، كتاب الطلاق، باب المملوكة تعتق وهي تحت حر أو عبد، ح: 2231) ابن حبان نے اسے ح: 4273 میں صحیح قرار دیا ہے۔

جو کوئی اچھی سفارش کرے گا، اس کے لیے اس میں سے ایک حصہ ہو گا۔
[النساء: 85]

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اجازت دی ہے، بلکہ اس کی ترغیب بھی دی ہے۔ اسی طرح نیکی اور تقویٰ کے تحت تعاون اور ایک دوسرے کو حق کی وصیت کے ذریعے خیر خواہی کرنے کی ترغیب دی ہے۔ سفارش بھی ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرنے اور نیکی کا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عام اجازت کی وجہ سے دنیا میں یہ جائز ہے۔ لیکن آخرت میں صرف خاص اجازت کی بناء پر ہی سفارش ہو سکے گی۔ کوئی بھی اس کی اجازت کے بغیر سفارش نہیں کر سکے گا۔ اسی وجہ سے لوگ قیامت والے دن آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے پاس جائیں گے اور سارے ہی سفارش کرنے سے معذرت کرلیں گے۔ پھر ہمارے نبی محمد ﷺ آگے بڑھیں گے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کے عرش کے نیچے سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی ایسی عظیم تعریفیں کریں گے جو اللہ تعالیٰ اسی وقت آپ ﷺ کو سکھائیں گے۔ پھر آپ ﷺ کو اجازت دیتے ہوئے کہا جائے گا: «**اشْفَعْ تُشَفَّعْ**»

آپ سفارش کریں، آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔ (متفق علیه)
(صحيح البخاري، كتاب تفسير القرآن، باب قول الله: وعلّم آدم الأسماء كلها، ح: 4476۔ وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها، ح: 193)

یہ آیت جو آیت الکرسی کے نام سے مشہور ہے، کتاب اللہ کی سب سے عظیم آیت ہے۔(30)

اس میں اثبات بھی ہے اور نفی بھی۔

---

(30) اس دلیل نبی کریم ﷺ کا سوال ہے۔ آپ ﷺ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: قرآن مجید کی سب سے عظیم آیت کون سی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ﴾ [البقرة: 255] تو آپ ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: ابو المنذر (یہ ابی بن کعب کی کنیت ہے) تمہیں علم مبارک ہو۔ (صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل سورة الكهف وآية الكرسي، ح: 810

﴿ اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ ۚ﴾ اثبات ہے۔
﴿لَا تَاۡخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوۡمٌ ؕ﴾ نفی ہے۔
﴿لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ﴾ اثبات ہے۔
﴿مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ ؕ﴾ نفی ہے۔
﴿یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَمَا خَلۡفَہُمۡ ۚ﴾ اثبات ہے۔
﴿وَلَا یُحِیۡطُوۡنَ بِشَیۡءٍ مِّنۡ عِلۡمِہٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ کُرۡسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ۚ وَلَا یَـُٔوۡدُہٗ حِفۡظُہُمَا ۚ وَہُوَ الۡعَلِیُّ الۡعَظِیۡمُ ﴿255﴾﴾
[البقرة: 255]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا کمال ظاہر کر دیا ہے:

کہ وہ بلند و بالا اور عظیم ہے۔

کہ وہ کامل حیات والا زندہ اور سب کو قائم رکھنے والا ہے۔

کہ وہ ہر چیز کا مالک ہے۔ اس لیے اس کے سامنے عاجزی اختیار کرنا اور اس سے مانگنا ضروری ہے۔ ہر چیز کے لیے اسی کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ تمام معاملات کا انتظام اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ادۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ ؕ﴾

مجھے پکارو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ [غافر: 60]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَسۡـَٔلُوا اللّٰہَ مِنۡ فَضۡلِہٖ ؕ﴾

اللہ سے اس کے فضل میں سے حصہ مانگو۔ [النساء: 32]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ ؕ اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ﴾

اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو بے شک میں قریب ہوں، میں پکارنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔[البقرة: 186]

اللہ تعالیٰ کی اولیت اور ازلیت پر ایمان اور اللہ تعالیٰ کے علم، سماعت، بصارت، مشیت اور ارادے کا اثبات:

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَوْلُهُ سُبْحَانَهُ: ﴿هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۳﴾ [الحديد: 3] وَقَوْلُهُ سُبْحَانَهُ: ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ﴾ [الفرقان: 58].

وَقَوْلُهُ سُبْحَانَه: ﴿وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۲﴾ [التحريم: 2]، وَقَوْلُهُ سُبْحَانَه: ﴿وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝۱۸﴾ [الأنعام: 18] ﴿يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ﴾ [سبأ: 2].

وَقَوْلُهُ: ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۵۹﴾ [الأنعام: 59]، وَقَوْلُهُ: ﴿وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ﴾ [فاطر: 11]، وَقَوْلُهُ: ﴿لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ڏ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝۱۲﴾ [الطلاق: 12]، وَقَوْلُهُ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝۵۸﴾ [الذاريات: 58]، وَقَوْلُهُ: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝۱۱﴾ [الشورى: 11]

وَقَوْلُهُ: ﴿وَلَوْلَآ إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ ٱللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِٱللَّهِ﴾ [الكهف: 39]، وَقَوْلُهُ: ﴿وَلَوْ شَآءَ ٱللَّهُ مَا ٱقْتَتَلُوا۟ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ﴾ [البقرة: 253].

وَقَوْلُهُ: ﴿أُحِلَّتْ لَكُم بَهِيمَةُ ٱلْأَنْعَٰمِ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى ٱلصَّيْدِ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ﴾ [المائدة: 1]، وَقَوْلُهُ: ﴿فَمَن يُرِدِ ٱللَّهُ أَن يَهْدِيَهُۥ يَشْرَحْ صَدْرَهُۥ لِلْإِسْلَٰمِ ۖ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُۥ يَجْعَلْ صَدْرَهُۥ ضَيِّقًا حَرَجًا﴾ [الأنعام: 125]

ترجمہ:

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿هُوَ ٱلْأَوَّلُ وَٱلْءَاخِرُ وَٱلظَّٰهِرُ وَٱلْبَاطِنُ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ﴾

وہی سب سے پہلے ہے اور سب سے پیچھے ہے اور ظاہر ہے اور چھپا ہوا ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ [الحدید: 3]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى ٱلْحَىِّ ٱلَّذِى لَا يَمُوتُ﴾

اور اس ذات پر توکل کیجئے۔ جو (ہمیشہ سے) زندہ ہے اور اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ [الفرقان: 58]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَهُوَ ٱلْعَلِيمُ ٱلْحَكِيمُ﴾

اور وہی سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔ [التحریم: 2]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَهُوَ ٱلْحَكِيمُ ٱلْخَبِيرُ﴾

اور وہی کمال حکمت والا، ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔ [الأنعام: 18]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِى ٱلْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنزِلُ مِنَ ٱلسَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ۚ﴾

وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے۔[سبأ: 2]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿59﴾﴾

اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں، انھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور سمندر میں ہے اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اسے جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ نہیں اور نہ کوئی تر ہے اور نہ خشک مگر وہ ایک واضح کتاب میں ہے۔ [الأنعام: 59]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ﴾

جو بھی مادہ حاملہ ہوتی یا بچہ جنتی ہے تو اللہ کو اس کا علم ہوتا ہے۔[فاطر: 11]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ڏ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿12﴾﴾

تاکہ تم جان لو کہ بے شک اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھنے والا ہے اور یہ کہ بے شک اللہ نے یقیناً ہر چیز کو علم سے گھیر رکھا ہے۔ [الطلاق: 12]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿58﴾﴾ بے شک اللہ ہی بے حد رزق دینے والا، طاقت والا، نہایت مضبوط ہے۔ [الذاریات: 58] (31)

---

(31) اگر کوئی یہ کہے کہ جب اللہ تعالیٰ بے حد رزق دینے والا ہے تو کیا مجھے حصولِ رزق کے لیے بھاگ دوڑ کرنی چاہیے یا پھر میں گھر میں پڑا رہوں اور رزق میرے پاس خود بخود آتا رہے گا؟

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ⑪﴾

اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ [الشوریٰ: 11]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ﴾

اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے یہ کیوں نہ کہا: ”جو اللہ نے چاہا، اللہ کی مدد کے بغیر کچھ قوت نہیں۔“ [الکھف: 39]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ⑳﴾

اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں نہ لڑتے اور لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ [البقرۃ: 253]

جواب: آپ کو حصولِ رزق کے لیے ضرور کوشش کرنی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمانے والا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بخشش کی امید پر اعمال صالحہ سے بندہ دور رہنا شروع کردے۔ رہا شاعر کا یہ قول کہ

جنون منك أن تسعى لرزق ويرزق في غشاوته الجنين

جب ماں کے پیٹ میں بچے کو رزق ملتا ہے تو تیرا اس کے حصول کی کوشش کرنا پاگل پن ہے۔

یہ قول بالکل غلط ہے۔ جہاں تک ماں کے پیٹ میں بچے کو رزق ملنے سے اس کے دلیل لینے کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بچے سے تلاشِ رزق کا مطالبہ اس لیے نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ اس پر قدرت ہی نہیں رکھتا۔ جو اس پر قادر ہے، اس کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۭ﴾ وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو تابع بنا دیا، سو اس کے کندھوں پر چلو اور اس کے دیئے ہوئے میں سے کھاؤ۔ [الملك: 15] لہٰذا حصولِ رزق کے لیے کوشش ضروری ہے، البتہ یہ کوشش شریعت کے دائرہ میں رہ کر ہونی چاہیے۔ (العثیمین: 1/ 204)

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ أُحِلَّتْ لَكُم بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۗ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ﴿١﴾ ﴾

تمہارے لیے چرنے والے چوپائے حلال کیے گئے ہیں، سوائے ان کے جو تم پر پڑھے جائیں گے، اس حال میں کہ شکار کو حلال جاننے والے نہ ہو، جبکہ تم احرام والے ہو، بے شک اللہ جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے۔ [المائدۃ: 1]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَمَن يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ ۖ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا ﴾

تو وہ شخص جسے اللہ چاہتا ہے کہ اسے ہدایت دے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ اسے گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ، نہایت گھٹا ہوا کر دیتا ہے۔[الأنعام: 125]

تشریح:

مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء وصفات کو نفی واثبات کے اعتبار سے جمع کر دیا ہے۔ ان میں صفاتِ کمال کو وہ اپنے لیے ثابت فرماتا ہے اور صفاتِ نقص وعیب کی اپنے آپ سے نفی فرماتا ہے۔ آیت الکرسی اور جو کچھ اس میں ہے، اسی طرح سورۂ اخلاص اور جو کچھ اس میں ہے، سب پر تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿ هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٣﴾ ﴾

وہی سب سے پہلے ہے اور سب سے پیچھے ہے اور ظاہر ہے اور چھپا ہوا ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ [الحدید: 3]

اس میں اللہ تعالیٰ نے ثابت کیا ہے کہ وہ اول ہے جس سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

«اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ»

اے اللہ! تو ہی اول ہے، تجھ سے پہلے کچھ نہیں تھا۔ تو ہی آخر ہے، تیرے بعد کچھ نہیں ہو گا۔ تو ہی ظاہر ہے، تجھ سے اوپر کچھ نہیں ہے۔ (صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب ما يكون عند النوم وأخذ المضجع، ح: 2713)

تو وہی ظاہر ہے، اپنے سب بندوں سے اوپر ہے۔ اس سے اوپر کوئی چیز نہیں۔ وہ باطن ہے، اس سے زیادہ پوشیدہ کوئی چیز نہیں۔ وہ ہر چیز کو جانتا ہے، اس سے کوئی مخفی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

اسی طرح علم والی آیات ہیں جو انہوں نے اس کے بعد ذکر کی ہیں:

﴿وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝2﴾

اور وہی سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔ [التحريم: 2]

اور: ﴿لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝12﴾

تاکہ تم جان لو کہ بے شک اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھنے والا ہے اور یہ کہ بے شک اللہ نے یقیناً ہر چیز کو علم سے گھیر رکھا ہے۔ [الطلاق: 12]

دیگر آیات جن میں علم اور حکمت کا تذکرہ ہے۔ مثلاً: ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝220﴾ بے شک اللہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔[البقرة: 220]

اسی طرح رزق اور طاقت کے تذکرے والی آیات، مثلاً: ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝58﴾

بے شک اللہ ہی بے حد رزق دینے والا، طاقت والا، نہایت مضبوط ہے۔
[الذاريات: 58]

اسی طرح مشیت اور ارادے والی آیات، سبھی اس کی عظمت پر دلالت کرتی ہیں اور یہ بتاتی ہیں کہ کامل مشیت، ارادہ، علم اور قدرت اسی کی ہے۔ سب اسی کی

صفات ہیں۔ لیکن اس انداز میں کہ بندوں کی صفات سے مشابہ نہیں ہیں۔ اس کی طاقت بندوں کی طاقت جیسی نہیں ہے، بلکہ اس کی طاقت کامل ترین ہے۔ اسی طرح اس کی دیگر صفات بھی مطلق کمال والی ہیں۔ اسی لیے فرمایا: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ﴾

اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔[الشوری: 11]

﴿فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ ۚ﴾

پس اللہ کے لیے مثالیں بیان نہ کرو۔[النحل: 74]

﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ﴿65﴾﴾

کیا آپ اس کا کوئی ہم نام جانتے ہیں؟[مریم: 65]

﴿وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ﴿4﴾﴾

اور نہ کبھی کوئی ایک اس کے برابر کا ہے۔[الإخلاص: 4]

اس کا علم کامل ہے، مخلوق کے علم کی طرح نہیں ہے۔ اس سے کوئی مخفی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ اسی طرح اس کی حکمت، قدرت، قوت، بردباری، سماعت، بصارت وغیرہ ہیں۔ اس کی ساری صفات کمال ہیں، ان میں کوئی نقص نہیں ہے اور نہ بندے صفات میں اس سے مشابہ ہیں۔ مخلوقات کی صفات اس کے برخلاف ہیں۔ وہ ناقص اور کمزور ہیں۔

لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تمام صفات کمال ہیں، جیسا کہ فرمایا: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿11﴾﴾

اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ [الشوری: 11]

اپنے کمال کی وجہ سے کہا: ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ﴿65﴾﴾

کیا آپ اس کا کوئی ہم نام جانتے ہیں؟[مریم: 65]

یعنی کوئی ہمنام نہیں ہے جو اپنے کمال کی وجہ سے اس کے قریب ہو۔

مشیت کا مطلب ہے: کائناتی ارادہ، یعنی اس کی مشیت نافذ ہو کر رہنے والی ہے، اسے کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ جو اللہ نے چاہا، وہ ہو گیا۔ کسی کی موت، کسی کی زندگی، کسی قوم کی عزت، کسی قوم کی ذلت، کسی کی بادشاہت کا زوال، کسی کی بادشاہت کا ثبات، اولاد کا ہونا یا نہ ہونا، سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ہوتا ہے، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿28﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿29﴾﴾

تم میں سے جو بھی سیدھی راہ چلنا چاہتا ہو۔ اور تم چاہ نہیں سکتے مگر وہی کچھ، جو اللہ چاہے، جو سب جہانوں کا رب ہے۔ [التکویر: 29-28]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا﴾

اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں نہ لڑتے۔ [البقرة: 253]

اسکے علاوہ بہت سی آیات میں یہ مضمون موجود ہے۔

ارادے کی دو قسمیں ہیں: کائناتی ارادہ جیسے نافذ ہونے والی مشیت جسے کوئی ٹالنے والا ٹال نہیں سکتا، جیسا کہ فرمایا: ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا﴾

تو وہ شخص جسے اللہ چاہتا ہے کہ اسے ہدایت دے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ اسے گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ، نہایت گھٹا ہوا کر دیتا ہے۔ [الأنعام: 125]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ﴿1﴾﴾

بے شک اللہ فیصلہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ [المائدة: 1]

یہ ارادہ کونیہ ہے جو نافذ ہونے والا ہے مشیت کی طرح، جسے کوئی روک نہیں سکتا۔

دوسری قسم ہے: شرعی ارادہ، جو محبت اور رضامندی کے معنوں میں ہوتا ہے۔ یہ کبھی وقوع پذیر ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ مثلاً فرمان الٰہی ہے: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿26﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۣ﴾

اللہ چاہتا ہے کہ تمھارے لیے کھول کر بیان کرے اور تمھیں ان لوگوں کے طریقوں کی ہدایت دے جو تم سے پہلے تھے اور تم پر مہربانی فرمائے اور اللہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔ اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر مہربانی فرمائے۔
[النساء: 27-26]

تو یہ شرعی ارادہ ہے جو کبھی ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ہدایت دینے کا ارادہ رکھتا ہے، ان پر مہربانی فرمانے کا ارادہ کرتا ہے لیکن یہ شرعی ارادہ ہے۔ اکثر وہ لوگ جن پر مہربانی ہوتی ہے، وہ کفر پر مرتے ہیں۔ تو شرعی ارادہ کبھی وقوع پذیر ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا تمام انسانوں کے لیے یہ شرعی ارادہ ہے کہ وہ حق قبول کریں، رسولوں کی پیروی کریں اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کریں۔ پھر ان میں کچھ اطاعت کرتے ہیں اور کچھ نافرمانی کرتے ہیں۔ تو جو اطاعت کرتے ہیں، انھیں جنت ملے گی اور جو نافرمان ہیں، انھیں آگ میں جانا پڑے گا۔ جیسا کہ اللہ جل جلالہ نے یہ بات بالکل واضح فرما دی ہے: ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْھَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿13﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْھَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿14﴾﴾

یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے وہ اسے ان جنتوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی

کرے اور اس کی حدوں سے تجاوز کرے، وہ اسے آگ میں داخل کرے گا، وہ ہمیشہ اس میں رہنے والا ہے اور اس کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔[النساء: 14-13]

سب کو اللہ تعالیٰ نے دھمکایا ہے۔ جو اپنے اختیار اور ارادے سے اس کی فرمانبرداری کرے گا، اسے جنت ملے گی اور جو نافرمانی کرے گا، اسے آگ میں جلنا پڑے گا۔ یہ شرعی ارادہ ہے۔

لیکن کائناتی ارادے میں کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے ارادے کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ وہ ضرور وقوع پذیر ہوتا ہے۔ چاہے کسی قوم کی ہلاکت ہو یا عزت، کسی کی موت ہو یا زندگی، کسی کی بادشاہت کا زوال ہو یا بقاء، وغیرہ سب کچھ ضرور واقع ہوتا ہے۔ تو ارادہ کونیہ مشیت کی طرح ہے جو نافذ ہو کر رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

قرآن مجید میں مذکور اللہ تعالیٰ کی بعض صفات، مثلاً: محبت، رحمت، رضامندی، غصہ، ناپسندیدگی اور ناراضگی وغیرہ کا تذکرہ:

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَوْلُهُ: ﴿وَاَحۡسِنُوۡا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ﴾ [البقرة: 195]، وَقَوْلُهُ: ﴿وَاَقۡسِطُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ﴾ [الحجرات: 9]، وَقَوْلُهُ: ﴿فَمَا اسۡتَقَامُوۡا لَـكُمۡ فَاسۡتَقِيۡمُوۡا لَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ﴾ [التوبة: 7]، وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ وَيَغۡفِرۡ لَـكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ ؕ﴾ [آل عمران: 31]، وَقَوْلُهُ: ﴿فَسَوۡفَ يَاۡتِى اللّٰهُ بِقَوۡمٍ يُّحِبُّهُمۡ وَيُحِبُّوۡنَهٗۤ ۙ﴾ [المائدة: 54]، وَقَوْلُهُ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيۡنَ يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمۡ بُنۡيَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ﴾ [الصف: 4]، وَقَوْلُهُ: ﴿وَهُوَ الۡغَفُوۡرُ الۡوَدُوۡدُ﴾ [البروج: 14]

وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ﴾ [الفاتحة: 1 والنمل: 30]، وَقَوْلُهُ: ﴿رَبَّنَا وَسِعۡتَ كُلَّ شَىۡءٍ رَّحۡمَةً وَّعِلۡمًا﴾ [غافر: 7]، وَقَوْلُهُ: ﴿وَكَانَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَحِيۡمًا﴾ [الأحزاب: 43]، وَقَوْلُهُ: ﴿وَرَحۡمَتِىۡ وَسِعَتۡ كُلَّ شَىۡءٍ ؕ﴾ [الأعراف: 156]، وَقَوْلُهُ: ﴿كَتَبَ رَبُّكُمۡ عَلٰى نَفۡسِهِ الرَّحۡمَةَ ۙ﴾ [الأنعام: 54]، وَقَوْلُهُ: ﴿وَهُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ﴾ [يونس: 107]، وَقَوْلُهُ: ﴿فَاللّٰهُ خَيۡرٌ حٰفِظًا ۖ وَّهُوَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِيۡنَ﴾ [يوسف: 64]

وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ [المائدة: 119]، وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ﴾ [النساء: 93]

وَقَوْلُهُ: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ﴾ [محمد: 28]، وَقَوْلُهُ: ﴿فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ﴾ [الزخرف: 55]، وَقَوْلُهُ: ﴿وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ﴾ [التوبة: 46]، وَقَوْلُهُ: ﴿كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ [الصف: 3]

ترجمہ:

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

اور نیکی کرو، بے شک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

[البقرة: 195]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾

اور انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

[الحجرات: 9]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾

سو جب تک وہ تمھارے لیے پوری طرح قائم رہیں تو تم ان کے لیے پوری طرح قائم رہو۔ بے شک اللہ متقی لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ [التوبة: 7]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ﴾

کہہ دیجیے: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھیں تمھارے گناہ بخش دے گا۔ [آل عمران: 31]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ﴾

تو اللہ عنقریب ایسے لوگ لائے گا کہ وہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے۔ [المائدۃ: 54]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ④﴾

بلاشبہ اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں، جیسے وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہوں۔ [الصف: 4]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ⑭﴾

اور وہی ہے جو بے حد بخشنے والا، نہایت محبت کرنے والا ہے۔ [البروج: 14]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○﴾

اللہ کے نام سے جو بے حد رحم والا، نہایت مہربان ہے۔

[الفاتحۃ: 1 والنمل: 30]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا﴾

اے ہمارے رب! تو نے ہر چیز کو رحمت اور علم سے گھیر رکھا ہے۔

[غافر: 7]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ㊸﴾

اور وہ ایمان والوں پر ہمیشہ سے نہایت مہربان ہے۔ [الأحزاب: 43]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾

اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے۔ [الأعراف: 156]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ﴾

تمہارے رب نے رحم کرنا اپنے آپ پر لازم کر لیا ہے۔[الأنعام: 54]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿107﴾﴾

اور وہی بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ [یونس: 107]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۠ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿64﴾﴾

سو اللہ بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ [یوسف: 64]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿119﴾﴾

اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔[المائدة: 119]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ﴾

اور جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے، اس میں ہمیشہ رہنے والا ہے اور اللہ اس پر غصے ہو گیا اور اس نے اس پر لعنت کی۔

[النساء: 93] (32)

---

(32) اہل سنت کے نزدیک جہنم میں ہمیشہ کے لیے رہنا تبھی ہو گا جب بندہ کفر کی حالت میں مرے گا۔ لیکن اس آیت میں جان بوجھ کر قتل کرنے والے قاتل کو ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنے کی وعید سنائی گئی ہے جبکہ قتل کفر نہیں ہے۔ تو اس کا کیا جواب ہے؟

جواب: اس کے کئی جواب دیے گئے ہیں:

نمبر 1: یہ مؤمن کو قتل کرنے والے کافر کی سزا ہے۔

لیکن یہ جواب کوئی اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ کافر تو ویسے بھی ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنا ہے اگرچہ وہ کسی مؤمن کو قتل نہ بھی کرے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكَافِرِينَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا ﴿64﴾ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَّا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿65﴾﴾ بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت کی اور ان کے لیے بھڑکتی آگ تیار کی ہے۔ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہمیشہ، نہ کوئی دوست پائیں گے اور نہ کوئی مددگار۔ [الأحزاب: 64-65]

نمبر2: یہ مؤمن کے قتل کو جائز سمجھنے والے کی سزا ہے کیونکہ مؤمن کے قتل کو حلال سمجھنے والا کافر ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ اس جواب پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مؤمن کے قتل کو حلال سمجھنے والا تو ویسے ہی کافر ہے اگرچہ وہ اس کا ارتکاب نہ بھی کرے۔ وہ تو کسی مؤمن کو قتل کیے بغیر ہی جہنم میں ہمیشہ رہنے کی سزا بھگتے گا۔ لہٰذا یہ جواب بھی درست نہیں ہے۔

نمبر3: یہ جملہ شرطیہ ہے یعنی اگر اللہ اسے سزا دے تو اس کی اصل سزا جہنم میں ہمیشہ رہنا ہے۔

لیکن یہ جواب بھی کام کا نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں ﴿فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ﴾ "اس کی سزا جہنم ہے" کہنے کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہتا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر اللہ نے سزا دی تو کیا یہی سزا ملے گی؟ اگر کہا جائے کہ ہاں تو اس کا مطلب ہے کہ پھر وہ ہمیشہ کے لیے جہنمی بن جائے گا۔ یہ تو ہم پھر اسی مشکل میں پڑ گئے ہیں جس سے نکل رہے تھے۔

ان تینوں جوابات میں سے ہر جواب پر کوئی نہ کوئی اعتراض ضرور ہوتا ہے۔

نمبر4: قتل اس سزا کا سبب ہے لیکن جب کوئی رکاوٹ آجائے گی تو یہ سزا نہیں ملے گی۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ رشتہ داری وراثت میں حصہ ملنے کا سبب ہے۔ لیکن جب رشتہ دار غلام ہو تو اسے وراثت میں سے حصہ نہیں ملتا کیونکہ ایک رکاوٹ موجود ہے اور وہ غلامی ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ قتل جہنم میں ہمیشہ رہنے کا سبب ہے، لیکن جب قاتل مؤمن ہو گا تو ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔

اس جواب پر اس اعتبار سے ایک اعتراض ہوتا ہے کہ پھر اس وعید کا فائدہ کیا ہوا؟ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ فائدہ ہے اور وہ یہ کہ جب کوئی انسان کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرتا ہے تو اس سبب کا ارتکاب کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں چلا جائے گا۔ اس

موقع پر اسے جہنم سے بچانے والے سبب کا ہونا احتمال والی بات ہے جو کبھی ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا، لہٰذا مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرنے والا ایک سنگین خطرے کے کنارے پر کھڑا ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا: «لن يزال المؤمن في فسحة من دينه ما لم يصب دما حراماً» مؤمن اس وقت تک اپنے دین میں کشادگی سے رہتا ہے جب تک وہ حرام خون کا ارتکاب نہ کرے۔ (صحيح البخاري: 6862) یعنی جب حرام خون کا ارتکاب کرے گا تو دین میں تنگ ہو جائے گا، یہاں تک کہ اس سے نکل جائے گا۔ اس بناء پر یہ وعید انجام کے اعتبار سے ہے کیونکہ یہ خدشہ موجود ہے کہ یہ قتل اس کے کفر کا سبب بن سکتا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو وہ کفر پر مرے گا اور پھر ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

اس اعتبار سے اس آیت میں سبب کے سبب کا ذکر ہے یعنی جان بوجھ کر قتل انسان کے کفر پر مرنے کا سبب ہے اور کفر ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنے کا۔ میرے خیال میں جب کوئی انسان اس بحث میں غور و فکر کرے گا تو اسے اس میں کوئی اعتراض محسوس نہیں ہو گا۔

نمبر 5: خلود یعنی ہمیشہ رہنے سے لمبا عرصہ رہنا مراد ہے، ہمیشہ کے لیے رہنا نہیں۔ کیونکہ عربی زبان میں لفظ "خلود" لمبے عرصے تک رہنے کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ فلاں ہمیشہ قید میں رہے گا حالانکہ قید دائمی نہیں ہوتی۔ کہتے ہیں: فلاں پہاڑوں کی طرح ہمیشہ رہے گا، حالانکہ سبھی جانتے ہیں کہ پہاڑوں کو میرا رب اُڑا دے گا اور زمین چٹیل میدان کی طرح ہو جائے گی۔

یہ جواب آسان ہے اور اسے سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں ابد کا لفظ نہیں بولا یعنی یہ نہیں کہا کہ « خالداً فيها أبداً» ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس میں رہے گا، بلکہ یہ فرمایا ہے: ﴿ خالداً فيها ﴾ جس کا مطلب ہے کہ لمبا عرصہ رہے گا۔

نمبر 6: یہ وعید کا مسئلہ ہے اور وعید کے خلاف جانا جائز ہے۔ کیونکہ یہ عدل سے فضل و کرم کی طرف منتقل ہونا ہے جو کہ قابل تعریف ہے۔۔۔۔ مثلاً: آپ اپنے بیٹے سے کہتے ہیں کہ اگر تم بازار گئے تو تمہیں اس لاٹھی سے ماروں گا۔ پھر وہ بازار چلا جاتا ہے اور جب واپس آتا ہے تو آپ اسے ہاتھ سے مارتے ہیں کیونکہ یہ سزا اس کے لیے لاٹھی کی مار سے ہلکی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے قاتل کو یہ وعید سنائی، پھر اسے معاف کر دیا تو اسے اس کا کرم سمجھا جائے گا۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ﴾

یہ اس لیے کہ بے شک انہوں نے اس چیز کی پیروی کی جس نے اللہ کو ناراض کر دیا اور اس کی خوشنودی کو برا جانا۔ [محمد: 28]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ﴾

پھر جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا۔
[الزخرف: 55]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ﴾

اور لیکن اللہ نے ان کا اٹھ کر جانا ناپسند کیا تو انہیں روک دیا۔[التوبۃ: 46]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝3﴾

اللہ کے ہاں یہ سخت ناپسندیدہ بات ہے کہ تم ایسی بات کہو جو تم کرتے نہیں۔ [الصف: 3]

تشریح:

یہ آیات جن میں صفتِ محبت کا تذکرہ ہے، بہت ساری ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو صفتِ محبت سے متصف کیا ہے۔ کہ وہ محبت کرتا ہے، اس سے محبت کی جاتی ہے۔ وہ متقین، نیکوکار اور انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لیکن در حقیقت یہ جواب بھی قابل اعتراض ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر اللہ نے وعید نافذ کر دی تو؟ اعتراض تو وہیں کا وہیں رہ جائے گا۔ اور اگر نافذ نہ کرے تو پھر وعید سنانے کا فائدہ؟
اس آیت سے پیدا ہونے والے اشکال کے یہ چھ جواب دیے گئے ہیں جن میں سب سے عمدہ پانچواں جواب اور اس سے کم چوتھا جواب ہے۔(العثیمین: 1/ 263-266)

﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ﴾

تو اللہ عنقریب ایسے لوگ لائے گا کہ وہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے۔ [المائدۃ: 54]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ﴾

کہہ دیجیے: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھیں تمھارے گناہ بخش دے گا۔ [آل عمران: 31]

اسی طرح مذکورہ بالا آیات میں اس کی رحمت، رحمان اور رحیم ہونے کا تذکرہ ہے۔ وہ نہایت مہربان ہے۔ اس کی رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ وہ غفور اور ودود بھی ہے۔ ودود کا مطلب ہے: وہ حبیب اور محبوب ہے۔ اسی طرح وہ راضی بھی ہوتا ہے، غصے بھی، ناراض بھی اور ناپسند بھی کرتا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ﴾

اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ [المائدۃ: 119]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ﴾

ان پر اللہ غصے ہوا۔ [المجادلۃ: 14]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ﴾

انہوں نے اس چیز کی پیروی کی جس نے اللہ کو ناراض کر دیا اور اس کی خوشنودی کو برا جانا۔ [محمد: 28]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ﴾

اور لیکن اللہ نے ان کا اٹھ کر جانا ناپسند کیا تو انہیں روک دیا۔ [التوبۃ: 46]

یہ ساری صفات یعنی رضا، محبت، رحمت، ناراضگی اور ناپسندیدگی، سب حق ہیں۔ اللہ جل جلالہ ان سب سے متصف ہیں۔ یہ بھی دیگر صفات کی طرح بغیر کسی تحریف، نفی، کیفیت بیان کیے اور تشبیہ دیے اسی انداز میں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔ اس کی محبت مخلوق کی محبت جیسی نہیں ہے۔ اس کی رضامندی مخلوق کی رضامندی جیسی نہیں ہے۔ اس کا غصہ مخلوق کے غصے جیسا نہیں ہے۔ اس کی ناپسندیدگی مخلوق کی ناپسندیدگی کی طرح نہیں ہے۔ اس کی نفرت مخلوق کی نفرت جیسی نہیں ہے۔ اس طرح ساری صفات کے بارے میں بات ایک ہی جیسی ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿١١﴾﴾

اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔[الشوری: 11]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ﴿٤﴾﴾

اور نہ کبھی کوئی ایک اس کے برابر کا ہے۔[الإخلاص: 4]

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٧٤﴾﴾

پس اللہ کے لیے مثالیں بیان نہ کرو۔ بے شک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔[النحل: 74]

کوئی اس جیسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں بیان نہ کرو۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔ کوئی اس کا مدمقابل نہیں ہے۔ تمام صفات کا مسئلہ ایک ہی ہے۔ اس لیے ہم کہتے ہیں: ہم اللہ عزوجل، اس کے اچھے ناموں اور بلند صفات پر ایمان رکھتے ہیں جو قرآن اور صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔ بغیر کسی تحریف، نفی، کیفیت بیان کیے اور تشبیہ دیے اس انداز میں مانتے ہیں جیسے وہ صفات اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہیں۔ بلکہ ہم کہتے ہیں: اس کی ساری صفات حق ہیں۔ اس کے سارے نام اچھے ہیں۔ ہم اللہ

تعالیٰ کے لیے ان کا ایسے ہی اثبات کرتے ہیں جیسے خود اس نے اپنے لیے ، نبی کریم ﷺ نے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے لیے ان کا اثبات کیا ہے اس انداز میں جیسے وہ اللہ کی شان کے لائق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں ہیں اور نہ اس کے نام مخلوق کے نام کے مشابہ ہیں۔ بلکہ اچھے نام اور عظیم معانی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ہیں، اسی لیے فرمایا:

﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾

اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں، سو اسے ان کے ساتھ پکارو۔
[الأعراف : 180]

ان ناموں اور ان کے معانی کے کمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں «حُسنیٰ» یعنی اچھے قرار دیا ہے۔

اس کی صفات کی کیفیت صرف وہی جانتا ہے۔ اس کا علم ہمارے علم جیسا نہیں ہے۔ اس کا رحم کرنا ہمارے رحم کرنے کی طرح نہیں ہے۔ اس کا بلند ہونا، ہمارے بلند ہونے کی طرح نہیں ہے۔ اس کا نزول، ہمارے اترنے کی طرح نہیں ہے۔ اس کا آنا ہمارے آنے کی طرح نہیں ہے۔ اس کا غصہ ہمارے غصے کی طرح نہیں ہے۔ اسی طرح ہم ساری صفات کے بارے میں کہتے ہیں: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ⑪﴾

اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔[الشوری : 11]

استواء (بلند ہونا) معلوم ہے، رحمت معلوم ہے، غصہ معلوم ہے، محبت معلوم ہے، ارادہ معلوم ہے، مشیت معلوم ہے لیکن ان کی کیفیت نامعلوم ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ کیسے مستوی ہے؟ وہ کیسے رحم کرتا ہے؟ یہ کیفیت ہم نہیں جانتے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ محبت غصے کے علاوہ کوئی چیز

ہے۔ غصہ رضامندی کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ رضامندی بخشش کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ اسی طرح ساری صفات ہیں کہ ان کے معانی تو معلوم ہیں لیکن ان کی کیفیت صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

غصہ رضامندی کا متضاد ہے۔ محبت ناپسندیدگی کا متضاد ہے۔ رحمت انتقام کا متضاد ہے۔ وہ اِس سے بھی متصف ہے اور اُس سے بھی۔ ایک قوم پر وہ رحمتیں نازل کرتا ہے اور دوسری قوم کو وہ سزا دیتا ہے اور اس سے انتقام لیتا ہے۔ فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں اور اللہ سے ڈرنے والوں پر وہ رحم کرتا ہے اور دوسروں کی نافرمانی اور کفر کی وجہ سے ان پر غصہ کرتا ہے اور ان سے انتقام لیتا ہے۔ اسی طرح وہ ایک قوم سے محبت کرتا ہے اور دوسری قوم سے نفرت کرتا ہے۔ ایک قوم کو عطا کرتا ہے اور دوسری قوم کو محروم کر دیتا ہے۔ وہی عطا کرنے والا اور محروم کرنے والا ہے۔ یہ اہل سنت کا اللہ تعالیٰ کی صفات پر ایمان کے بارے میں راستہ، طریقہ اور منہج ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ساری صفات حق ہیں اور اسی طرح ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہیں۔ ان کے معانی حق ہیں، لیکن ان کی کیفیت صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

قرآن مجید میں مذکور اللہ تعالیٰ کی «إتیان، مجیء، وجہ، عین اور یدین» جیسی بعض فعلی اور ذاتی صفات کا تذکرہ:

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَقَوْلُهُ: ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ﴾ [البقرة: 210] وَقَوْلُهُ: ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ﴾ [الأنعام: 158] وَقَوْلُهُ: ﴿كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿21﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿22﴾﴾ [الفجر: 22-21] وَقَوْلُهُ: ﴿وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿25﴾﴾ [الفرقان: 25]

وَقَوْلُهُ: ﴿وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿27﴾﴾ [الرحمن: 27] وَقَوْلُهُ: ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ﴾ [القصص: 88]

وَقَوْلُهُ: ﴿مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾ [ص: 75] وَقَوْلُهُ: ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ﴾ [المائدة: 64] وَقَوْلُهُ: ﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا﴾ [الطور: 48] وَقَوْلُهُ: ﴿وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ﴿13﴾ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿14﴾﴾ [القمر: 14 - 13] وَقَوْلُهُ: ﴿وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ﴿39﴾﴾ [طه: 39]

وَقَوْلُهُ: ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ﴿1﴾﴾ [المجادلة: 1]

وَقَوْلُهُ تعالَى: ﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا﴾ [آل عمران: 181] وَقَوْلُهُ: ﴿اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿80﴾﴾ [الزخرف: 80]

وَقَوْلُهُ: ﴿اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿46﴾﴾ [طه: 46] وَقَوْلُهُ: ﴿اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ﴿14﴾﴾ [العلق: 14] وَقَوْلُهُ: ﴿الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿218﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿219﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿220﴾﴾ [الشعراء: 220 - 218] وَقَوْلُهُ: ﴿وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ﴾ [التوبة: 105]

وَقَوْلُهُ: ﴿وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿13﴾﴾ [الرعد: 13] وَقَوْلُهُ: ﴿وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿54﴾﴾ [آل عمران: 54] وَقَوْلُهُ: ﴿وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿50﴾﴾ [النمل: 50]

وَقَوْلُهُ: ﴿اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿15﴾ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿16﴾﴾ [الطارق: 16 - 15]

وَقَوْلُهُ: ﴿اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿149﴾﴾ [النساء: 149] وَقَوْلُهُ: ﴿وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿22﴾﴾ [النور: 22] وَقَوْلُهُ: ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [المنافقون: 8] وَقَوْلُهُ عَنْ إِبْلِيسَ: ﴿قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿82﴾﴾ [صٓ: 82]

وَقَوْلُهُ: ﴿تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿78﴾﴾ [الرحمن: 78] وَقَوْلُهُ: ﴿فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿65﴾﴾ [مريم: 65] وَقَوْلُهُ: ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿4﴾﴾ [الإخلاص: 4]

ترجمہ:

فرمان الٰہی ہے: ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ﴾

وہ اس کے سوا کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس اللہ بادل کے سائبانوں میں آجائے اور فرشتے بھی اور کام تمام کر دیا جائے۔ [البقرۃ: 210]

فرمان الٰہی ہے: ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ﴾

وہ اس کے سوا کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں، یا آپ کا رب آئے، یا آپ کے رب کی کوئی نشانی آئے، جس دن آپ کے رب کی کوئی نشانی آئے گی۔ [الأنعام: 158]

فرمان الٰہی ہے: ﴿كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿21﴾ وَّجَاۗءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿22﴾﴾

ہرگز نہیں، جب زمین کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دی جائے گی۔ اور آپ کا رب آئے گا اور فرشتے جو صف در صف ہوں گے۔ [الفجر: 22 - 21]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاۗءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰۗىِٕكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿25﴾﴾

اور جس دن آسمان کو چیرتے ہوئے ایک بادل نمودار ہوگا اور فرشتے لگاتار اتارے جائیں گے۔ [الفرقان: 25]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿27﴾﴾

اور آپ کے رب کا چہرہ باقی رہے گا، جو بڑی شان اور عزت والا ہے۔ [الرحمن: 27]

فرمان الٰہی ہے: ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۭ﴾

ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے، مگر اس کا چہرہ۔[القصص: 88]

فرمان الٰہی ہے: ﴿مَا مَنَعَكَ اَنۡ تَسۡجُدَ لِمَا خَلَقۡتُ بِيَدَىَّ ؕ﴾

تجھے کس چیز نے روکا کہ تو اسے سجدہ کرے جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا؟ [ص: 75]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ يَدُ اللّٰهِ مَغۡلُوۡلَةٌ ؕ غُلَّتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ وَلُعِنُوۡا بِمَا قَالُوۡا ۘ بَلۡ يَدٰهُ مَبۡسُوۡطَتٰنِ ۙ يُنۡفِقُ كَيۡفَ يَشَآءُ ؕ﴾

اور یہود نے کہا: اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے، ان کے ہاتھ باندھے گئے اور جو انھوں نے کہا اس کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی، بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، وہ جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ [المائدۃ: 64]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعۡيُنِنَا﴾

اور اپنے رب کا حکم آنے تک صبر کیجیے، پس بے شک آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔[الطور: 48]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَحَمَلۡنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلۡوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۙ﴿13﴾ تَجۡرِىۡ بِاَعۡيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنۡ كَانَ كُفِرَ ﴿14﴾﴾

اور ہم نے اسے تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر سوار کر دیا۔ جو ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی، اس شخص کے بدلے کی خاطر جس کا انکار کیا گیا تھا۔ [القمر: 13 - 14]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَاَلۡقَيۡتُ عَلَيۡكَ مَحَبَّةً مِّنِّىۡ ۚ وَلِتُصۡنَعَ عَلٰى عَيۡنِىۡ ﴿39﴾﴾

اور میں نے تجھ پر اپنی طرف سے ایک محبت ڈال دی اور تاکہ تیری پرورش میری آنکھوں کے سامنے کی جائے۔ [طہ: 39]

فرمان الٰہی ہے: ﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝﴾

یقیناً اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے خاوند کے بارے میں جھگڑ رہی تھی اور اللہ کی طرف شکایت کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ بے شک اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ [المجادلة: 1]

فرمان الٰہی ہے: ﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَاۗءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا﴾

بلاشبہ اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنھوں نے کہا: بے شک اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ جو انھوں نے کہا ہم ضرور لکھیں گے۔ [آل عمران: 181]

فرمان الٰہی ہے: ﴿اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ۭ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ۝﴾

یا وہ گمان کرتے ہیں کہ بے شک ہم ان کا راز اور ان کی سرگوشی نہیں سنتے؟ کیوں نہیں اور ہمارے بھیجے ہوئے ان کے پاس لکھتے رہتے ہیں۔ [الزخرف: 80]

فرمان الٰہی ہے: ﴿اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ۝﴾

بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، میں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔ [طه: 46]

فرمان الٰہی ہے: ﴿اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ۝﴾

تو کیا اس نے یہ نہ جانا کہ یقیناً اللہ دیکھ رہا ہے۔ [العلق: 14]

فرمان الٰہی ہے: ﴿الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ۝ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝﴾

جو آپ کو دیکھتا ہے، جب آپ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور سجدہ کرنے والوں میں آپ کے پھرنے کو بھی جانتا ہے۔ بے شک وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ [الشعراء: 218 - 220]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ﴾

اور کہہ دیجیے: تم عمل کرو، پس عنقریب اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے بھی تمہارا عمل دیکھ لیں گے۔ [التوبة: 105]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ؕ﴿13﴾﴾

اور وہ بہت سخت قوت والا ہے۔ [الرعد: 13]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿54﴾﴾

اور انہوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے۔ [آل عمران: 54]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿50﴾﴾

اور انہوں نے ایک چال چلی اور ہم نے بھی ایک چال چلی جبکہ انہیں خیال تک نہ تھا۔[النمل: 50]

فرمان الٰہی ہے: ﴿اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿15﴾ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿16﴾﴾

بے شک وہ ایک خفیہ تدبیر کرتے ہیں۔ اور میں بھی ایک خفیہ تدبیر کرتا ہوں۔ [الطارق: 15 - 16]

فرمان الٰہی ہے: ﴿اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿149﴾﴾

اگر تم کوئی نیکی ظاہر کرو، یا اسے چھپاؤ، یا کسی برائی سے در گزر کرو تو بے شک اللہ ہمیشہ سے بہت معاف کرنے والا، خوب قدرت رکھنے والا ہے۔ [النساء: 149]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ اور لازم ہے کہ وہ معاف کر دیں اور در گزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمھیں بخشے اور اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔ [النور: 22]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾

حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور ایمان والوں کے لیے ہے۔ [المنافقون: 8]

ابلیس کی بات نقل کرتے ہوئے فرمایا: ﴿قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾

وہ کہنے لگا: ”تیری عزت کی قسم! میں سب (انسانوں) کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔“ [صٓ: 82]

فرمان الٰہی ہے: ﴿تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾

بہت برکت والا ہے تیرے رب کا نام جو بڑی شان اور عزت والا ہے۔ [الرحمن: 78]

فرمان الٰہی ہے: ﴿فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۭ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾

سو اس کی عبادت کیجیے اور اس کی عبادت پر خوب ڈٹے رہیے۔ کیا آپ اس کا کوئی ہم نام جانتے ہیں؟ [مریم: 65]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾

اور نہ کبھی کوئی ایک اس کے برابر کا ہے۔ [الإخلاص: 4]

تشریح:

یہ ساری آیات کریمہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے ایک مجموعے پر مشتمل ہیں۔
ان سب صفات کا بغیر کسی تحریف، نفی، کیفیت بیان کیے اور تشبیہ دیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے اس انداز میں اثبات ضروری ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ﴾

وہ اس کے سوا کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس اللہ بادل کے سائبانوں میں آجائے اور فرشتے بھی اور کام تمام کر دیا جائے۔ [البقرة: 210]

فرمان الٰہی ہے: ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ﴾

وہ اس کے سوا کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں، یا آپ کا رب آئے۔ [الأنعام: 158]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَّجَاۗءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝22﴾

اور آپ کا رب آئے گا اور فرشتے جو صف در صف ہوں گے۔ [الفجر: 22]

تو قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کا «إتیان اور مجیء» یعنی آنا بالکل برحق ہے اور اسی انداز میں ہو گا جیسا اس کی شان کے لائق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی بھی صفت میں اپنی مخلوق کے مشابہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۭ﴾

یا آپ کے رب کی کوئی نشانی آئے۔ [الأنعام: 158] سے مراد سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾

اور تیرے رب کا چہرہ باقی رہے گا، جو بڑی شان اور عزت والا ہے۔ [الرحمن: 27]

اور اس فرمان: ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ﴾

ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے، مگر اس کا چہرہ۔ [القصص: 88] میں اللہ تعالیٰ کے چہرے کا اثبات ہے۔ یہ بات سچ ہے کہ اس کا باعزت چہرہ ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ﴾

بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ [المائدۃ: 64] میں اس کے ہاتھوں کا تذکرہ ہے جیسے اس کا باعزت چہرہ ہے۔

اسی طرح اس کی آنکھ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ﴾

اور تاکہ تیری پرورش میری آنکھوں کے سامنے کی جائے۔ [طه: 39]

اور فرمایا: ﴿تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا﴾

وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی۔ [القمر: 14]

وہ آنکھ، بصارت اور سماعت سے متصف ہے جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔ یہ ساری اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں جن کا اللہ تعالیٰ کے لیے ایسے انداز میں اثبات ضروری ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔

اسی طرح وہ خفیہ تدبیر جو دوسروں کی خفیہ تدبیر کے مقابلے میں ہو۔ فرمایا: ﴿وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ﴾

اور انہوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی۔ [آل عمران: 54]

اسی طرح «الکید» بھی۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا ﴿15﴾ وَأَكِيدُ كَيْدًا ﴿16﴾﴾

بے شک وہ ایک خفیہ تدبیر کرتے ہیں۔ اور میں بھی ایک خفیہ تدبیر کرتا ہوں۔ [الطارق: 15 - 16]

تو یہ مکر اور کید حق ہے جیسے اللہ کی شان کے لائق ہے۔ وہ اپنے مکر اور کید (خفیہ تدبیر) میں مخلوق کے مشابہ نہیں ہے۔

اسی طرح اس کی سماعت ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا﴾

یقیناً اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے خاوند کے بارے میں جھگڑ رہی تھی اور اللہ کی طرف شکایت کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ [المجادلۃ: 1]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿181﴾﴾

یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ [البقرۃ: 181]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿75﴾﴾

بے شک اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ [الحج: 75]

وغیرہ بہت سی آیات ہیں جن میں سماعت، بصارت اور علم کا ذکر ہے۔

اور بہت سی آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ محبت کا تذکرہ ہے۔ یہ ساری صفات حق ہیں۔ ان سب کا اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان اثبات ضروری ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ﴿65﴾﴾

کیا آپ اس کا کوئی ہمنام جانتے ہیں؟ [مریم: 65]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ﴿4﴾﴾

اور نہ کبھی کوئی ایک اس کے برابر کا ہے۔ [الإخلاص: 4]

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ﴾

پس اللہ کے لیے مثالیں بیان نہ کرو۔ [النحل: 74]

یہ ساری صفات حق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے ان سب کا اثبات اس کے شایانِ شان بغیر کسی تحریف، نفی اور تاویل کے کرنا ضروری ہے۔ اس کی سماعت ہے، مخلوق کی سماعت کی طرح نہیں۔ اس کی بصارت ہے، مخلوق کی بصارت کی طرح نہیں۔ اس کی آنکھیں ہیں، مخلوق کی آنکھوں کی طرح نہیں۔ اس کے ہاتھ ہیں، مخلوق کے ہاتھوں کی طرح نہیں، اس کے پاؤں ہیں، مخلوق کے پاؤں کی طرح نہیں۔ اسی طرح باقی صفات کے بارے میں سمجھ لیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾

اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ [الشوریٰ: 11]

اس کی صفات حق ہیں جیسے اس کی شان کے لائق ہیں۔ وہ ان میں اپنی مخلوق کے مشابہ نہیں ہے۔ ان کا بغیر کسی تحریف، نفی، کیفیت بیان کیے اور تشبیہ دیے اس انداز میں اثبات ضروری ہے جو اس کی شان کے لائق ہے۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک ان سب کا مسئلہ ایک ہی ہے۔ اہل سنت والجماعت سے مراد صحابہ کرام اور نیکی کے ساتھ قیامت تک ان کی پیروی کرنے والے لوگ ہیں۔[33]

اللہ تعالیٰ سب کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

---

(33) اس تعریف کی دلیل کے لیے ابن حزم کی الفصل فی الملل والنحل، ج: 1، ص: 193 ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کی توحید کا اثبات، شرک کی نفی، صفات کے ایک مجموعے اور اللہ تعالیٰ کے استواء کا بیان:

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَوْلُهُ: ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ [البقرة: 22]

وَقَوْلُهُ: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ﴾ [البقرة: 165]

وَقَوْلُهُ: ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا﴾ [الإسراء: 111].

وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ [التغابن: 1]

وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا﴾ [الفرقان: 1 - 2]

وَقَوْلُهُ: ﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ [المؤمنون: 91 - 92]

وَقَوْلُهُ: ﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [النحل: 74] وَقَوْلُهُ: ﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [الأعراف: 33]

وَقَوْلُهُ: ﴿الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ [طه: 5] فِيْ سَبْعَةِ مَوَاضِعَ: فِيْ سُوْرَةِ الْأَعْرَافِ قَوْلُهُ: ﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ [الأعراف: 54] وَقَالَ فِيْ سُوْرَةِ يُوْنُسَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: ﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ [يونس: 3] وَقَالَ فِيْ سُوْرَةِ الرَّعْدِ: ﴿اللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ [الرعد: 2] وَقَالَ فِيْ سُوْرَةِ طٰهٰ: ﴿الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ [طه: 5] وَقَالَ فِيْ سُوْرَةِ الْفُرْقَانِ: ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ [الفرقان: 59] وَقَالَ فِيْ سُوْرَةِ السَّجْدَةِ: ﴿اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ [السجدة: 4] وَقَالَ فِيْ سُوْرَةِ الْحَدِيْدِ: ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ [الحديد: 4]

ترجمہ:

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ أَنْدَادًا وَّأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾

پس اللہ کے لیے کسی قسم کے شریک نہ بناؤ، جب کہ تم جانتے ہو۔
[البقرة: 22]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ أَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ﴾

اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو غیر اللہ میں سے کچھ شریک بنا لیتے ہیں، وہ ان سے اللہ کی محبت جیسی محبت کرتے ہیں۔ [البقرة: 165]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا﴾

اور کہہ دیجیے: سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے نہ کوئی اولاد بنائی ہے اور نہ بادشاہی میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ عاجز ہو جانے کی وجہ سے کوئی اس کا مدد گار ہے اور اس کی خوب بڑائی بیان کیجیے۔ [الإسراء: 111]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

اللہ کا پاک ہونا بیان کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کی سب تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ [التغابن: 1]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۙ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا﴾

بہت برکت والا ہے وہ جس نے اپنے بندے پر (حق وباطل میں) واضح فرق کرنے والی (کتاب) اتاری، تاکہ وہ جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔ وہ ذات کہ اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اس نے نہ کوئی اولاد بنائی اور نہ کبھی بادشاہی میں کوئی اس کا شریک رہا ہے اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کا پورا اندازہ مقرر کیا۔ [الفرقان: 2 - 1]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿91﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿92﴾﴾

اللہ نے نہ کوئی اولاد بنائی اور نہ کبھی اس کے ساتھ کوئی معبود تھا، اس وقت ضرور ہر معبود، جو کچھ اس نے پیدا کیا تھا، اسے لے کر چل دیتا اور یقیناً ان میں سے ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتا۔ جو وہ بیان کرتے ہیں اللہ اس سے پاک ہے۔ غائب اور حاضر کو جاننے والا ہے، جو وہ شریک بناتے ہیں پس وہ اس سے بہت بلند ہے۔

[المؤمنون: 91 - 92]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿74﴾﴾

پس اللہ کے لیے مثالیں بیان نہ کرو۔ بے شک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ [النحل: 74]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿33﴾﴾

کہہ دیجیے: میرے رب نے تو صرف بے حیائیوں کو حرام کیا ہے، جو ان میں سے ظاہر ہیں اور جو چھپی ہوئی ہیں اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کو اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ اسے شریک ٹھہراؤ جس کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور یہ کہ تم اللہ پر وہ کہو جو تم نہیں جانتے۔ [الأعراف: 33]

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴿5﴾﴾

وہ بے حد مہربان عرش پر بلند ہوا۔ [طٰہ: 5]

سات جگہوں پر ہے۔ آیات اور ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ﴾

بے شک تمہارا رب اللہ ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر بلند ہوا۔ [الأعراف: 54]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ﴾

بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر بلند ہوا۔ [یونس: 3]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ﴾

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے ، جنہیں تم دیکھتے ہو، بلند کیا، پھر وہ عرش پر بلند ہوا۔ [الرعد: 2]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ ۝5﴾

وہ بے حد مہربان عرش پر بلند ہوا۔ [طه: 5]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ﴾

پھر وہ عرش پر بلند ہوا۔ [الفرقان: 59]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ﴾

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی ہر چیز کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر بلند ہوا۔[السجدة: 4]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ﴾

وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر بلند ہوا۔ [الحدید: 4]

تشریح:

یہ ساری آیات بھی اللہ تعالیٰ کی صفات کے ایک مجموعے پر مشتمل ہیں، جیسا کہ پیچھے ایک مجموعہ گزرا۔ اہل سنت والجماعت کا ان کے بارے میں طریقۂ کار یہ ہے کہ وہ ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور جیسے یہ مذکور ہیں، ایسے ہی ان کو اللہ تعالیٰ کے لیے بغیر کسی تحریف، نفی، کیفیت بیان کیے اور تشبیہ دیے اس انداز میں ثابت کرتے ہیں جو اس کی شان کے لائق ہے۔

اسی طرح جو صفات صحیح احادیث میں مذکور ہیں، ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جاتا ہے۔ ان کا بھی اللہ تعالیٰ کے لیے بغیر کسی تحریف، نفی، کیفیت بیان کیے اور تشبیہ دیے اثبات ضروری ہے جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔

اس مجموعے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان شامل ہے: ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾

پس اللہ کے لیے کسی قسم کے شریک نہ بناؤ، جب کہ تم جانتے ہو۔
[البقرۃ: 22]

اور یہ فرمان بھی: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا﴾

اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو غیر اللہ میں سے کچھ شریک بنا لیتے ہیں۔
[البقرۃ: 165]

انداد کہتے ہیں: مشابہ اور ہم مرتبہ کو۔ اللہ کا نہ کوئی مد مقابل ہے اور نہ ہم مرتبہ۔ تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا﴾ بطور مذمت ہے۔ یعنی بعض لوگ شریک بنا لیتے ہیں اور ایسا کرنے والے

مشرک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے اپنے اس فرمان میں منع فرمایا ہے: ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾

یعنی تم اللہ کے ساتھ قبر والوں، انبیاء، فرشتوں، جنوں یا پتھروں کو معبود نہ بناؤ۔ یہ سارا باطل کام ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ﴾

یہ اس لیے کہ بے شک اللہ ہی ہے جو حق ہے اور (اس لیے) کہ بے شک اس کے سوا وہ جسے بھی پکارتے ہیں وہی باطل ہے۔ [الحج: 62]

مزید فرمایا: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ﴾

یہ اس لیے ہے کہ بے شک اللہ ہی حق ہے اور یہ کہ بے شک اس کے سوا وہ جس کو پکارتے ہیں وہی باطل ہے۔ [لقمان: 30]

تمام عاقل و بالغ لوگوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ صرف اسی اکیلے کی عبادت کریں اور شریکوں سے بیزار ہو جائیں۔ یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ یقیناً اس کا کوئی مد مقابل ہے، نہ مشابہ اور نہ ہمسر۔ اس کو اپنا عقیدہ بنالیں۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾

نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور نہ کبھی کوئی ایک اس کے برابر کا ہے۔ [الإخلاص: 4]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ﴾

پس اللہ کے لیے مثالیں بیان نہ کرو۔ [النحل: 74]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾

اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ [الشوری: 11]

اسی طرح اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے: ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ﴾

اور کہہ دیجیے: سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے نہ کوئی اولاد بنائی ہے اور نہ بادشاہی میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ عاجز ہو جانے کی وجہ سے کوئی اس کا مددگار ہے۔ [الإسراء: 111]

بے بس ہو جانے کی وجہ سے کوئی اس کا مددگار نہیں ہے۔ اس کے جو دوست ہیں، وہ محبت اور قربت کی وجہ سے ہیں، بے بسی اور عاجزی کی وجہ سے نہیں۔ وہ اپنے علاوہ سب سے بے نیاز ہے۔ وہی سب پر غالب ہے۔ بے بس ہو جانے کی وجہ سے اس کے دوست نہیں ہیں۔ بلکہ اپنے دوستوں سے وہ محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں۔ وہ اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں۔ وہ بطور محبت اور قربت اس کے دوست ہیں کیونکہ وہ اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کے کام کو بڑا سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝62 اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝63﴾

سن لو! بے شک اللہ کے دوست، ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ جو ایمان لائے اور بچا کرتے تھے۔ [یونس: 62-63]

اللہ تعالیٰ کے یہ ولی اس کے بے بس ہو جانے کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ بطور محبت اور قربت کے ہیں کیونکہ انہوں نے اس کی اطاعت کی اور اس کے رسول ﷺ کی شریعت کی پیروی کی۔

اسی طرح وہ ساری آیات ہیں جن میں بادشاہت، تعریف اور قدرت کا تذکرہ ہے۔ تو وہ ہر چیز کا مالک ہے، ہر چیز کا خالق ہے، ہر چیز پر قادر ہے، اپنے بندوں کے تمام حالات جانتا ہے، یہ سب کچھ حق ہے۔

اسی طرح اس کا فرمان ہے: ﴿وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا﴾

اور اس نے نہ کوئی اولاد بنائی۔[الفرقان : 1]

فرمان الٰہی ہے: ﴿لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝﴾

نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور نہ کبھی کوئی ایک اس کے برابر کا ہے۔ [الإخلاص : 4 - 3]

تو اللہ تعالیٰ کی یہ ساری صفات ثابت ہیں۔ وہی ہر چیز کا خالق ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝﴾

اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کا پورا اندازہ مقرر کیا۔ [الفرقان : 2]

وہ اپنے بندوں کے حالات سے واقف ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۡ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾

اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کی سب تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ [التغابن : 1]

وہ پاک ہے اور بلند و بالا ہے۔

اسی طرح وہ عرش پر مستوی ہونے سے متصف ہے جیسا کہ یہ بات قرآن مجید میں سات مقامات پر موجود ہے۔ سورت طٰہ، اعراف، یونس، رعد، اسراء، لقمان، سجدہ اور حدید میں۔ یہ ساری محکم آیات ہیں۔ استواء کا مطلب ہے: بلندی اور فوقیت۔ تو «استوی علیه» کا مطلب ہو گا: عرش پر چڑھا اور اس پر بلند ہوا۔ وہ بلند و بالا اور ساری مخلوق سے اوپر ہے۔ اور عرش مخلوقات کی چھت ہے۔ اور اللہ

سبحانہ وتعالیٰ عرش پر بلند ہے۔ یہ بلندی ایسی ہے جیسی اس کی شان کے لائق ہے۔ اس کی کیفیت صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی جانتا ہے۔[34]

---

(34) جو لوگ صفات الٰہی میں تاویل کے قائل ہیں، وہ صفتِ استویٰ میں دو طرح کی تاویلیں کرتے ہیں۔ (1) لفظ استویٰ کو استولیٰ کے معنیٰ میں لیتے ہیں۔ (2) عرش کو بادشاہت کے معنیٰ میں لیتے ہیں۔ گویا پہلے کہتے ہیں کہ عرش پر قابض اور غالب ہے اور دوسرے کہتے ہیں کہ بادشاہت پر مستوی ہے یعنی ملک میں بلند ہے تو یہ بلندی معنوی بلندی ہو گی۔

پہلی تاویل کا جواب: استویٰ (بلند ہونے) کو استولیٰ (قابض اور غالب ہونے) کے معنیٰ میں لینا بالکل غلط ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ عربی زبان کے ماہرین سے اس بارے میں پوچھا گیا تو ان کا کہنا تھا کہ عرب میں معروف نہیں ہے۔ عربی زبان میں کہیں بھی استویٰ استولیٰ کے معنیٰ میں استعمال نہیں ہوا۔

تاویل کرنے والے جہمیہ وغیرہ ایک عربی شعر سے استدلال کرتے ہیں جو اخطل نامی شاعر کی منسوب ہے کہ اس نے کہا:

قد استوى بشر على العراق   من غير سيف أو دم مهراق

یعنی بشر بغیر تیر و تلوار اور خون بہائے عراق پر قابض ہو گیا۔

اس کے کئی جواب ہیں:

پہلا جواب: یہ من گھڑت شعر ہے۔ مسلمانوں کے مجموعہ ہائے کلام میں کہیں منقول نہیں ہے۔ نہ کہیں اخطل اس شعر سے معروف ہے۔ اس کے اشعار نقل کرنے والوں نے کہیں بھی یہ شعر نہیں لکھا۔

بڑی حیرت کی بات ہے کہ تم واضح اور صحیح احادیث کو یہ کہہ کر جھٹلا دیتے ہو کہ خبر واحد ہے اور اس من گھڑت منقول شعر کو قبول کر لیتے ہو۔ کیا یہ خبر واحد نہیں؟

دوسرا جواب: استویٰ بمعنیٰ استولیٰ عربی زبان میں نیا پیدا شدہ کلمہ ہے۔ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ اخطل کا یہ شعر ہے اور اس نے یہ معنیٰ لیا ہے تو اس کی کوئی حجت اور دلیل نہیں بنتی کیونکہ وہ خود مولد ہے یعنی خالص عرب نہیں ہے۔

تیسرا جواب: اخطل کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ایک تو وہ مولد ہے، دوسرا غلط عقائد کا مالک تھا کیونکہ مسلمان نہیں تھا بلکہ عیسائی تھا۔ اس لیے اس کی بات سے دھوکا نہ کھائیں۔۔۔۔ شیخ الاسلام اور ان کے شاگرد رشید ابن قیم رحمہما اللہ نے اس کے عیسائی ہونے کی تصریح کی ہے۔

چوتھا جواب: شعر کو اگر صحیح مان لیا جائے تو اس میں استواء اپنے ظاہری معنیٰ پر ہوگا یعنی بشر عراق پر مستوی ہوگیا، گویا اس پر بلند ہوگیا۔ استولیٰ والا معنیٰ نہیں لیا جائے گا۔ اور پورے شعر کا اصلی معنیٰ یہ ہوجائے گا کہ عراق کے تخت پر بلند ہوگیا یعنی اس پر بیٹھ اور بلند ہوگیا۔ تو یہاں استویٰ بلندی کے معنیٰ میں ہوگا۔ لہٰذا اس میں غلبہ کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

عمومی طور پر اس کے دو جواب اور بھی دیے جاسکتے ہیں:

(1) استیلاء (غلبہ) عام ہے اور استواء (بلندی) خاص ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے استویٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے صرف عرش کا تذکرہ کیا ہے جبکہ اس کا استیلاء تو عام ہے۔ وہ ہر چیز پر غالب ہے۔ آسمانوں، مخلوقات، انسان، حیوان، زمین، پہاڑ وغیرہ سب پر غالب ہے۔ تو اس کے استیلاء کو عرش سے مخصوص کرنا کیسے صحیح ہوگا؟ کیونکہ تم کہتے ہو کہ استویٰ علی العرش استولیٰ علی العرش کے معنیٰ میں ہے۔ کیا تمہارے نزدیک ہمارا یہ کہنا ٹھیک ہے کہ «استوى على الجبال» کہ رحمٰن پہاڑوں پر مستوی ہے؟ اللہ نے تو ایسا نہیں کہا۔

کیا یہ کہنا درست ہے کہ «الرحمن على الإنسان استوى؟» رحمٰن انسان پر مستوی ہے؟ یا «الرحمن على الأرض استوى؟» رحمٰن زمین پر مستوی ہے؟ قطعاً نہیں۔ اس کے ناجائز ہونے پر اجماع ہے حالانکہ اس کا ہر چیز پر غالب اور قابض ہونا سب مانتے ہیں۔ لہٰذا اگر استواء، استیلاء کے معنیٰ میں ہوتا تو عرش کے ساتھ مخصوص نہ ہوتا یعنی پھر عرش کی کوئی خصوصیت نہ ہوتی کہ اللہ عرش پر مستوی ہے کیونکہ اس کا غلبہ تو ہر چیز کو شامل ہے۔ لیکن استواء صرف عرش سے مخصوص ہے۔ عرش کو کیوں مخصوص کیا گیا؟ کیا اللہ ساری مخلوقات پر قابض اور غالب نہیں ہے؟ پھر قرآن مجید میں سات جگہوں پر عرش کو کیوں مخصوص کیا گیا ہے؟ اگر استویٰ، استولیٰ کے معنیٰ میں ہے تو عرش کو کیوں خاص کیا؟ کبھی یہ بھی کہہ دیتا کہ «ثم استوى على السماوات» کبھی «ثم استوى على الأرض» کبھی «ثم استوى على الإنسان» وغیرہ وغیرہ۔ لیکن عرش کو خاص نہ کرتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ استواء کا مطلب استیلاء نہیں ہے بلکہ یہ استیلاء سے بڑھ کر کوئی چیز ہے۔

(2) استیلاء اور قبضہ تو ممانعت اور رکاوٹ کے بعد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تو کوئی بھی جھگڑنے والا اور اس کے سامنے رکاوٹ کھڑی کرنے والا نہیں ہے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں علاقے پر قابض ہو گیا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ پہلے وہاں کوئی تھا جو اس سے جھگڑ رہا تھا، تو اب یہ اس پر غالب آ گیا ہے۔ مطلب یہ کہ جب کسی جگہ کے بارے میں دو مخالف بندے ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک دوسرے پر غالب آ جاتا ہے تو اس وقت کہتے ہیں فلاں بندہ فلاں جگہ پر قابض ہو گیا یعنی جھگڑے کے بعد۔ تو استیلاء جھگڑے کے بعد ہوتا ہے اور اللہ سے تو کوئی مقابلہ کرنے والا ہے ہی نہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ استویٰ کی یہ تفسیر عقل و نقل دونوں اعتبار سے غلط ہے۔

دوسری تاویل: عرش سے مراد بادشاہت ہے۔۔۔ اللہ کا کوئی خاص عرش نہیں ہے بلکہ عرش سے بادشاہت ہے۔

جواب: یہ بالکل غلط ہے۔ لغوی اعتبار سے عرش بادشاہ کے تخت کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عرش کی خاص صفات بیان فرمائی ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ عرش صرف بادشاہت کا نام نہیں ہے۔

عرش کی صفات کا تذکرہ: (1) پُر عظمت ہے: ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴾ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو عرش عظیم کا رب ہے۔ [النمل: 26] (2) کریم ہے: ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ﴾ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، عزت والے عرش کا رب ہے۔ [المؤمنون: 116] (3) اٹھائے جانے والی چیز ہے: ﴿وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ﴾ اور تیرے رب کا عرش اس دن آٹھ (فرشتے) اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ [الحاقۃ: 17] (4) گھرا ہوا ہے: ﴿وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ﴾ اور تو فرشتوں کو دیکھے گا عرش کے گرد گھیر اڈالے ہوئے ہیں۔ [الزمر: 75] (5) اس کی نسبت اپنی طرف کی ہے: ﴿رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ﴾ وہ بہت بلند درجوں والا، عرش کا مالک ہے۔ [غافر: 15] ۔۔۔ ان جیسی اور بہت سی آیات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ عرش بادشاہت کے علاوہ کوئی اور چیز ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے عرش کو تخت کے معنٰی میں خود ذکر کیا ہے۔ یعنی شاہی تخت کو عرش کہتے ہیں جیسے بلقیس کا عرش تھا۔ فرمایا: ﴿وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ﴾ اور اس کا ایک بڑا تخت ہے۔ [النمل: 23] پھر فرمایا: ﴿اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا﴾ تم میں سے کون اس کا تخت میرے پاس لے کر آئے گا۔ [النمل: 38] پھر فرمایا: ﴿قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا﴾ کہا اس کا تخت اس کے لیے بے پہچان

کر دو۔ [النمل : 41] پھر فرمایا: ﴿ اَهٰكَذَا عَرۡشُكِ ﴾ کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے ؟ [النمل : 42] معلوم ہوا کہ عرش شاہی تخت کو ہی کہتے ہیں۔

یاد رہے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ عرش حقیقت میں شاہی تخت کو ہی کہتے ہیں تو ہم ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ نے جو اپنے عرش کا تذکرہ کیا ہے، ہم اس عرش کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا جو لوگ حقیقی عرش کا انکار کرتے ہیں، وہ مذکورہ بالا آیات کے معانی کو باطل قرار دے دیتے ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ یہ تو مانتے ہیں کہ اللہ کا ایک عرش ہے جسے اٹھایا جاتا ہے لیکن یہ نہیں مانتے کہ اللہ عرش پر ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ عرش بادشاہت کے معنیٰ میں ہے، ان کا قول غلط ہے۔ اپنی اس بات سے وہ بہت سی قرآنی آیات، احادیث اور سلف سے تواتر سے منقول بات کو رد کر رہے ہیں۔ بحمد اللہ دونوں تاویلیں ہماری اس تقریر سے مردود ثابت ہو گئی ہیں۔ ایک استویٰ کو استولیٰ کے معنیٰ میں لینے والی اور دوسری عرش کو بادشاہت کے معنیٰ میں لینے والی۔

ہمارا اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ اپنے عرش پر بلند، یا ٹھہرا ہوا ہے لیکن اس کی کیفیت نہ ہم جانتے ہیں اور نہ بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کی کیفیت بہتر جانتے ہیں۔۔۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم استویٰ علی العرش کا معنیٰ ہی نہیں جانتے۔ نہیں، کلمات کا معنیٰ تو واضح ہے۔۔۔ لیکن اس کی کیفیت مجہول ہے۔۔۔ بعض لوگوں نے سورت طٰہٰ کی آیت کی بہت غلط تاویلیں کی ہیں۔ مثلاً: کچھ لوگوں نے یہ تاویل کی کہ اس آیت میں استویٰ کا تعلق اگلی آیت کے الفاظ سے ہے یعنی: ﴿ اسۡتَوٰى ۝۵ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ ﴾ مطلب یہ ہوا کہ آسمان میں جو کچھ ہے، سب اس کا مقرر کیا ہوا ہے۔ [طٰہٰ : 5-6]

جواب: (1) استویٰ کو آگے ملانا غلط ہے کیونکہ یہ آیت کے آخر میں ہے۔ اور یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ آیات کے آخر میں وقف ہوتا ہے۔

(2) آیت کا شروع والا حصہ ان کی تردید کرتا ہے کیونکہ اس میں ہے: ﴿ اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ ﴾ ”رحمٰن عرش پر ہے۔“ جبکہ یہ اس کے عرش پر ہونے کے منکر ہیں۔

(3) استواء اس معنیٰ میں آتا ہی نہیں جس معنیٰ میں یہ لے رہے ہیں یعنی اس نے مقرر کیا۔ یہ سورت الفرقان کی آیات دیکھیے، ان سے معنیٰ بالکل واضح ہو رہا ہے: ﴿ وَيَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنۡفَعُهُمۡ وَلَا يَضُرُّهُمۡ ؕ وَكَانَ الۡكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيۡرًا ۝۵۵ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا ۝۵۶ قُلۡ مَاۤ

اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَیۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اَنۡ یَّتَّخِذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیۡلًا ﴿57﴾ وَتَوَکَّلۡ عَلَی الۡحَیِّ الَّذِیۡ لَا یَمُوۡتُ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِهٖ ؕ وَکَفٰی بِهٖ بِذُنُوۡبِ عِبَادِهٖ خَبِیۡرَا ﴿58﴾ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَهُمَا فِیۡ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ۚ اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِیۡرًا ﴿59﴾﴾ اور وہ اللہ کے سوا اس چیز کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انھیں نفع دیتی ہے اور نہ انھیں نقصان پہنچاتی ہے اور کافر ہمیشہ اپنے رب کے خلاف مدد کرنے والا ہے۔ اور ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔ کہہ دے میں تم سے اس پر کسی مزدوری کا سوال نہیں کرتا مگر جو چاہے کہ اپنے رب کی طرف کوئی راستہ اختیار کرے۔ اور اس زندہ پر بھروسا کر جو نہیں مرے گا اور اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کر اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں کی پوری خبر رکھنے والا کافی ہے۔ وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر عرش پر بلند ہوا، بے حد رحم والا ہے، سو اس کے متعلق کسی پورے باخبر سے پوچھ۔ [الفرقان: 59-55]

آخری آیت سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ استواء آسمانوں کی تخلیق کے بعد ہے اور استیلاء اس سے پہلے ہے۔ اسی طرح سورت سجدہ کی آیت دیکھیے: ﴿اَللّٰهُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَهُمَا فِیۡ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ؕ مَا لَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیۡعٍ ؕ﴾ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی ہر چیز کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر بلند ہوا، اس کے سوا تمھارا نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی سفارش کرنے والا۔ [السجدة: 4]

یہ آیت بھی اس معنیٰ میں بالکل واضح ہے کہ استواء بعد میں ہے کیونکہ استویٰ کے لیے حرف «ثُمَّ» استعمال ہوا ہے جو تعقیب یعنی بعد میں آنے کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح سورت حدید کی آیت: 4 میں بھی ثم موجود ہے۔

ان آیات کے پیش نظر ہمارا تو یہی عقیدہ ہے کہ استواء کا معنیٰ بلندی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اللہ عرش کا محتاج ہے اور اس نے اسے اٹھایا ہوا ہے۔ بلکہ اللہ نے یہ ذکر کیا ہے کہ وہ عرش پر مستوی ہے تو ہم یہ نہیں کہتے کہ عرش نے اسے اٹھایا اور بلند کیا ہوا ہے یا آسمانوں نے اسے اٹھایا اور بلند کیا ہوا ہے، اللہ اس بات سے بہت بلند ہے، بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق اپنے بندوں کے اوپر عرش پر بلند ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ قریب، دعائیں قبول کرنے والا اور باخبر ہے۔ دلوں کے خفیہ راز اور پوشیدہ باتیں جانتا ہے۔ اس کا علو اور فوقیت اس

یہی وجہ ہے کہ جب اپنے زمانے میں مدینہ کے امام اور چار مشہور اماموں میں سے ایک، مالک بن انس رحمہ اللہ سے سوال ہوا، پوچھا گیا: اے ابو عبداللہ! قرآن میں ہے: ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝﴾

وہ بے حد مہربان عرش پر بلند ہوا۔ [طه: 5]

یہ عرش پر بلند ہونا کیسے ہے؟ تو انہوں نے اسے بہت بڑا معاملہ سمجھا اور ان کے پسینے چھوٹ گئے۔ یعنی اس عجیب ترین سوال کی وجہ سے وہ پسینہ پسینہ ہو گئے۔ پھر فرمایا: استواء معلوم ہے یعنی اس کا مطلب ہے: بلند ہونا اور چڑھنا۔ کیفیت نامعلوم ہے۔ اس پر ایمان ضروری ہے اور اس بارے میں سوال بدعت ہے۔ مجھے تو تم کوئی بدمعاش لگتے ہو۔ پھر انہوں نے اسے اپنی مجلس سے نکالنے کا حکم دیا۔[35] (الرد على الجهمية للدارمي، ص: 33، شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للالكائي، 398/2 الأسماء والصفات للبيهقي، ح: 867، التمهيد لابن عبد البر، ج: 7، ص: 151۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباري، ج:13، ص:407، ط:السلفیۃ میں اس کی سند کو عمدہ قرار دیا ہے۔)

اسی کے ہم معنیٰ بات سفیان ثوری، اوزاعی، امام احمد، امام شافعی، اسحاق بن راہویہ اور دیگر کئی ائمہ اسلام سے ثابت ہے۔[36]

کے قرب اور معیت کے خلاف نہیں ہے۔ اس کی وضاحت آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ (الجبرین:1 / 224-213)

(35) شیخ الاسلام ابن تیمیہ مجموع الفتاویٰ، ج:5، ص:365 میں امام مالک کا مذکورہ قول نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اسی طرح کا جواب امام مالک کے استاذ ربیعۃ سے بھی ثابت ہے۔ بلکہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا یہ قول مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح مروی ہے لیکن اس کی سند قابل اعتماد نہیں ہے۔ اسی طرح سارے ائمہ کا قول بھی امام مالک کے قول کی موافقت میں ہے کہ جیسے ہم اللہ تعالیٰ کی ذات کی کیفیت نہیں جانتے، ایسے ہی اس کے استواء کی کیفیت سے بھی ہم لاعلم ہیں۔

(36) شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ ج:3، ص:195 اور ج:6، ص:339 میں مذکورہ ائمہ کے اقوال نقل کیے ہیں۔ شیخ ابن باز نے اسی شرح میں ان ائمہ کی نسبت سے یہ قول آگے بھی ایک جگہ نقل کیا ہے۔

مسئلہ تو ایک ہی ہے کہ استواء معنیٰ کے اعتبار سے معلوم ہے کہ بلندی اور چڑھنے کو کہتے ہیں۔ کیفیت نامعلوم ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کیسے مستوی ہے؟ اس پر ایمان رکھنا ہمارے لیے ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں یہ بتایا ہے۔ کیفیت کے بارے میں سوال بدعت ہے جسے جہمیہ اور معتزلہ وغیرہ متکلمین (فلسفیوں) نے ایجاد کیا ہے۔

باقی صفات کے بارے میں بھی ایسے ہی کہا جائے گا کہ رحمت معلوم ہے، رضا معلوم ہے، غصہ معلوم ہے، قدرت معلوم ہے، ہاتھ معلوم ہے، پاؤں معلوم ہے، لیکن ان کی کیفیت نامعلوم ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ اس کی رحمت کیسی ہے؟ اس کا غصہ کیسا ہے؟ اس کا ہاتھ کیسا ہے؟ اس کا پاؤں کیسا ہے؟ اس کی آنکھ کیسی ہے؟ کیفیات ہم نہیں جانتے اور نہ ہم اس بحث میں پڑتے ہیں۔ ہم تو ان صفات کا اثبات کرتے ہیں اور جیسے آئی ہیں، ویسے ہی مانتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ وہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے، اس کے دو ہاتھ ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ﴾

بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ [المائدة: 64]

ایک اور جگہ پر ارشاد ہوتا ہے: ﴿مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾

تجھے کس چیز نے روکا کہ تو اسے سجدہ کرے جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا؟ [ص: 75]

اور ایک صحیح حدیث میں آتا ہے: «يَضَعُ رَبُّ الْعِزَّةِ فِيهَا قَدَمَهُ، فَيَنْزَوِي بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ وَتَقُولُ: قَطْ قَطْ»

رب العزت آگ میں اپنا قدم مبارک رکھے گا تو اس کا ایک حصہ دوسرے حصے میں گھس جائے گا اور وہ کہے گی: بس، بس! (متفق عليه) (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله: وتقول هل من مزيد؟، ح: 4849۔ وصحيح مسلم،

كتاب الجنة وصفة نعيمها، باب النار يدخلها الجبارون ---، ح: 2848۔ الفاظ مسلم کے ہیں۔)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ بالکل واضح کر دیا ہے کہ وہ اپنے نافرمان پر غصے ہوتا ہے اور اپنے فرمانبردار سے راضی ہوتا ہے۔ اپنے بندوں پر رحم کرتا ہے۔ یہ سب اللہ عزوجل کی صفات ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «**يَضْحَكُ اللهُ إِلَى رَجُلَيْنِ، يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ**»

(قیامت والے دن) اللہ تعالیٰ ایسے دو آدمیوں کی طرف دیکھ کر ہنس دیں گے کہ ان میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کیا تھا۔ (متفق عليه) (صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب الكافر يقتل المسلم--- الخ، ح: 2826۔ وصحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب بيان الرجلين يقتل أحدهما الآخر يدخلان الجنة، ح: 1890۔ الفاظ مسلم کے ہیں۔)

تو اللہ تعالیٰ کی ہنسی، رضامندی، غصہ، سماعت، بصارت اور دیگر تمام صفات ایسی ہیں جیسی اس کی شان کے لائق ہیں۔ اس کی مخلوق ان میں سے کسی میں بھی اس کے مشابہ نہیں ہے۔

اصول یہ ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿١١﴾﴾

اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ [الشوری: 11]

تو اہل سنت والجماعت صفات والی آیات اور احادیث کا بغیر کسی تشبیہ کے اثبات کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی مشابہت سے بغیر صفات کی نفی کیے پاک قرار دیتے ہیں۔ بدعتیوں کے برخلاف اہل سنت کا پاک قرار دینا اثبات سے جڑا ہوتا ہے۔ بدعتیوں کی دو قسمیں ہیں:

کچھ وہ ہیں جو صفات کا اثبات تو کرتے ہیں لیکن تشبیہ کے ساتھ۔ اور کچھ وہ ہیں جو صفات کی بالکل ہی نفی کر دیتے ہیں۔ اہل سنت ان دونوں سے بیزار ہیں۔ تشبیہ دینے والے ممثلہ بھی کافر ہیں اور نفی کرنے والے معطلہ بھی۔ اہل سنت وہ ہیں جو بغیر

تشبیہ کے اثبات کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا اس انداز میں اثبات کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔ ان کا یہ اثبات تشبیہ سے خالی ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی مشابہت سے پاک قرار دیتے ہیں اور اس انداز میں پاک قرار دیتے ہیں کہ ممثلہ اور جہمیہ، معتزلہ جیسے معطلہ کے برخلاف نفی نہیں کرتے۔

اس لیے ہر مؤمن کے لیے یہ مناسب بلکہ ضروری ہے کہ اسی مسلک کا پیروکار بنے اور اہل سنت کے مذہب پر استقامت اختیار کرے جو صحابہ کرام اور نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والے ہیں۔ جب آپ سے پوچھا جائے کہ اہل سنت کون ہیں؟ تو کہیے: وہ تو صحابہ کرام، نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والے تابعین، تبع تابعین اور ائمہ اربعہ (چار امام یعنی مالک، شافعی، احمد بن حنبل اور ابوحنیفہ رحمہم اللہ) وغیرہ ہیں۔ یہی اہل سنت والجماعت ہیں۔ جو ان کے مخالفین ہیں، وہ اہل سنت نہیں ہیں۔ جو صفات کا اثبات کرے اور تشبیہ دے یا نفی کرے تو وہ بدعتی ہے اور اہل سنت اس سے بیزار ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کے اپنی مخلوق سے بلند ہونے اور اپنی علمی معیت کے ذریعے ان کے ساتھ ہونے کا بیان:

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ﴾ [آل عمران: 55] وَقَوْلُهُ: ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ [النساء: 158] وَقَوْلُهُ: ﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ﴾ [فاطر: 10] وَقَوْلُهُ: ﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۙ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۭ﴾ [غافر: 36 - 37] وَقَوْلُهُ: ﴿ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاۗءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ۙ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَاۗءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۭ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ﴾ [الملك: 16 - 17]

وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَي الْعَرْشِ ۭ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ [الحديد: 4]

وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ [المجادلة: 7] وَقَوْلُهُ: ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ﴾ [التوبة: 40] وَقَوْلُهُ تَعَالَى:

﴿إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَىٰ﴾ [طه: 46] وَقَوْلُهُ: ﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ﴾ [النحل: 128]

وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ [الأنفال: 46] وَقَوْلُهُ: ﴿كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ [البقرة: 249]

ترجمہ:

فرمان الٰہی ہے: ﴿يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ﴾

اے عیسیٰ! بے شک میں تجھے قبض کرنے والا ہوں اور تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔ [آل عمران: 55]

فرمان الٰہی ہے: ﴿بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾

بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ ہمیشہ سے ہر چیز پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔ [النساء: 158]

فرمان الٰہی ہے: ﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ۚ﴾

اسی کی طرف ہر پاکیزہ بات چڑھتی ہے اور نیک عمل اسے بلند کرتا ہے۔ [فاطر: 10]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا هَامَانُ ابْنِ لِي صَرْحًا لَّعَلِّي أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ ۝ أَسْبَابَ السَّمَاوَاتِ فَأَطَّلِعَ إِلَىٰ إِلَٰهِ مُوسَىٰ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ كَاذِبًا ۚ﴾

اور فرعون نے کہا: اے ہامان! میرے لیے ایک بلند عمارت بنا، تاکہ میں راستوں پر پہنچ جاؤں۔ آسمانوں کے راستوں پر، پس موسیٰ کے معبود کی طرف جھانکوں اور بے شک میں اسے یقینا جھوٹا گمان کرتا ہوں۔[غافر: 36 - 37]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ءَ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ۝ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۭ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ۝﴾

کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان میں ہے کہ وہ تمھیں زمین میں دھنسادے، تو اچانک وہ حرکت کرنے لگے؟ یا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان میں ہے کہ وہ تم پر پتھراؤ والی آندھی بھیج دے، پھر عنقریب تم جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے؟ [الملك: 16 - 17]

فرمان الٰہی ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝﴾

وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر بلند ہوا، جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو اس سے نکلتی ہے اور جو آسمان سے اترتی ہے اور جو اس میں چڑھتی ہے وہ اسے جانتا ہے اور وہ تمھارے ساتھ ہے، جہاں بھی تم ہو اور جو تم کرتے ہو، اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے۔ [الحدید: 4]

فرمان الٰہی ہے: ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝﴾

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے بے شک اللہ اسے جانتا ہے۔ کوئی تین آدمیوں کی کوئی سرگوشی نہیں ہوتی مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ کوئی پانچ آدمیوں کی مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم ہوتے ہیں اور نہ زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، جہاں بھی ہوں، پھر جو کچھ انہوں نے کیا وہ انھیں قیامت کے دن بتائے گا۔ یقیناً اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ [المجادلة: 7]

فرمان الٰہی ہے: ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ﴾

(نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کہا:) غم نہ کرو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔
[التوبة: 40]

فرمان الٰہی ہے: ﴿اِنَّنِیْ مَعَكُمَاۤ اَسْمَعُ وَاَرٰی ۝46﴾

بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، میں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔
[طه: 46]

فرمان الٰہی ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝128﴾

بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو ڈر گئے اور ان لوگوں کے جو نیکی کرنے والے ہیں۔ [النحل: 128]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝46﴾

اور صبر کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ [الأنفال: 46]

فرمان الٰہی ہے: ﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِیْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝249﴾

انہوں نے کہا کتنی ہی تھوڑی جماعتیں زیادہ جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آ گئیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔[البقرۃ: 249] (37)

---

(37) یاد رہے کہ بعض علماء جن کی بہت سی خدمات ہیں اور وہ بڑے جلیل القدر ہیں، لیکن عقائد کے معاملے میں انہوں نے ٹھوکر کھائی ہے اور صفات کے مسئلے میں تاویل کا شکار ہوئے ہیں۔ ان میں سے چند ایک کا تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ آپ خبردار رہیں:

- امام نووی جو کہ حدیث کی مشہور کتاب ریاض الصالحین کے مؤلف ہیں اور صحیح مسلم کے شارح ہیں، انہوں نے اپنی کتاب ریاض الصالحین میں کئی مقامات پر تاویل کی راہ اختیار کی ہے۔ مثلاً: وہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان: «ما أذن الله لأحد» اللہ نے کسی ایک کے لیے کان نہیں لگایا۔ (بخاری: 7482، مسلم: 792) کے بارے میں کہتے ہیں یعنی ''اللہ راضی نہیں ہوا'' انہوں نے کان یعنی سماعت کی وضاحت رضامندی اور قبولیت سے کی ہے۔ اسی طرح اور بھی بہت سی احادیث ہیں ریاض الصالحین اور ان کی دیگر کتب میں، جن میں وہ تاویل کرتے ہیں۔ مثلاً: حدیث نزول (بخاری: 7494، مسلم: 758) یعنی اللہ تعالیٰ کا ہر رات کو آسمان دنیا پر نازل ہونا، اس کی انہوں نے مسلم کی شرح میں تاویل کی ہے۔ اسی طرح لونڈی والی حدیث (مسلم: 537) یعنی اللہ کے بارے جب آپ ﷺ نے پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ تو لونڈی نے جواب دیا: آسمان میں۔ اس کی بھی انہوں نے تاویل کی ہے۔ اسی طرح اور بھی ہیں۔
- ان علماء میں ایک فتح الباری کے مؤلف حافظ ابن حجر بھی ہیں جو صحیح بخاری کی شرح میں صفات والی احادیث کی شرح کرتے ہوئے بہت سے مقامات پر تاویل کرتے ہیں۔ جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ اہل سنت کے ایک فرد تھے جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب کے آغاز واختتام میں اس کی خوب وضاحت کی ہے، لیکن حافظ صاحب احادیثِ صفات کی بہت عجیب وغریب تاویلیں کرتے نظر آتے ہیں۔ مثلاً: کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے حق میں محال ہے، یہ اللہ کے لائق نہیں ہے۔ ہمارے استاذ علامہ ابن باز رحمہ اللہ نے فتح الباری کے شروع والے حصے میں کئی مقامات پر ان کی تاویلات سے خبردار کیا ہے۔
- ایک ابن عساکر بھی ہیں جن کی تاریخ کبیر اور تاریخ دمشق وغیرہ جیسی کتب ہیں۔

تشریح:

شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے یہ جو آیات ذکر کی ہیں، ان میں شروع والی آیات مسئلہ عُلُوّ (بلندی) سے تعلق رکھتی ہیں اور آخری آیات مسئلہ معیت (ساتھ) سے۔ اللہ عزوجل نے اپنے لیے عرش کے اوپر علو ثابت کیا ہے، اور یہ کہ وہ آسمان پر ہے، اور یہ کہ ہاتھ اوپر کی طرف کر کے اس سے دعا کی جاتی ہے، اہل سنت کا اس پر اجماع ہے۔ اہل سنت کے علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ بلندی میں ہے اور یہ کہ وہ عرش سے اوپر ہے۔ وہ عرش پر اس طرح مُستَوِی (بلند) ہے جیسے اس کی شان اور عظمت کے لائق ہے۔ جیسا کہ اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے: ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝5﴾

وہ بے حد مہربان عرش پر بلند ہوا۔ [طه: 5]

مزید فرمایا: ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ قف﴾

- حنبلیوں میں سے ابو الوفاء ابن عقیل اور ابو الفرج ابن جوزی جیسے علماء بھی اس راہ پر چلے ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اہل کلام کی کتب کا مطالعہ کیا تو وہاں سے کچھ باتیں ان کے ذہن میں چپک گئیں۔ یہ بات جھٹلائی نہیں جا سکتی کہ انہوں نے خدمتِ اسلام میں بہت کوششیں کی ہیں اور بدعتیوں اور خواہش پرست لوگوں کی تردید میں کئی کتابیں لکھی ہیں۔
- شافعیوں میں تفسیر کبیر وغیرہ کے مؤلف فخر الدین رازی بھی اسی راہ پر چلے ہیں۔

خلاصہ کے طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ساتویں صدی ہجری کے اختتام اور آٹھویں صدی ہجری کے آغاز میں بہت سے جلیل القدر علماء اشاعرہ سے متاثر تھے۔ إلا ما شاء الله۔ (الجبرين: 1/238-239)

بے شک تمہارا رب اللہ ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر بلند ہوا۔ [الأعراف : 54]

یہ بات سات آیات میں ہے۔ سب میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنا بلند ہونا اور عرش پر مستوی ہونا ثابت کیا ہے۔ اس کا یہ استواء اس کی شان کے لائق ہے۔ وہ اپنی کسی بھی صفت میں مخلوق کے مشابہ نہیں ہے۔ اس کا عرش پر مستوی ہونا اس کے علو کی دلیل ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ﴾

اے عیسیٰ! بے شک میں تجھے قبض کرنے والا ہوں اور تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔ [آل عمران : 55]

فرمان الٰہی ہے: ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ١٥٨﴾

بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ ہمیشہ سے ہر چیز پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔ [النساء : 158]

یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ﴾

اسی کی طرف ہر پاکیزہ بات چڑھتی ہے اور نیک عمل اسے بلند کرتا ہے۔ [فاطر : 10]

تو ﴿يَصْعَدُ﴾ اور ﴿يَرْفَعُ﴾ بلندی پر دلالت کرتے ہیں۔ لہٰذا اعمال اس کی طرف بلند ہوتے ہیں اور پاکیزہ کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں۔

فرشتے اس کی طرف چڑھتے ہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿تَعْرُجُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ﴾

فرشتے اور روح اس کی طرف چڑھتے ہیں، (وہ عذاب) ایک ایسے دن میں (ہوگا) جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔[المعارج: 4]

ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی طرف چڑھایا گیا تھا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتوں آسمان پار کر لیے اور اپنے رب عزوجل کی بات سنی۔[38] اہل سنت والجماعت کے نزدیک یہ سب حق ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا اثبات ضروری ہے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ءَ اَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِکُمُ الۡاَرۡضَ فَاِذَا ہِیَ تَمُوۡرُ ﴿16﴾ اَمۡ اَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یُّرۡسِلَ عَلَیۡکُمۡ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعۡلَمُوۡنَ کَیۡفَ نَذِیۡرِ ﴿17﴾﴾

کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان میں ہے کہ وہ تمھیں زمین میں دھنسا دے، تو اچانک وہ حرکت کرنے لگے؟ یا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان میں ہے کہ وہ تم پر پتھراؤ والی آندھی بھیج دے، پھر عنقریب تم جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے؟ [الملك: 16 - 17]

«في السماء» کا معنیٰ ہے: بلندی میں۔ یعنی «السماء» سے مراد بلندی ہے۔ اور اللہ بلندی میں ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ «السماء» سے مراد آسمان ہی ہے لیکن «في» «على» کے معنیٰ میں ہے یعنی «في السماء» کا مطلب ہے: «على السماوات» آسمانوں پر ہے۔ اگر «السماء» سے بلندی مراد لی جائے تو آیت کا معنیٰ بالکل واضح ہے، یعنی اللہ بلندی میں ہے۔ اور اگر «السماء» سے مراد آسمان ہی ہو تو معنیٰ یہ ہوگا کہ آسمان پر، کیونکہ «في» «على» کے معنیٰ میں آتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کی بات نقل کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَّلَاُوصَلِّبَنَّکُمۡ فِیۡ جُذُوۡعِ النَّخۡلِ ۫﴾

---

(38) تفصیل کے لیے ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب مدارج السالکین، ج:2، ص:383 دیکھیں۔

اور ضرور ہر صورت تمہیں کھجور کے تنوں پر بری طرح سولی دوں گا۔
[طه : 71]

«في جذوع النخل» کھجور کے تنوں میں کی بجائے معنیٰ ہے: کھجور کے تنوں پر۔

اسی طرح فرمان الٰہی ہے: ﴿فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ﴾

تو اس سرزمین میں چلو پھرو۔ [التوبة : 2]

اس آیت میں بھی لفظ «في الأرض» ہے یعنی زمین میں لیکن مطلب یہ ہے کہ زمین پر۔

تو «في السماء» کا مطلب ہو گا کہ وہ بلندی پر، اس سے اوپر اور ہر چیز سے بلند ہے۔ اہل سنت والجماعت اسی بات کے قائل ہیں کہ اللہ بلندی میں ہے اور یہ کہ وہ اپنے عرش کے اوپر ہے۔ اس بارے میں خوارج، معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ بدعتی فرقے ان کے مخالف ہیں۔ اللہ عزوجل نے خود اپنے لیے علو اور عرش کے اوپر ہونے کو ثابت کیا ہے اور بدعتی کہتے ہیں کہ وہ ہر جگہ ہے۔ یہ باطل جہالت، کفر اور گمراہی ہے۔ ہم اللہ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ صحابہ کرام اور ان کے پیروکار اہل سنت والجماعت کا یہ موقف ہے کہ اللہ نے خود اپنی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ عرش کے اوپر ہے اور اس پر مستوی ہے یعنی اس پر ایسے بلند ہے جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔ مخلوق اس کی کسی بھی صفت میں اس کے مشابہ نہیں ہے۔

اپنے زمانے میں مدینہ کے امام اور ائمہ اربعہ میں سے ایک، امام مالک بن انس رحمہ اللہ سے جب اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: استواء معلوم ہے اور کیفیت نامعلوم ہے۔ اس پر ایمان رکھنا ضروری ہے اور اس بارے میں سوال کرنا

بدعت ہے۔ اسی طرح کا سوال ان کے استاذ ربیعہ بن ابو عبد الرحمن[39] اور ام سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔(شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة للالكائي، ج: 3، ص: 397، عقيدة السلف أصحاب الحديث للصابوني، ص: 179، العلو للذهبي، ص: 65)

امام اوزاعی، ثوری، اسحاق بن راہویہ اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہ سلف کے اماموں نے اسی طرح کی بات کی ہے۔

لہٰذا استواء معلوم ہے کیونکہ اس کا معنیٰ ہے: بلند ہونا اور چڑھنا۔ اس کی کیفیت نامعلوم ہے۔ اپنی صفات کی کیفیات صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی جانتا ہے۔ تو وہ اپنے عرش پر مستوی ہے، کیفیت معلوم نہیں۔ وہ آسمان دنیا پر اترتا ہے، کیفیت نامعلوم ہے۔ وہ غصے ہوتا ہے، راضی ہوتا ہے اور ہنستا ہے کیفیت کا علم نہیں۔ وہ روزِ قیامت آئے گا لیکن کیفیت نامعلوم ہے۔ اہل سنت کا یہی ایمان ہے۔ اپنی صفات کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ تو یہ اس کی صفات حق اور ثابت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان ان کا اثبات ضروری ہے۔ وہ اپنی کسی بھی صفت میں اپنی مخلوق کے مشابہ نہیں ہے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿11﴾﴾

اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔[الشوری: 11]

مزید فرمان الٰہی ہے:﴿فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ ۚ﴾

پس اللہ کے لیے مثالیں بیان نہ کرو۔[النحل: 74]

---

(39) ان سے جو الفاظ منقول ہیں، وہ یہ ہیں کہ استواء معلوم ہے، کیفیت عقل سے ماوراء ہے۔ اللہ نے پیغام بھیجا، رسول نے واضح طور پر پہنچا دیا، اب ہمارا کام تصدیق کرنا ہے۔(شرح أصول اعتقاد أهل السنة للالكائي، ج: 2، ص: 398، الأسماء والصفات للبيهقي، ج: 2، ص: 151 العلو للذهبي، ص: 132۔ علامہ البانی نے مختصر العلو، ص:132 میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

ایسے نہ کہو کہ وہ اِس جیسا ہے، اُس جیسا ہے۔

مزید فرمان الٰہی ہے: ﴿هَلۡ تَعۡلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴾

کیا آپ اس کا کوئی ہم نام جانتے ہیں؟ [مریم: 65]

یعنی اس کا کوئی ہمنام نہیں ہے، کوئی اس کے مشابہ نہیں ہے، کوئی اس جیسا نہیں ہے۔ اہل حق اسی بات کے قائل ہیں کہ وہ بلندی میں ہے، وہ عرش کے اوپر ہے اور اس پر ایسے مستوی ہے جیسے اس کی شان اور عظمت کے لائق ہے۔ مخلوق کے استواء، نزول، ہنسی، غصے اور دیگر صفات میں وہ ان کے مشابہ نہیں ہے۔

آخری آیات ساری کی ساری عام اور خاص معیت کے بارے میں ہیں۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿هُوَ الَّذِيۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِيۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ ؕ يَعۡلَمُ مَا يَلِجُ فِى الۡاَرۡضِ وَمَا يَخۡرُجُ مِنۡهَا وَمَا يَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعۡرُجُ فِيۡهَا ؕ وَهُوَ مَعَكُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴾

وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر بلند ہوا، جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو اس سے نکلتی ہے اور جو آسمان سے اترتی ہے اور جو اس میں چڑھتی ہے، وہ جانتا ہے اور تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے، اور جو تم کرتے ہو، اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے۔ [الحدید: 4]

آسمان وزمین میں جو کچھ ہے، وہ ہر ایک چیز کو جانتا ہے۔ ماضی ہو یا مستقبل، اسے ہر چیز کا علم ہے۔ بندے جہاں بھی ہوتے ہیں، وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے یعنی اپنے

علم[40] کے ذریعہ۔ وہ اپنے عرش کے اوپر ہے لیکن ان کے ساتھ اپنے اس علم کے ذریعے ہوتا ہے جو ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، جس سے کوئی مخفی چیز بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿12﴾﴾

تاکہ تم جان لو کہ بے شک اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھنے والا ہے اور یہ کہ بے شک اللہ نے یقیناً ہر چیز کو علم سے گھیر رکھا ہے۔ [الطلاق : 12]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿75﴾﴾

بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔[الأنفال : 75]

مزید فرمان الٰہی ہے: ﴿مَا یَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَیْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿7﴾﴾

کوئی تین آدمیوں کی کوئی سرگوشی نہیں ہوتی مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ کوئی پانچ آدمیوں کی مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم ہوتے ہیں اور نہ زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، جہاں بھی ہوں، پھر وہ انھیں قیامت کے دن بتائے گا جو کچھ انہوں نے کیا۔ یقیناً اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ [المجادلة : 7]

---

(40) اللہ تعالیٰ کا ساتھ ہونا حقیقی معنوں میں ہے جیسا کہ پہلے تفصیلاً ذکر ہو چکا ہے۔ شارح رحمہ اللہ نے یہاں "علم کے ذریعہ" کہہ کر وصف معیت میں تاویل کی ہے۔ جب کہ ہمارے نزدیک شیخ عثیمین رحمہ اللہ کا بیان کردہ موقف درست ہے (طاہر)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کا آغاز واختتام علم سے کیا ہے تاکہ پڑھنے اور سننے والا جان لے کہ یہاں ساتھ ہونے سے مراد علم کے ذریعے ساتھ ہونا ہے (41)۔ اللہ عزوجل اپنے عرش کے اوپر ہے اور اس سے کوئی مخفی چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

خاص معیت بھی اسی طرح ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ﴾

غم نہ کرو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔[التوبة : 40]

یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہی تھی جب وہ دونوں غار ثور میں تھے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿46﴾﴾

بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، میں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔ [طه : 46]

یہ بات اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے کہی تھی۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿46﴾ۚ﴾

اور صبر کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔[الأنفال : 46]

---

(41) دو صفات کے ایک ہی آیت میں اکٹھا آجانے سے اگر یہ مراد لینا شروع کر دیا جائے کہ ایک دوسرے وصف سے پہلا وصف ہی مراد ہے تو اللہ تعالی کی بہت سی صفات کا انکار لازم آتا ہے۔ اس آیت میں بھی اللہ نے اپنی دو صفات علم اور معیت ذکر فرمائی ہیں۔ نہ تو معیت سے علم مراد ہے اور نہ ہی علم سے معیت مراد ہے۔ بلکہ علم سے علم اور معیت سے معیت ہی مراد ہے۔ اور دونوں اوصاف حقیقی معنوں میں ہی ہیں۔ اسی طرح دیگر آیت میں جہاں بھی معیت کے ساتھ دیگر اوصاف بیان ہوئے ہیں ان میں بھی جیسے دیگر اوصاف اپنے حقیقی معنوں میں ہیں اسی طرح معیت بھی حقیقی معنوں میں ہی مراد ہے۔ یعنی اللہ کا ساتھ ہونا ویسے ہی ہے جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔ ہم وصف معیت کی علم یا نصرت یا تائید کے ساتھ تاویل نہیں کرتے۔ (طاہر)

فرمان الٰہی ہے: ﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (249)﴾

انہوں نے کہا کتنی ہی تھوڑی جماعتیں زیادہ جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آ گئیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ [البقرة: 249]

ان سبھی آیات میں خاص معیت کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ کے اولیاء، فرمانبرداروں اور انبیاء کرام علیہم السلام کو حاصل ہوتی ہے۔ یہ معیت علم، احاطہ، مدد اور تائید کے ذریعے ہوتی ہے۔

معیتِ عامہ علم اور ہر چیز کے احاطے پر مشتمل ہے۔ اور یہ کہ اس سے کوئی مخفی چیز پوشیدہ نہیں رہتی اور وہی ان کا نگران اور انتظام چلانے والا ہے۔

معیتِ خاصہ میں علم کے ساتھ کچھ اور بھی ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا اپنے اولیاء کی حفاظت، مدد اور حمایت کرنا۔ (42) جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ان کے ساتھی سے کہا، جب وہ دونوں غار میں تھے کہ: ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ﴾

غم نہ کرو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ [التوبة: 40]

موسیٰ اور ہارون علیہما السلام جب فرعون کے سامنے جارہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے کہا:

---

(42) شارح رحمہ اللہ نے معیت کو عامہ اور خاصہ میں تقسیم فرما کر اللہ کے وصف معیت کی تاویل علم، احاطہ، مدد، تائید اور حفاظت وحمایت سے کی ہے جسکا لازمی نتیجہ وصف معیت کا انکار ہے۔ کیونکہ جب بھی کسی بھی وصف میں تاویل کی جائے تو اسکا انکار لازم آتا ہے۔ جیسے علم رکھنا، احاطہ کرنا، مدد کرنا، حفاظت کرنا، حمایت کرنا اللہ تعالیٰ کے اوصاف ہیں اسی طرح معیت (ساتھ ہونا) بھی اللہ کا مستقل وصف ہے اور یہ علم، احاطہ، مدد، تائید، حفاظت، حمایت وغیرہ سے الگ چیز ہے۔ (طاہر)

﴿اِنَّنِیۡ مَعَکُمَاۤ اَسۡمَعُ وَاَرٰی ﴿46﴾﴾

بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، میں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔ [طه : 46]

تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرعون کے شر سے محفوظ رکھا۔

اسی طرح اس کے سارے بندے ہیں۔ وہ سب کے ساتھ اپنے علم کے ذریعے ہے۔اس سے کوئی مخفی چیز پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ وہ بندوں کے رازوں اور سرگوشیوں کو جانتا ہے۔ وہ خود عرش کے اوپر ہے اور اس کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ وہ ٹھوس چٹان پر اندھیری رات میں سیاہ چیونٹی کے قدموں کی چاپ سنتا بھی ہے اور دیکھتا بھی ہے۔ دریاؤں اور سمندروں کا پانی کیسے چلتا ہے اور ان میں کیا کچھ ہے، جو کچھ پوری زمین میں ہے اور جو کچھ دل چھپاتے ہیں، وہ سب کچھ جانتا ہے، کچھ بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا تَکُوۡنُ فِیۡ شَاۡنٍ وَّمَا تَتۡلُوۡا مِنۡہُ مِنۡ قُرۡاٰنٍ وَّلَا تَعۡمَلُوۡنَ مِنۡ عَمَلٍ اِلَّا کُنَّا عَلَیۡکُمۡ شُہُوۡدًا اِذۡ تُفِیۡضُوۡنَ فِیۡہِ ؕ﴾

(اے نبی!) تم جس حال میں بھی ہوتے ہو، اور قرآن میں سے جو کچھ بھی سناتے ہو اور (اے لوگو!) جو کام بھی تم کر رہے ہوتے ہو، ہم ہر وقت تم پر گواہ ہوتے ہیں جبکہ تم اس میں مشغول ہوتے ہو۔ [یونس : 61]

یعنی جب تم وہ کام شروع کرتے ہو۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ ﴿17﴾﴾

بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔ [الحج : 17]

فرمان الٰہی ہے: ﴿لِتَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۬ۙ وَّاَنَّ اللّٰہَ قَدۡ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عِلۡمًا ﴿12﴾﴾

تاکہ تم جان لو کہ بے شک اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھنے والا ہے اور یہ کہ بے شک اللہ نے یقیناً ہر چیز کو علم سے گھیر رکھا ہے۔ [الطلاق : 12]

فرمان باری تعالیٰ ہے:﴿ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴾

بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔[الأنفال : 75]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ﴾

جو بھی مادہ حاملہ ہوتی یا بچہ جنتی ہے تو اللہ کو اس کا علم ہوتا ہے۔[فاطر : 11]

لہٰذا اس کا جامع علم ساری مخلوق کو گھیرے ہوئے ہے۔ اور اس کا علمِ خاص اس کے اولیاء کے ساتھ ہے۔ وہ اپنے خاص بندوں کے حالات جانتا ہے اور امتوں کے احوال بھی جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ آخری وقت میں کیا ہوگا۔ قیامت میں جو ہوگا، اور جو گزشتہ زمانوں میں ہو چکا ہے، سب کچھ وہ جانتا ہے۔ کچھ بھی اس سے مخفی نہیں ہے۔ بلکہ وہ اسے جانتا ہے اور اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس لیے اس صفت کا اللہ تعالیٰ کے لیے اثبات ضروری ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اسے اس کی ہر صفت میں مخلوق کی مشابہت سے پاک اور صاف قرار دینا ضروری ہے۔ اہل حق اہل سنت والجماعت اسی کے قائل ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام اور بات سے متعلقہ چند آیات کا تذکرہ:

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا﴾ [النساء: 87]

وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾ [النساء: 122] وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ﴾ [المائدة: 110] وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ [الأنعام: 115] وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾ [النساء: 164] وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَلَمَّا جَاۗءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ﴾ [الأعراف: 143]

وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا﴾ [مريم: 52] وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴾ [الشعراء: 10] وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ﴾ [الأعراف: 22] وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ [القصص: 65] وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰي يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۭ﴾ [التوبة: 6] وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ [البقرة: 75] وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ﴾ [الفتح: 15] وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ڝ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۫﴾ [الكهف: 27]

وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿76﴾﴾ [النمل: 76] وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ﴾ [الأنعام: 155] وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿لَوْ أَنزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ﴾ [الحشر: 21]

وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ ۙ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنتَ مُفْتَرٍ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿101﴾ قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿102﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ ۗ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ ﴿103﴾﴾ [النحل: 101 - 103]

وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿22﴾ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿23﴾﴾ [القيامة: 22 - 23] وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ ﴿23﴾﴾ [المطففين: 23] وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ﴾ [يونس: 26]

وَقَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿لَهُم مَّا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ﴿35﴾﴾ [ق: 35] وَهَذَا الْبَابُ فِي كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى كَثِيرٌ. مَنْ تَدَبَّرَ الْقُرْآنَ طَالِبًا لِلْهُدَى مِنْهُ؛ تَبَيَّنَ لَهُ طَرِيقُ الْحَقِّ۔

ترجمہ:

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ﴿87﴾﴾

اور اللہ سے زیادہ بات میں سچا کون ہے؟ [النساء: 87]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ﴿122﴾﴾

اور اللہ سے زیادہ بات میں سچا کون ہے؟ [النساء: 122]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ﴾

جب اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: "اے عیسیٰ ابن مریم!" [المائدة: 110]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝115﴾

اور آپ کے رب کی بات سچ اور انصاف کے اعتبار سے پوری ہو گئی، اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ [الأنعام: 115]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۝164﴾

اور اللہ نے موسیٰ سے خود کلام کیا۔ [النساء: 164]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَمَّا جَاۗءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ﴾

اور جب موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر آیا اور اس کے رب نے اس سے کلام کیا۔ [الأعراف: 143]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ۝52﴾

اور ہم نے اسے پہاڑ کی دائیں جانب سے آواز دی اور سرگوشی کرتے ہوئے اسے قریب کرلیا۔ [مریم: 52]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝10ۙ﴾

اور جب آپ کے رب نے موسیٰ کو آواز دی کہ ان ظالم لوگوں کے پاس جاؤ۔ [الشعراء: 10]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ﴾

اور ان دونوں کو ان کے رب نے آواز دی کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا؟ [الأعراف: 22]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَآ أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴿65﴾﴾

اور جس دن وہ انہیں آواز دے گا، پس پوچھے گا: تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا؟ [القصص: 65]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۚ﴾

اور اگر مشرکوں میں سے کوئی آپ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو، یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے، پھر اسے اس کی امن کی جگہ پر پہنچا دو۔ [التوبة: 6]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِن بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿75﴾﴾

حالانکہ یقیناً ان میں سے کچھ لوگ ہمیشہ سے ایسے چلے آئے ہیں جو اللہ کا کلام سنتے ہیں، پھر اسے سمجھ لینے کے بعد بدل ڈالتے ہیں، اور وہ جانتے ہیں۔ [البقرة: 75]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُل لَّن تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِن قَبْلُ ۖ﴾

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو بدل دیں۔ کہہ دیجیے: تم ہمارے ساتھ کبھی نہیں جاؤ گے، اسی طرح اللہ نے پہلے سے کہہ دیا ہے۔ [الفتح: 15]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِن كِتَابِ رَبِّكَ ۖ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ﴾

اور جو آپ کی طرف آپ کے رب کی کتاب میں سے وحی کیا گیا ہے اس کی تلاوت کیجیے، اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ [الكهف: 27]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿76﴾﴾

بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے اکثر وہ باتیں بیان کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ [النمل: 76]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ﴾

اور یہ ایک کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے، بڑی برکت والی ہے۔[الأنعام: 155]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ﴾

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو یقیناً آپ اسے اللہ کے ڈر سے پست ہونے والا، ٹکڑے ٹکڑے ہونے والا دیکھتے۔ [الحشر: 21]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿101﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿102﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿103﴾﴾

اور جب ہم کوئی آیت کسی دوسری آیت کی جگہ بدل کر لاتے ہیں اور اللہ زیادہ جاننے والا ہے جو وہ نازل کرتا ہے، تو وہ کہتے ہیں: تُو تو گھڑ کر لانے والا ہے، بلکہ ان کے اکثر نہیں جانتے۔ کہہ دیجیے: اسے روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کرکے نازل کیا ہے، تاکہ ان لوگوں کو ثابت قدم رکھے جو ایمان لائے اور فرماں برداروں کے لیے ہدایت اور خوش خبری ہو۔ اور بلاشبہ ہم جانتے ہیں کہ یقیناً وہ کہتے ہیں اسے تو ایک آدمی ہی سکھاتا ہے، اس شخص کی زبان، جس کی طرف وہ غلط نسبت کر رہے ہیں، غیر فصیح ہے اور یہ فصیح عربی زبان ہے۔
[النحل: 101 - 103]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿22﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿23﴾﴾

اس دن کئی چہرے تروتازہ ہوں گے۔ اپنے رب کی طرف دیکھنے والے۔

[القیامة: 22 - 23] (43)

---

(43) یہ آیت اگرچہ اپنا معنیٰ بیان کرنے میں بالکل واضح ہے لیکن معتزلہ نے اس کی بھی تاویلیں کی ہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ: ﴿اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿23﴾﴾ کا مطلب ہے کہ اپنے رب کے ثواب اور عطیات کو دیکھ رہے ہوں گے۔ حالانکہ یہ معنیٰ خلافِ اصل ہے۔ اصول تو یہ ہے کہ کوئی لفظ بھی پوشیدہ نہ مانا جائے بلکہ جو الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے، وہی معنیٰ لیا جائے۔ اسی طرح انہوں نے اس آیت میں تاویل کی ہے کہ ﴿وَجاء ربك﴾ کا مطلب ہے: رب نہیں، بلکہ اس کا حکم آئے گا۔ اسی طرح اس آیت: ﴿أأمنتم من فی السماء﴾ میں تاویل کی ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ آسمان میں اللہ نہیں، بلکہ اس کا حکم ہے۔ یہی کام انہوں نے اس آیت یعنی ﴿اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿23﴾﴾ میں کیا ہے کہ کہتے ہیں: رب کو نہیں بلکہ اس کے ثواب یا جنت یا آسائشات کو دیکھیں گے۔ حالانکہ یہ پوشیدہ الفاظ نکال کر کلام کا معنیٰ بدلنا خلافِ قاعدہ ہے۔

کچھ اور لوگوں نے یہ تاویل کی کہ اس آیت میں حرف جر «إلی» حرف نہیں، بلکہ اسم ہے۔ یہ «الآلاء» بمعنیٰ نعمت کا واحد ہے۔ کہتے ہیں کہ «إلی ربها» کا مطلب ہو گا: رب کی نعمتیں دیکھ رہے ہوں گے۔ یہ تاویل بھی قرآن کے مفہوم سے بہت دور ہے۔ کیونکہ قرآن تو اس مفہوم کو بالکل واضح بیان کر رہا ہے کہ رب کی طرف دیکھنا مراد ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ «إلی» کہیں بھی «الآلاء» کے واحد کے طور پر نہیں آیا، کیونکہ یہ تو بہت مبہم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی ذکر کیا ہے، جمع کا لفظ ہی بولا ہے۔ مثلاً: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿55﴾﴾ پس تو اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس میں شک کرے گا؟ [النجم: 55] اور: ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿13﴾﴾ تو (اے جن و انس!) تم دونوں اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس کو جھٹلاؤ گے؟ [الرحمن: 13] کہیں بھی اللہ تعالیٰ نے «إلی ربك» یا «إلی ربكم» نہیں کہا۔

اس تفصیل سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ معتزلہ کی تاویلات بالکل غلط ہیں اور کلام کو اس کے ظاہری معانی میں لینا ضروری ہے۔ (الجبرین: 1 / 270)

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ﴾

تختوں پر (بیٹھے) دیکھ رہے ہوں گے۔ [المطففین: 23]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَى وَزِيَادَةٌ﴾

جن لوگوں نے نیکی کی، انھی کے لیے نہایت اچھا بدلہ اور کچھ زیادہ ہے۔ [یونس: 26]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ﴾

ان کے لیے جو کچھ وہ چاہیں گے، اس میں ہوگا اور ہمارے پاس مزید بھی ہے۔ [ق: 35]

قرآن مجید میں یہ (اسماء وصفات والا) مسئلہ بہت سی جگہوں پر موجود ہے۔ جو شخص قرآن مجید سے ہدایت کا طلب گار بن کر اس میں غور وفکر کرے گا تو اس کے لیے حق والا راستہ واضح ہو جائے گا۔(44)

---

(44) معتزلہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کی نفی میں سورۃ الانعام کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ اسے نگاہیں نہیں پاتیں اور وہ سب نگاہوں کو پاتا ہے اور وہی نہایت باریک بین، سب خبر رکھنے والا ہے۔[الأنعام: 103] کہتے ہیں کہ ابصار سے مراد آنکھیں ہیں اور اللہ نے بتایا ہے کہ آنکھیں اسے پا نہیں سکتی۔ تو انہوں نے اسے اپنی دلیل بنایا ہے کہ کوئی اللہ کو نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن اہل سنت ادراک کی وضاحت احاطے سے کرتے ہیں اور اس آیت سے دیدار کا اثبات کرتے ہیں، نفی نہیں کرتے۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ مؤمن جنت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے، لیکن آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکیں گی۔ تو یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ دیدار تو ہوگا لیکن بغیر احاطہ کے۔ لہٰذا اس آیت میں دیدار کا اثبات ہے اور ادراک بمعنٰی احاطہ کی نفی ہے۔ اس لیے یہ آیت معتزلہ کے خلاف دلیل ہے، ان کے حق میں نہیں۔ ((ادراک کی وضاحت احاطہ سے کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اصول دنیوی ہے یعنی دنیا میں اسے جاگتی آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ جبکہ آخرت میں اللہ کا دیدار ہوگا جیسا کہ

قرآن مجید کی دیگر آیات سے اسکی وضاحت ہوتی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے دنیوی اصول آخرت میں ختم ہو جائیں گے۔ طاہر))

معتزلہ دیدار باری تعالیٰ کی نفی میں اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ﴿ لَنۡ تَرٰىنِیۡ ﴾ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کا مطالبہ کیا یہ کہہ کر: ﴿ قَالَ رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡكَ ؕ ﴾ اے میرے رب! مجھے دکھا کہ میں تجھے دیکھوں۔ [الأعراف : 143] تو اللہ نے فرمایا: تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔ تو انہوں نے ان الفاظ: ﴿ لَنۡ تَرٰىنِیۡ ﴾ سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہو سکتا۔ کہتے ہیں کہ حرف «لَنۡ» ابدی نفی کے لیے آتا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ کبھی بھی اللہ کا دیدار نہیں ہو سکتا۔ لیکن حقیقت میں یہ آیت بھی ان کے خلاف ہے، ان کے حق میں نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام معتزلہ کی نسبت اپنے رب کو زیادہ جانتے تھے، لہٰذا یہ ناممکن ہے کہ وہ کسی محال چیز کا سوال کر لیں۔ پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے اس مطالبہ دیدار پر انہیں ایسے نہیں ٹوکا جیسے نوح علیہ السلام کو کہا تھا، جب انہوں نے اپنے بیٹے کی نجات کا سوال کیا تھا۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے کہا تھا: ﴿ اِنَّهٗ لَیۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ ٭ۖ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ مَا لَیۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ اِنِّیۡۤ اَعِظُكَ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡجٰهِلِیۡنَ ﴿46﴾ ﴾ بے شک وہ تیرے گھر والوں سے نہیں، بے شک یہ ایسا کام ہے جو اچھا نہیں، پس مجھ سے اس بات کا سوال نہ کر جس کا تجھے کچھ علم نہیں۔ بے شک میں تجھے اس سے نصیحت کرتا ہوں کہ تو جاہلوں میں سے ہو جائے۔ [ھود : 46] لیکن موسیٰ علیہ السلام کو اس انداز میں مخاطب نہیں کیا، بلکہ صرف اتنا کہا: ﴿ لَنۡ تَرٰىنِیۡ ﴾ "تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔" یہ نہیں فرمایا کہ مجھے دیکھا نہیں جا سکتا، میں دیکھی جا سکنے والی چیز نہیں ہوں، میرا دیدار کرنا جائز نہیں، میرا دیدار ناممکن ہے۔ تو معلوم ہوا کہ دیدار باری تعالیٰ ممکن ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿ لَنۡ تَرٰىنِیۡ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ تم مجھے دیکھنے پر قادر نہیں ہو۔ جہاں تک بات حرف «لَنۡ» کی ہے تو یہ ابدی نفی کے لیے نہیں آتا۔ ابن مالک اپنی کتاب "الفیہ" میں فرماتے ہیں:

ومن رأى النفي بلن مؤبداً   فقوله اردد وسواه فاعضدا

جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ حرف «لَنۡ» ابدی نفی کے لیے ہے، اس کا قول مردود ہے، اسے چھوڑ دو، اس کے علاوہ دوسرے اقوال کو تھام لو۔

تشریح:

مذکورہ بالا تمام آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا اثبات ہے۔ آیات کا ایک مجموعہ پیچھے گزر چکا ہے۔ زیر تشریح مجموعے میں جو آیات ذکر کی گئی ہیں، ان میں اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے کا بیان ہے۔ ان آیات میں مختلف انداز میں اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے کا ذکر ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ نے کہا، وہ کہتا ہے، اس نے بات کی، وہ بات کرتا ہے وغیرہ۔ مثال کے طور پر: ﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ﴾ جب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ بن مریم سے کہا۔ [المائدۃ: 110]، ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ

لہٰذا «لَنْ» غیر ابدی نفی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿لَنْ تَرٰىنِيْ﴾ کا مطلب ہے کہ اس زندگی میں نہیں دیکھ سکتا۔ اس کی وجہ انسان کی طبعی کمزوری ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے جلال اور کبریائی کا سامنا نہیں کر سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ کا اسی آیت میں یہ فرمان بھی ہماری بات کی دلیل ہے: ﴿وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ﴾ اور لیکن اس پہاڑ کی طرف دیکھ، سو اگر وہ اپنی جگہ بر قرار رہا تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا۔ [الأعراف: 143] یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار کو پہاڑ کے بر قرار رہنے سے مشروط کیا ہے اور پہاڑ کا اپنی جگہ پر بر قرار رہنا ممکن ہے اور اسی سے دیدارِ الٰہی مشروط ہے جبکہ معتزلہ کے ہاں یہ ناممکن ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے ایک ممکن کام سے مشروط کیا ہے۔ اور یہ بات سب جانتے ہیں کہ ممکن سے مشروط کام بھی ممکن ہوتا ہے۔

پھر یہ بھی دیکھیں کہ اللہ پہاڑ کے سامنے ظاہر ہوا۔ جب پہاڑ کے سامنے ظاہر ہونا جائز ہے تو قیامت والے دن اپنے بندوں کے سامنے اس کا ظاہر ہونا بطریقِ اولیٰ جائز ہوا۔ معتزلہ پہاڑ کے سامنے ظاہر ہونے کے بھی منکر ہیں کیونکہ وہ یہ بات تسلیم ہی نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا جا سکتا ہے، اور نہ یہ کہ وہ اپنی کسی مخلوق کے سامنے ظاہر ہو سکتا ہے۔

اس بحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ جن آیات سے معتزلہ دیدار باری تعالیٰ کی نفی پر استدلال کرتے ہیں، وہی آیات ان کے خلاف ہیں کیونکہ ان میں دیدار کا اثبات ہے۔ (الجبرین: 272-274)

حَدِیْثًا ﴿87﴾ اللہ سے زیادہ بات میں کون سچا ہے؟ [النساء: 87]، ﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿122﴾﴾ اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے؟ [النساء: 122]، ﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ﴾ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدل دیں۔ [الفتح: 15]، ﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿164﴾﴾ اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے خود کلام کیا۔ [النساء: 164] وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کے کلام، آواز دینے اور سرگوشی کرنے کے بارے میں کافی ساری آیات ہیں۔ مثال کے طور پر: ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ﴾ اور جس دن وہ انہیں آواز دے گا۔[القصص: 65]، ﴿وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿52﴾﴾ اور ہم نے سرگوشی کرتے ہوئے اسے قریب کرلیا۔ [مریم: 52]

تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جب چاہا، بات کی اور جب چاہتا ہے، بات کرتا ہے۔ اس نے جب چاہا، آواز دی اور جب چاہتا ہے، آواز دیتا ہے ۔ اس نے اپنے بندوں میں سے جس سے چاہا، بات کی جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام سے بات کی اور جنتیوں سے بات کرے گا۔ اسی طرح معراج والی رات محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی۔ یہ سب کچھ وقوع پذیر ہوا ہے اور ہو گا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر چیز کا جانتا ہے اور اس سے کوئی مخفی چیز پوشیدہ نہیں رہتی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کیا ہے اور انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل کی ہے اور وہ خود بلندی میں ہے۔ اس نے کتاب بلندی سے نازل کی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:﴿قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ﴾

کہہ دیجیے: اسے روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کرکے نازل کیا ہے۔ [النحل: 102]

تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ بلندی میں ہے اور اس نے اپنی کتابیں، تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید نازل کی ہیں۔ یہ ساری کتابیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ

ہیں۔ ان سب کا اللہ تعالیٰ کے لیے اثبات ضروری ہے۔ اللہ کی بات ساری مخلوق سے زیادہ سچی ہے۔ اسی طرح اللہ نے اپنی کتاب قرآن مجید نازل فرما کر سب کچھ اپنے بندوں کے لیے واضح کر دیا ہے، اسے لوگوں کے لیے سرچشمہ ہدایت بنایا ہے، اسے عربی زبان میں نازل کیا ہے اور یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے بہت سی وہ باتیں بیان کرتا ہے، جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں، یہ ساری باتیں حق ہیں۔ ان پر اور اللہ نے جو کچھ اس بارے میں بتایا ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس کے کلام، آواز، بات، کتابیں نازل کرنے کے بارے میں بتایا ہے، سب پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اہل سنت والجماعت ان ساری صفات کا اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی شان کے مطابق اثبات کرتے ہیں۔ وہ اس بات پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ اس نے کہا، وہ کہتا ہے، اس نے کلام کیا، وہ کلام کرتا ہے، اس نے آواز دی، وہ آواز دیتا ہے، اس نے سرگوشی کی اور وہ سرگوشی کرتا ہے، جب چاہتا ہے اور جیسے چاہتا ہے۔

اہل کلام کا یہ کہنا کہ اس کا کلام قدیمی ہے، یہ بات بالکل غلط ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے بات کی ہے اور جب چاہتا ہے، کرتا ہے۔ عہد نبوی میں معراج کی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا۔ موسیٰ علیہ السلام سے ان کے زمانے میں کلام کیا۔ قیامت والے دن جب وقت آئے گا تو لوگوں سے کلام کرے گا۔ آدم علیہ السلام سے اس کا کلام ایک وقت میں تھا اور اہل جنت سے اس کا کلام ایک اور وقت میں ہو گا۔ وہ ہمیشہ سے اپنی مرضی کے مطابق کلام کرتا رہا ہے۔ جیسے اس نے قدیم زمانے میں کلام کیا، ایسے ہی وہ نئے زمانے میں کلام کرتا ہے۔ کوئی روکنے والا اسے کلام کرنے سے نہیں روک سکتا۔ وہ جب چاہتا ہے، کلام کرتا ہے۔ جب چاہتا ہے، ارادہ کرتا ہے۔ جب چاہتا ہے، حکم دیتا ہے اور جب چاہتا ہے، منع کر دیتا ہے۔ کوئی بھی اسے اس سے نہیں روک سکتا۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ﴾ اس دن کئی چہرے ترو تازہ ہوں گے۔ [القيامة: 22] میں لفظ «ناضرة» کا مطلب ہے: ترو تازگی اور حُسن۔ جبکہ ﴿اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ اپنے رب کی طرف دیکھنے والے۔ [القيامة: 23] میں لفظ «ناظرة» کا مطلب ہے: دیکھنا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ﴾ تختوں پر (بیٹھے) دیکھ رہے ہوں گے۔ [المطففين: 23] اور یہ فرمان بھی: ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾ جن لوگوں نے نیکی کی، انہی کے لیے نہایت اچھا بدلہ اور کچھ زیادہ ہے۔ [يونس: 26]

آخری آیت میں جو لفظ «زيادة» ہے، اس کا مطلب ہے: اللہ تعالیٰ کے چہرے کا دیدار۔ یہ سب حق ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھتے ہیں اور وہ روزِ قیامت جنت میں اس کا دیدار کریں گے۔ یہ سب کچھ حق ہے اور اس بارے میں کتاب اللہ میں بہت سی آیات موجود ہیں۔

اسی طرح صحیح احادیث میں بھی یہ مسئلہ کئی جگہ پر موجود ہے۔ جو شخص کتاب وسنت میں غور کرے گا تو اسے ان میں تمام صفات، مثلاً: علم، قدرت، کلام، علو، رضا مندی، غصہ اور ہنسی وغیرہ کا اثبات واضح طور پر مل جائے گا۔ اس لیے ان تمام صفات کا اللہ کے لیے اس کی شان کے لائق اثبات کرنا ضروری ہے۔ انہیں بغیر کسی تحریف، نفی، کیفیت بیان کیے اور تشبیہ دیے، ویسے ہی تسلیم کرنا ضروری ہے جیسے وہ مذکور ہیں۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک ان سب کا ایک ہی مسئلہ ہے کہ اس بات کا اثبات کیا جائے کہ ساری صفات حق ہیں، ان کا معنیٰ حق ہے، وہ خود حق ہیں لیکن ان کی کیفیت صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ہاں انہیں یہ علم ضرور ہے اور ان کا ایمان ہے کہ اس کی صفات مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں ہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾

اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔[الشوریٰ: 11]

جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات مخلوق کی ذات کے مشابہ نہیں ہے، اسی طرح اس کی صفات بھی مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سارے اسماء وصفات حق ہیں۔ ان کا اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان اثبات ضروری ہے۔ جیسا کہ امام مالک، سفیان ثوری، ابن عیینہ، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ اور امام شافعی رحمہم اللہ وغیرہ کئی ائمہ اسلام نے یہ بات کہی ہے۔ ان سب کا اس بارے میں ایک ہی مسلک ہے۔ یہ مسئلہ ایک ہی ہے کہ صفات کے بارے میں تمام آیات اور احادیث کا اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق بغیر کسی تحریف، نفی، کیفیت بیان کیے اور تشبیہ دیے اثبات ضروری ہے، جیسے وہ مذکور ہیں۔ بلکہ یہ ساری صفات حق ہیں، اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے مشابہ نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

صحیح احادیث کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا اثبات، مثلاً: نزول، خوشی اور ہنسی وغیرہ:

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ثُمَّ فِيْ سُنَّةِ رَسُولِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَالسُّنَّةُ تُفَسِّرُ الْقُرْآنَ، وَتُبَيِّنُهُ، وَتَدُلُّ عَلَيْهِ، وَتُعَبِّرُ عَنْهُ، وَمَا وَصَفَ الرَّسُولُ بِهِ رَبَّهُ، مِنَ الْأَحَادِيثِ الصِّحَاحِ الَّتِي تَلَقَّاهَا أَهْلُ الْمَعْرِفَةِ بِالْقَبُولِ؛ وَجَبَ الْإِيمَانُ بِهَا كَذَلِكَ.

فَمِنْ ذَلِكَ مِثْلُ قَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «**يَنْزِلُ رَبُّنَا إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا كُلَّ لَيْلَةٍ، حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ، فَيَقُولُ: مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ، مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ، مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ؟**» مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَقَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «**لَلَّهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ التَّائِبِ، مِنْ أَحَدِكُمْ بِرَاحِلَتِهِ ...**» الْحَدِيثَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَقَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «**يَضْحَكُ اللَّهُ إِلَى رَجُلَيْنِ؛ يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ؛ كِلَاهُمَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ**» . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَقَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «**عَجِبَ رَبُّنَا مِنْ قُنُوطِ عِبَادِهِ وَقُرْبِ غِيَرِهِ؛ يَنْظُرُ إِلَيْكُمْ أَزِلِينَ قَنِطِينَ، فَيَظَلُّ يَضْحَكُ؛ يَعْلَمُ أَنَّ فَرَجَكُمْ قَرِيبٌ**» . حَدِيثٌ حَسَنٌ.

وَقَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «**لَا تَزَالُ جَهَنَّمُ يُلْقَى فِيهَا، وَهِيَ تَقُولُ: هَلْ مِنْ مَزِيدٍ؟ حَتَّى يَضَعَ رَبُّ الْعِزَّةِ فِيهَا رِجْلَهُ**» وَفِي رِوَايَةٍ: «**عَلَيْهَا قَدَمَهُ فَيَنْزَوِي بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ؛ فَتَقُولُ: قَطْ قَطْ**» . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَقَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «**يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى: يَا آدَمُ! فَيَقُولُ: لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ. فَيُنَادِي بِصَوْتٍ: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تُخْرِجَ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ بَعْثًا إِلَى النَّارِ**» مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

ترجمہ:

اسی طرح ان صفات پر ایمان رکھنا بھی ضروری ہے جن کا رسول اللہ ﷺ کی سنت میں تذکرہ ہے کیونکہ سنت، قرآن کی تفسیر اور وضاحت کرتی ہے، اس پر دلالت کرتی ہے اور اس کا معنیٰ بیان کرتی ہے۔ محدثین کے ہاں جو احادیث صحیح ہیں، ان میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کی جو صفات بیان فرمائی ہیں، ان پر بھی اسی طرح ایمان لانا ضروری ہے۔(45)

---

(45) سنت سے مراد نبی کریم ﷺ کی قولی اور فعلی احادیث ہیں۔ سنت کا قرآن کی تفسیر کرنا بالکل ظاہر سی بات ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ ہی وہ ذات ہے جس پر قرآن نازل ہوا، تو جب آپ ﷺ سے قرآن کی کوئی تفسیر ملتی ہے تو اسے قبول کرنا ضروری ہے۔ نبوی تفسیر کو ہر قسم کی لغوی، اصطلاحی وغیرہ تفسیر پر مقدم کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ تفسیر اس شخصیت کی ہے جس پر قرآن نازل ہوا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کا بتایا ہوا قرآن قبول ہے تو پھر اس کی تفسیر کو بھی قبول کرنا پڑے گا۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے بیان کی ذمہ داری اٹھائی ہے لہٰذا کوئی ایسی تفسیر موجود ہونا ضروری ہے جو الہامی ہو یا اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی ہو۔ اللہ نے فرمایا تھا کہ وہ اسے بیان کرے گا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَعۡجَلۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يُّقۡضٰٓى اِلَيۡكَ وَحۡيُهٗ وَقُلۡ رَّبِّ زِدۡنِىۡ عِلۡمًا ۝١١٤﴾ اور قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیجیے، اس سے پہلے کہ آپ کی طرف اس کی وحی پوری کی جائے اور کہیے: اے میرے رب! مجھے علم میں زیادہ کر۔ [طه: 114] یعنی قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیجیے۔ اسی طرح یہ فرمان الٰہی ہے: ﴿لَا تُحَرِّكۡ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعۡجَلَ بِهٖ ۝١٦ اِنَّ عَلَيۡنَا جَمۡعَهٗ وَقُرۡاٰنَهٗ ۝١٧ فَاِذَا قَرَاۡنٰهُ فَاتَّبِعۡ قُرۡاٰنَهٗ ۝١٨﴾ آپ اس کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں، تاکہ اسے جلدی حاصل کرلیں۔ بلاشبہ اس کو جمع کرنا اور (آپ کا) اس کو پڑھنا ہمارے ذمے ہے۔ تو جب ہم اسے پڑھیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں۔ [القیامة: 16-18] مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بیان کا ذمہ دار ہے۔ یہ بیان یا تو لفظ اور بناوٹ سے حاصل ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کے فصیح کلام ہونے کی وجہ سے اس کے معانی کو سمجھتے ہیں یا تعلیم کے ذریعے کہ جس جبریل نے یہ

قرآن اتارا، وہی اس کے معانی بتائے۔ تو جب نبی کریم ﷺ کی طرف سے وضاحت آجائے تو اسے ہر تشریح اور وضاحت سے مقدم کیا جائے گا اور اسی کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ اور ہم نے آپ کی طرف یہ نصیحت اتاری، تاکہ آپ لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دیں جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔ [النحل: 44] یعنی اس قرآن کے احکام واضح کریں جو ان کی طرف بھیجا گیا ہے۔ یہ ذمہ داری تھی۔ لہٰذا یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کی وضاحت کی ذمہ داری سونپی تھی۔ اس لیے جب آپ ﷺ کی طرف سے وضاحت آجائے گی تو اسے ہر وضاحت اور تشریح سے مقدم کیا جائے گا۔

مثال کے طور اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے لیکن مکمل طریقہ قرآن میں بیان نہیں کیا۔۔۔ یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ نے سکھایا اور فرمایا: «صلوا كما رأيتموني أصلي» ایسے نماز پڑھو جیسے مجھے پڑھتے دیکھا ہے۔ (صحيح البخاري: 631)

اسی طرح حج کے بعض ارکان کا تذکرہ قرآن میں ہے لیکن مکمل نہیں۔۔۔ اسے بھی رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا ہے اور فرمایا ہے: «خذوا عني مناسككم» مجھ سے حج کا طریقہ سیکھ لو۔ (صحيح مسلم: 1297)

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ بعض اوقات سنت میں ایسے احکام بھی ہیں جو قرآن سے زائد ہیں، یعنی قرآن میں ان کا ذکر ہی موجود نہیں اور ان پر عمل ہوتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وحی سے بڑھ کر عمل کیا جارہا ہے، بلکہ یہ بھی وحی ہی ہے۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ نے دو سگی بہنوں سے بیک وقت شادی کرنے سے روکا ہے اور سنت میں یہ ہے کہ جس طرح دو سگی بہنوں کو ایک وقت میں ایک شخص کے نکاح میں اکٹھا کرنا ناجائز اور حرام ہے، اسی طرح کسی خاتون اور اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ کو اکٹھا کرنا بھی ناجائز اور حرام ہے۔۔۔

اسی طرح اور بھی بہت سارے احکامات ہیں جو سنت میں موجود ہیں، انہیں قبولیت حاصل ہے اور ان پر عمل کیا جاتا ہے اور اسے دین اور شریعت سمجھا جاتا ہے۔ جب دیگر احکام کے بارے میں احادیث قبول ہیں تو جن صحیح احادیث میں صفاتِ باری تعالیٰ بیان کی گئی ہیں، اگرچہ وہ خبر واحد ہی ہیں، اہل سنت انہیں قبول کرتے ہیں اور ان کے ذریعے ان صفات کا اثبات کرتے ہیں۔ معتزلہ وغیرہ میں سے متکلمین (فلسفی) ان کے مخالف ہیں اور کہتے ہیں کہ جب کسی خبر واحد میں کسی

مثال کے طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے:

«يَنْزِلُ رَبُّنَا إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا كُلَّ لَيْلَةٍ، حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ، فَيَقُولُ: مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ، مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ، مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ؟»

ہمارا رب ہر رات کو جب اس کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو آسمان دنیا پر اترتا ہے اور فرماتا ہے کہ کون مجھے پکارتا ہے کہ میں اس کی پکار قبول کروں؟ کون مجھ سے مانگتا ہے کہ میں اس کی طلب پوری کروں؟ کون مجھ سے مغفرت مانگتا ہے کہ میں اسے بخش دوں؟ (متفق عليه، صحيح البخاري، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى: يريدون أن يبدلوا كلام الله، ح: 7494۔ وصحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب الترغيب في الدعاء والذكر ---، ح: 758) (46)

صفتِ الٰہی کا تذکرہ ہو گا تو اسے عقیدہ سے تعلق رکھنے کی بناء پر قبول نہیں کیا جائے گا۔اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اخبار آحاد ظنی ہوتی ہیں اور عقیدہ میں ظن داخل نہیں ہو سکتا۔ ہم کہتے ہیں: بات یوں نہیں ہے۔ اگرچہ وہ آحاد ہیں لیکن ظنی نہیں ہیں، یقینی ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ خبر واحد بھی یقین کا فائدہ دیتی ہے، ظن کا نہیں جیسا کہ معتزلہ کا خیال ہے۔

معتزلہ اسی شبہ کی وجہ سے صفات والی احادیث کو رد کرتے ہیں کہ ان سے صرف ظن حاصل ہوتا ہے، جبکہ اہل سنت، ائمہ اور سلف صالحین ان احادیث کو قبول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے معتزلہ! جیسے تم احکام والی احادیث قبول کرتے ہو، ایسے عقیدہ والی احادیث کو قبول کرنا بھی تم پر لازم ہے۔ خصوصاً جب وہ احادیث بالکل صحیح ثابت ہو جاتی ہیں اور ان کے ثبوت میں کسی قسم کا شک اور تردد نہیں ہوتا۔(الجبرین:2/9-6)

(46) یہ حدیث متفق علیہ ہے لیکن پھر بھی معتزلہ وغیرہ اسے رد کر دیتے ہیں اور تسلیم نہیں کرتے حالانکہ یہ اس طرح پختہ طور ثابت ہے کہ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسے انہی لوگوں نے نقل کیا ہے جنہوں نے باقی شریعت نقل کی ہے۔۔۔۔اس لیے ہم معتزلہ سے کہتے ہیں کہ یا تو شریعت تسلیم کرو یا ساری کا ہی انکار کر دو۔۔۔۔ کچھ کو قبول کرنا اور کچھ کا انکار کرنا تو یہودیوں کا کام

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

«لَلّٰهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ التَّائِبِ، مِنْ أَحَدِكُمْ بِرَاحِلَتِهِ ...»

اللہ تعالیٰ اپنے تائب ہونے والے مؤمن بندے کی توبہ سے بہت زیادہ خوش ہوتے ہیں،[47] اس سے بھی زیادہ جتنا تم میں سے کوئی اس وقت خوش ہوتا ہے

ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا ہے: ﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾ پھر کیا تم کتاب کے بعض پر ایمان لاتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ [البقرة: 85]

اہل سنت اللہ تعالیٰ کے نزول اور آنے کو اس کی شان کے مطابق تسلیم کرتے ہیں اور اس کی گہرائی میں نہیں جاتے۔۔۔ معتزلہ اس پر سوال شروع کر دیتے ہیں کہ اچھا، یہ بتاؤ کہ جب وہ نازل ہوتا ہے تو عرش خالی ہو جاتا ہے یا نہیں؟ آسمان اس کے اوپر یا نہیں؟ ہم کہتے ہیں: ہمیں اس تکلف میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارا عقیدہ تو سیدھا سادہ سا ہے کہ جو کچھ اللہ نے بتایا ہے، اس پر ایمان رکھو اور یہ جان لو کہ اللہ جیسی کوئی چیز نہیں ہے، نہ اس کی صفات میں اور نہ اس کے افعال میں۔ نزول بھی اس کا فعل ہے، لہٰذا ہم اس پر اسی انداز میں ایمان لاتے ہیں۔۔۔ اہل سنت اس حدیث سے اس بات پر بھی استدلال کرتے ہیں کہ اللہ بلندی میں ہے کیونکہ فرمایا: «ینزل» ”وہ اترتا ہے“ اترنا بلندی سے ہی ہوتا ہے۔ لیکن وہ اس بلندی کی کوئی کیفیت نہیں بیان کرتے۔۔۔ حاصل کلام یہ ہے کہ یہ حدیث صفتِ علو اور صفتِ نزول کی دلیل ہے جس پر مسلمانوں کا ایمان ہے اور اللہ تعالیٰ کے علو اور نزول میں کوئی چیز اس جیسی نہیں ہے۔ جس طرح اس کا علو اس کے قرب، اطلاع اور مخلوق کے ساتھ ہونے کے خلاف نہیں ہے، ایسے ہی اس کا نزول بھی اس کے عرش پر بلند ہونے، مستوی ہونے اور اس جیسی دیگر صفات کے خلاف نہیں ہے۔ (الجبرین: 2/12-10)

(47) یاد رہے کہ قبولیت توبہ کی پانچ شرطیں ہیں: (1) اخلاص نیت یعنی کہ آپ لوگوں کو دکھانے، ان کے نزدیک اپنی عزت بڑھانے یا اسی طرح کا کوئی اور دنیاوی مقصد حاصل کرنے کے لیے توبہ نہ کر رہے ہوں۔ بلکہ صرف اور صرف اللہ کو راضی کرنا مقصد ہو۔ (2) نافرمانی پر شرمندگی ہو۔ (3) اس گناہ کو چھوڑ دیں۔ اگر کسی انسان کا کوئی حق دبایا ہے تو اسے واپس کریں۔ (4)

جب صحراء میں اس کی ساری جمع پونجی سے لدی ہوئی گمشدہ سواری اسے مل جاتی ہے۔
(متفق عليه، صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب التوبة، ح: 6308۔ وصحيح مسلم، كتاب التوبة، باب في الحض على التوبة ۔۔، ح: 2744)

آئندہ اس گناہ کو نہ کرنے کا عزم کریں۔ (5) توبہ قبولیت کے وقت میں ہو۔ مطلب یہ ہے کہ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے ہو اور موت کا وقت آنے سے پہلے ہو۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ﴾ اور توبہ ان لوگوں کی نہیں جو برے کام کیے جاتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجاتی ہے تو وہ کہتا ہے بے شک میں نے اب توبہ کر لی۔ [النساء: 18] نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے بعد توبہ کا وقت ختم ہو جائے گا۔ اس وقت کچھ لوگ ایمان لائیں گے لیکن: ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ﴾ کسی شخص کو اس کا ایمان فائدہ نہ دے گا، جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا تھا، یا اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کمائی تھی۔ [الأنعام: 158] (صحيح البخاري: 4636، وصحيح مسلم: 157) توبہ کی قبولیت کی یہ پانچ شرائط ہیں۔ جب یہ مکمل طور پر کسی آدمی میں ہوں گی، تب اس کی توبہ قبول ہوگی۔ لیکن کیا توبہ کے صحیح ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان تمام گناہوں سے توبہ کرے؟ اس میں اختلاف ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ کوئی شرط نہیں ہے۔ ایک گناہ سے توبہ دوسرے گناہ پر اصرار کے باوجود صحیح ہوتی ہے۔ لیکن اس طرح کی توبہ کرنے والے کو مطلق توبہ کرنے والا نہیں کہیں گے۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ اس کی توبہ اس خاص گناہ سے ہے، عام نہیں ہے۔

مثلاً: اگر کوئی شخص شراب پیتا ہے اور سود کھاتا ہے، پھر شراب پینے سے توبہ کر لیتا ہے تو اس کی شراب سے توبہ درست ہے، سود کھانے کا گناہ اس پر رہے گا۔ یہ مطلق طور پر توبہ تائب ہونے والوں کی فضیلت کو نہیں پا سکے گا کیونکہ بعض نافرمانیوں پر ابھی اڑا ہوا ہے۔

فائدہ: ایک شخص مکمل شرائط کے ساتھ توبہ کر لیتا ہے، پھر دوبارہ وہی گناہ کر لیتا ہے تو اس کی توبہ نہیں ٹوٹتی کیونکہ اس نے عزم کیا تھا کہ دوبارہ یہ کام نہیں کروں گا۔ لیکن اس کے نفس نے اسے بہکا دیا اور وہ دوبارہ وہی کام کر بیٹھا۔ اب اس کے لیے ضروری ہے کہ دوبارہ مکمل شرائط کے ساتھ توبہ کرے۔ اسی طرح جب بھی اس سے گناہ سرزد ہو جائے تو توبہ کر لے۔ اللہ کا فضل بہت وسیع ہے۔ (العثیمین: 2/ 23)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

«يَضْحَكُ اللهُ إِلَى رَجُلَيْنِ، يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ كِلَاهُمَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ»

(قیامت والے دن) اللہ تعالیٰ ایسے دو آدمیوں کی طرف دیکھ کر ہنس دیں گے کہ ان میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کیا تھا اور پھر بھی وہ دونوں جنت میں داخل ہو گئے۔ (متفق عليه) (صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب الكافر يقتل المسلم... الخ، ح: 2826۔ وصحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب بيان الرجلين يقتل أحدهما الآخر يدخلان الجنة، ح: 1890۔ الفاظ مسلم کے ہیں۔)

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: «عَجِبَ رَبُّنَا مِنْ قُنُوطِ عِبَادِهِ وَقُرْبِ غِيَرِهِ؛ يَنْظُرُ إِلَيْكُمْ أَزِلِينَ قَنِطِينَ، فَيَظَلُّ يَضْحَكُ؛ يَعْلَمُ أَنَّ فَرَجَكُمْ قَرِيبٌ».

ہمارا رب اپنے بندوں کی مایوسی اور اس کے جلد ہی بدل جانے پر تعجب کرتا ہے۔ وہ تمہاری طرف اس حال میں دیکھتا ہے کہ تم سختی میں گرفتار اور مایوسی کا شکار ہوتے ہو تو وہ ہنسنے لگتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ تمہاری سختی کا ازالہ جلد ہونے والا ہے۔[48]

---

(48) یہ حدیث حسن درجے کی ہے۔ مذکورہ الفاظ تفسیر ابن کثیر، سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر: 214 کے تحت درج ہیں۔ اصل حدیث سنن ابن ماجه، كتاب السنة، باب فيما أنكرت الجهمية، ح: 181 میں ان الفاظ سے ہے:

«ضَحِكَ رَبُّنَا مِنْ قُنُوطِ عِبَادِهِ، وَقُرْبِ غِيَرِهِ» قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَوَ يَضْحَكُ الرَّبُّ، قَالَ: «نَعَمْ» ، قُلْتُ: لَنْ نَعْدَمَ مِنْ رَبٍّ يَضْحَكُ خَيْرًا»

ترجمہ: ہمارا رب بندوں کی مایوسی پر ہنستا ہے حالانکہ اس کی طرف سے حالات کی تبدیلی قریب ہوتی ہے۔ میں (ابورزین صحابی) نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا رب تعالیٰ ہنستا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ میں نے کہا: ہم ایسے رب کی خیر سے کبھی محروم نہیں ہوں گے جو ہنستا ہے۔ علامہ البانی نے سلسلہ صحیحہ، ح:2810 کے تحت اسے حسن قرار دیا ہے۔ (علي المرّي)

پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہے: «**لَا تَزَالُ جَهَنَّمُ يُلْقَى فِيهَا، وَهِيَ تَقُولُ: هَلْ مِنْ مَزِيدٍ؟ حَتَّى يَضَعَ رَبُّ الْعِزَّةِ فِيهَا رِجْلَهُ**». وَفِي رِوَايَةٍ: «**عَلَيْهَا قَدَمَهُ فَيَنْزَوِي بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ؛ فَتَقُولُ: قَطْ قَطْ**».

جہنم کے اندر جہنمی ڈالے جاتے رہیں گے اور جہنم ''اور، اور'' پکارتی رہے گی، یہاں تک کہ اللہ رب العزت[49] اس کے اندر اپنا پیر، اور ایک روایت میں ہے کہ اپنا قدم رکھ دے گا جس سے جہنم باہم سمٹ جائے گی اور پکار اٹھے گی کہ بس بس!

(متفق عليه) (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله: وتقول هل من مزيد؟، ح: 4849۔ وصحيح مسلم، كتاب الجنة وصفة نعيمها، باب النار يدخلها الجبارون ---، ح: 2848۔ الفاظ مسلم کے ہیں۔ نیز دیکھیے: صحيح البخاري، ح: 4850 اور صحيح مسلم، ح: 2846)

نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

«**يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى: يَا آدَمُ! فَيَقُولُ: لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ. فَيُنَادِي بِصَوْتٍ: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تُخْرِجَ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ بَعْثًا إِلَى النَّارِ**»

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے آدم! آدم علیہ السلام کہیں گے: اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ بلند آواز سے ندا فرمائے گا کہ اللہ تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ اپنی اولاد میں سے جہنم میں جانے والی جماعت نکالو۔ (متفق عليه، صحيح البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قصة يأجوج ومأجوج، ح: 3348۔ وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب قوله: يقول الله لآدم---، ح: 222)

تشریح:

یہ چھ احادیث اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے اثبات پر ایسے ہی دلالت کرتی ہیں، جیسے گزشتہ قرآنی آیات اسماء وصفات کے اثبات پر دلالت کرتی ہیں۔ اللہ

---

(49) رب العزت والا وصف اس لیے یہاں بیان کیا گیا ہے کیونکہ یہ مقام عزت، غلبے اور قہر والا مقام ہے۔ یہاں رب بمعنیٰ والا ہے، خالق کے معنیٰ میں نہیں ہے کیونکہ عزت اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق نہیں ہیں۔ (العثيمين: 2/31)

عزوجل کے اچھے اچھے نام ہیں اور وہ بلند صفات سے موصوف ہے، جیسے یہ بیان قرآن سے ثابت ہے، ایسے ہی احادیث سے بھی ثابت ہے۔

کیونکہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی صحیح احادیث قرآن کی تفسیر و تشریح کرتی ہیں، اس پر دلالت کرتی ہیں اور اس کا معنیٰ بیان کرتی ہیں۔ اس کی دلیل قرآن میں موجود ہے۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾

وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ [النور : 62]

فرمان الٰہی ہے: ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾

اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو۔ [النساء : 59]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝1 مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝2 وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝3 اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝4﴾

قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے! کہ تمہارا ساتھی (رسول) نہ راہ بھولا ہے اور نہ غلط راستے پر چلا ہے۔ اور نہ وہ اپنی خواہش سے بولتا ہے۔ وہ تو صرف وحی ہے جو نازل کی جاتی ہے۔ [النجم : 1-4]

تو جس طرح قرآنی آیات میں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا تذکرہ ہے، ایسے ہی احادیث میں بھی اسماء وصفات کا تذکرہ ہے۔ جو اسماء وصفات صحیح حدیث سے ثابت ہو جائیں، ان کا وہی حکم ہے جو قرآن سے ثابت ہونے والے اسماء وصفات کا ہے۔ ان کا اللہ کے لیے اثبات ضروری ہے اور یہ ایمان رکھنا لازمی ہے کہ وہ اللہ کی صفت اور اس کا نام ہے لیکن بغیر کسی تحریف، نفی، کیفیت بیان کیے اور تشبیہ دیے اسی انداز میں جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک مسئلہ اور حکم ایک ہی ہے چاہے اسماء وصفات قرآن مجید میں ہوں یا احادیث صحیحہ میں۔ مثال کے طور پر ایک صحیح حدیث میں ہے کہ:

«يَنْزِلُ رَبُّنَا إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا كُلَّ لَيْلَةٍ، حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ، فَيَقُولُ: مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ، مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ، مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ؟»

ہمارا رب ہر رات کو جب اس کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو آسمان دنیا پر اترتا ہے اور فرماتا ہے کہ کون مجھے پکارتا ہے کہ میں اس کی پکار قبول کروں؟ کون مجھ سے مانگتا ہے کہ میں اس کی طلب پوری کروں؟ کون مجھ سے مغفرت مانگتا ہے کہ میں اسے بخش دوں؟ (متفق عليه، صحيح البخاري، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى: يريدون أن يبدلوا كلام الله، ح: 7494۔ وصحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب الترغيب في الدعاء والذكر ۔۔۔، ح: 758)

اہل سنت اس نزول یعنی اترنے کا اثبات کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ اس کا نزول ایسے ہی ہے جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔ مخلوق اپنے نزول میں اس کے مشابہ نہیں ہے۔ کیونکہ بندہ بھی اوپر سے نیچے آتا ہے مثلاً: پہاڑ کی چوٹی سے، لیکن یہ نزول ویسا نزول نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اترنا بندے کے اترنے جیسا نہیں ہے۔ لہٰذا احدیث میں مذکور نزول اس نزول جیسا نہیں ہے۔

یہی بات صفت کلام کے بارے میں ہے کہ اللہ کہتا ہے، لیکن اس کا کہنا بندے کے کہنے جیسا نہیں ہے۔ اس کا آواز دینا بندے کے آواز دینے کی طرح نہیں ہے۔ اس کا کلام بندے کے کلام جیسا نہیں ہے۔ یہ اللہ کی صفات ہیں جو اس کی شان کے مطابق ہیں۔ وہ ہر دعا کرنے والے کی دعا سنتا اور قبول کرتا ہے جیسا کہ وہ ہر رات کو آسمان دنیا پر آکر کہتا ہے کہ کون مجھے پکارتا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون مجھ سے مانگتا ہے کہ میں اسے دوں؟ کون بخشش کا طالب ہے کہ میں اس کی مغفرت کردوں؟ اللہ بڑا سخی اور کریم ہے۔ وہ بہت بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے۔ لہٰذا ان صفات کا اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی شان کے لائق اثبات ضروری ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ:

«يَضْحَكُ اللهُ إِلَى رَجُلَيْنِ، يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ كِلَاهُمَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ»

(قیامت والے دن) اللہ تعالیٰ ایسے دو آدمیوں کی طرف دیکھ کر ہنس دیں گے کہ ان میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کیا تھا اور پھر بھی وہ دونوں جنت میں داخل ہوگئے۔ (متفق علیہ) (صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب الكافر يقتل المسلم... الخ، ح: 2826۔ وصحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب بيان الرجلين يقتل أحدهما الآخر يدخلان الجنة، ح: 1890۔ الفاظ مسلم کے ہیں۔)

اللہ تعالیٰ کا ہنسنا ایسا ہی ہے جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔ وہ اپنی صفات اور ہنسی میں مخلوق کے مشابہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کی صفات ایسی ہیں جیسی اس کی شان کے لائق اور مناسب ہیں۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ:

«عَجِبَ رَبُّنَا مِنْ قُنُوطِ عِبَادِهِ وَقُرْبِ غِيَرِهِ يَنْظُرُ إِلَيْكُمْ أَزِلِينَ قَنِطِينَ، فَيَظَلُّ يَضْحَكُ؛ يَعْلَمُ أَنَّ فَرَجَكُمْ قَرِيبٌ»

''ہمارا رب اپنے بندوں کی مایوسی اور اس کے جلد ہی بدل جانے پر تعجب کرتا ہے۔'' یعنی حالات کا بدل جانا۔ انسان خشک سالی کی شدت کی بناء پر بالکل مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کشادگی قریب ہی ہوتی ہے۔ ''وہ تمہاری طرف اس حال میں دیکھتا ہے کہ تم سختی میں گرفتار اور مایوسی کا شکار ہوتے ہو تو وہ ہنسنے لگتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ تمہاری سختی کا ازالہ جلد ہونے والا ہے۔'' (سنن ابن ماجه، كتاب السنة، باب فيما أنكرت الجهمية، ح: 181)

اسی طرح آخری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ:

«يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى: يَا آدَمُ! فَيَقُولُ: لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ. فَيُنَادِي بِصَوْتٍ: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تُخْرِجَ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ بَعْثًا إِلَى النَّارِ»

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے آدم! آدم علیہ السلام کہیں گے: اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ بلند آواز سے ندا فرمائے گا کہ اللہ تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ

جاؤ اور اپنی اولاد میں سے جہنم میں جانے والی جماعت نکالو۔ (متفق عليه، صحيح البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قصة يأجوج ومأجوج، ح: 3348۔ وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب قوله: يقول الله لآدم۔۔۔، ح: 222)

اس میں اللہ تعالیٰ کی آواز کا اثبات ہے۔ اللہ کی آواز ایسی ہے جو سنی جاتی ہے۔ فرشتے اسے سنتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسے سنا۔ اسی طرح معراج کی رات نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے بھی اسے سنا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ کہنا کہ: «إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكَ أَنْ تُخْرِجَ بَعْثَ النَّارِ»

اللہ تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ جہنم میں جانے والی جماعت نکالو۔ اس کی وضاحت میں حدیث میں یہ بات بھی موجود ہے کہ: «مِنْ كُلِّ أَلْفٍ تِسْعَ مِائَةٍ وَتِسْعَةً وَتِسْعِينَ»

ہر ہزار میں سے نوسوننانوے۔ (صحيح البخاري: 3348)

یہ جہنمی جماعت ہوگی کہ ہزار میں سے صرف ایک بندہ بچے گا۔ جبکہ نو سو ننانوے آگ میں جائیں گے۔ یہ حدیث ایک عظیم خطرے سے ہمیں ڈرا رہی ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰۳﴾

اور اکثر لوگ، خواہ آپ حرص کریں، ہرگز ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ [يوسف: 103]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ﴾

اور اگر آپ زمین میں بسنے والوں کی اکثریت کے کہنے پر چلیں گے تو وہ آپ کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔ [الأنعام: 116]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ﴾

اور بلاشبہ ابلیس نے ان پر اپنا گمان سچا کر دکھایا۔ [سبأ: 20]

جب صحابہ کرام نے یہ سنا کہ ہزار میں سے نو سو ننانوے جہنم میں جائیں گے تو ان پر یہ بات بہت بھاری گزری۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بات پوری کرتے ہوئے فرمایا: «مِنْ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ تِسْعَ مِائَةٍ وَتِسْعَةً وَتِسْعِينَ، وَمِنْكُمْ وَاحِدٌ»

(گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔) نو سو ننانوے یاجوج ماجوج میں سے ہوں گے اور ایک تم میں سے ہو گا۔ (صحيح البخاري: 4741)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم میں داخل ہونے والوں کی اکثریت یاجوج ماجوج ہوں گے جو سب سے زیادہ خبیث لوگ ہیں اور آخری وقت میں نکلیں گے۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ "جہنم بھری جاتی رہے گی اور کہتی رہے گی: کچھ اور بھی ہے؟ یہاں تک کہ ربِ جبار اپنا پیر یا دوسری روایت کے مطابق اپنا پاؤں اس میں رکھے گا تو یہ سکڑ جائے گی اور کہے گی: بس، بس! یعنی کافی ہے، میں بھر گئی ہوں۔" اس میں اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق اس کے پیر اور پاؤں کا اثبات ہے۔ وہ خوب سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے۔ اس کا ہاتھ ہے، پاؤں ہے۔ اس کی یہ ساری صفات ایسی ہیں جیسی اس کی شان کے لائق ہیں۔ وہ ان میں اپنی مخلوق کے مشابہ نہیں ہے۔ نہ اپنی سماعت میں، نہ بصارت میں، نہ ہاتھ میں، نہ پاؤں میں، نہ ہنسنے میں اور نہ کسی اور چیز میں۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات ویسے ہی ہیں جیسے اس کی شان کے لائق ہیں۔ مخلوق کی صفات ویسی ہیں جیسی ان کے لائق ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿11﴾﴾

اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ [الشورى: 11]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ﴿4﴾﴾

اور نہ کبھی کوئی ایک اس کے برابر کا ہے۔ [الإخلاص: 4]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾

پس اللہ کے لیے مثالیں بیان نہ کرو۔ بے شک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔[النحل: 74]

اہل سنت والجماعت اسی بات کے قائل ہیں کہ تمام صفات کا معاملہ ایک ہی طرح کا ہے۔ ان کے مخالفین جہمیہ، معتزلہ اور اشعریہ وغیرہ صفات الٰہی میں الحاد پسند ہیں۔ جہمیہ نے تو سارے اسماء وصفات کی ہی نفی کر دی۔ معتزلہ نے صفات کی نفی کی اور معانی سے خالی اسماء کا اثبات کیا۔ اشعریہ اور دیگر گروہ کچھ کی نفی کرتے ہیں اور کچھ کا اثبات۔(50)

جبکہ درست بات یہی ہے کہ کتاب وسنت میں مذکور اللہ تعالیٰ کے سارے اسماء وصفات کا اثبات کیا جائے۔ صحیح حدیث سے جو نام یا صفت ثابت ہو جائے، وہ ایسے ہی ہے جیسے قرآن میں مذکور نام یا صفت ہوتی ہے۔ اس کا اللہ تعالیٰ کے لیے بغیر کسی تحریف، نفی، کیفیت بیان کیے اور تشبیہ دیے اس انداز میں اثبات ضروری ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔ بلکہ یہ اثبات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ان فرامین کے عین مطابق ہونا چاہیے کہ: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴾ اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔[الشوری: 11]، ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴾ اور نہ کبھی کوئی ایک اس کے برابر کا ہے۔[الإخلاص: 4]، ﴿فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا

---

(50) مثلاً: اشعریہ تمام اسماء اور صرف سات صفات، حیات، علم، قدرت، ارادہ، سماعت، بصارت اور کلام کا اثبات کرتے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: شرح عقیدہ واسطیہ از محمد خلیل ہراس، ص:202

تَعْلَمُوْنَ﴾ پس اللہ کے لیے مثالیں بیان نہ کرو۔ بے شک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔[النحل: 74]

اسی طرح جو حدیث میں ہے کہ: «لَلّٰهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ حِينَ يَتُوبُ إِلَيْهِ، مِنْ أَحَدِكُمْ كَانَ عَلَى رَاحِلَتِهِ بِأَرْضٍ فَلَاةٍ، فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ».

اللہ تعالیٰ اپنے تائب ہونے والے مؤمن بندے کی توبہ سے بہت زیادہ خوش ہوتے ہیں، اس سے بھی زیادہ جتنا تم میں سے کوئی اس وقت خوش ہوتا ہے جب صحراء میں اس کی ساری جمع پونجی سے لدی ہوئی گمشدہ سواری اسے مل جاتی ہے۔

(متفق عليه، صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب التوبة، ح: 6308۔ وصحيح مسلم، كتاب التوبة، باب في الحض على التوبة ...، ح: 2747)

تو یہ خوشی اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے جو اس کی شان کے مطابق ہے۔ وہ مخلوق کے خوش ہونے کی طرح خوش نہیں ہوتا۔ وہ ان کے راضی ہونے کی طرح رضامند نہیں ہوتا۔ وہ ان کے غصے ہونے کی طرح غصہ نہیں ہوتا۔

تو وہ انسان جو صحراء میں تھا اور اس کی اونٹنی گم ہوگئی۔ وہ ایک درخت کے نیچے لیٹ کر اپنی موت کا انتظار کرنے لگا۔ پھر جب دیکھا تو اونٹنی اس کے پاس ہی کھڑی ہے تو خوشی سے بے قابو ہو کر کہنے لگا:

«اللّٰهُمَّ أَنْتَ عَبْدِي وَأَنَا رَبُّكَ، أَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ»

اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ بے پناہ خوشی کی وجہ سے اس سے غلطی ہوگئی۔

تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں جو اپنی گمشدہ اونٹنی کو پالیتا ہے۔ لیکن یہ بات بھی یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی توبہ کے ذریعے مہربانی فرمائی اور وہی اس کے ذریعے احسان کرتا ہے اور جب بندہ توبہ کرلیتا ہے تو خوش ہو جاتا ہے۔ تو اس طرح وہ بہت زیادہ احسان کرنے والا اور اس کی

توفیق دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم سب کی توبہ قبول فرمالے۔

صحیح احادیث کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام، بات اور عرش پر بلند ہونے کا اثبات:

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَقَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «**مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ، لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تُرْجُمَانٌ**»

وَقَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رُقْيَةِ الْمَرِيضِ: «**رَبُّنَا اللَّهُ الَّذِي فِي السَّمَاءِ! تَقَدَّسَ اسْمُكَ، أَمْرُك فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ؛ كَمَا رَحْمَتُكَ فِي السَّمَاءِ؛ اجْعَلْ رَحْمَتَكَ فِي الْأَرْضِ، اغْفِرْ لَنَا حُوْبَنَا وَخَطَايَانَا، أَنْتَ رَبُّ الطَّيِّبِينَ، أَنْزِلْ رَحْمَةً مِنْ رَحْمَتِك وَشِفَاءً مِنْ شِفَائِكَ عَلَى هَذَا الْوَجَعِ، فَيَبْرَأُ**» حديث حسن، رَوَاهُ أَبُو دَاوُد وغيره

وَقَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «**أَلَا تَأْمَنُونِي وَأَنَا أَمِينُ مَنْ فِي السَّمَاءِ**» حديث صحيح

وَقَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «**وَالْعَرْشُ فَوْقَ الْمَاءِ، وَاللَّهُ فَوْقَ الْعَرْشِ وَهُوَ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ**» . حديث حسن، رَوَاهُ أَبُو دَاوُد وَغَيْرُهُ

وَقَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْجَارِيَةِ: «**أَيْنَ اللَّهُ؟**» **قَالَتْ: فِي السَّمَاءِ، قَالَ: «مَنْ أَنَا؟» قَالَتْ: أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ، قَالَ: «أَعْتِقْهَا؛ فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ»** . رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَقَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «**أَفْضَلُ الْإِيمَانِ: أَنْ تَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ مَعَكَ حَيْثُمَا كُنْتَ**» . حَدِيثٌ حَسَنٌ.

وَقَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «**إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ إِلَى الصَّلَاةِ؛ فَلَا يَبْصُقْ قِبَلَ وَجْهِهِ، وَلَا عَنْ يَمِينِهِ، فَإِنَّ اللَّهَ قِبَلَ وَجْهِهِ؛ وَلَكِنْ عَنْ يَسَارِهِ، أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ**» . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

ترجمہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: «مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ، لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تُرْجُمَانٌ»

تم میں سے ہر ایک سے اللہ تعالیٰ براہ راست گفتگو فرمائے گا، اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔(متفق عليه، صحيح البخاري، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى: وجوه يومئذ ناضرة ---، ح: 7443۔ وصحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب الحث على الصدقة ---، ح: 1016)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مریض کو دم کرنے کے بارے میں فرمان:

«رَبُّنَا اللَّهُ الَّذِي فِي السَّمَاءِ! تَقَدَّسَ اسْمُكَ، أَمْرُكَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ؛ كَمَا رَحْمَتُكَ فِي السَّمَاءِ؛ اجْعَلْ رَحْمَتَكَ فِي الْأَرْضِ، اغْفِرْ لَنَا حُوْبَنَا وَخَطَايَانَا، أَنْتَ رَبُّ الطَّيِّبِينَ، أَنْزِلْ رَحْمَةً مِنْ رَحْمَتِكَ وَشِفَاءً مِنْ شِفَائِكَ عَلَى هَذَا الْوَجَعِ» فَيَبْرَأُ»

”ہمارا رب وہ اللہ ہے جو آسمان میں ہے۔ اے اللہ! تیرا نام مقدس ہے۔ تیرا حکم آسمان وزمین میں نافذ ہے۔ جس طرح تیری رحمت آسمان میں ہے، اسی طرح اپنی رحمت زمین میں بھی اتار دے۔ ہمارے گناہوں اور غلطیوں کو بخش دے۔ تو اچھے لوگوں کا رب ہے۔ اس بیماری پر اپنی رحمتوں میں سے ایک رحمت اور اپنی شفاء میں سے تھوڑی سی شفاء نازل فرما دے۔“ جب یہ دم کیا جائے گا تو مریض ٹھیک ہو جائے گا۔ (سنن أبي داؤد، كتاب الطب، باب كيف الرقى، ح: 3892، ضعیف ہے۔)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: «أَلَا تَأْمَنُونِي وَأَنَا أَمِينُ مَنْ فِي السَّمَاءِ»

کیا تم مجھے امین نہیں سمجھتے؟ حالانکہ میں اس ذات کا امین ہوں جو آسمان میں ہے۔(متفق عليه، صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب بعث علي بن أبي طالب ---، ح: 4351۔ وصحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب ذكر الخوارج وصفاتهم، ح: 1064)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: «وَالْعَرْشُ فَوْقَ الْمَاءِ، وَاللَّهُ فَوْقَ الْعَرْشِ وَهُوَ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ»

عرش پانی پر ہے اور اللہ عرش پر ہے۔ وہ تمہاری ہر بات سے باخبر ہے۔

(كتاب التوحيد لابن خزيمه، ج: 1، ص: 242، ح: 149۔ یہ روایت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے۔)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک لونڈی سے یہ پوچھنا: «أَيْنَ اللَّهُ؟» اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا: آسمان پر۔ پوچھا: «مَنْ أَنَا؟» میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا: «أَعْتِقْهَا؛ فَإِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ»

اس کو آزاد کر دو، یہ مؤمن ہے۔[51] (صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب تحريم الكلام في الصلاة ---، ح: 537)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان: «أَفْضَلُ الْإِيمَانِ: أَنْ تَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ مَعَكَ حَيْثُمَا كُنْتَ»

بہترین ایمان یہ ہے کہ آپ اس بات پر یقین رکھیں کہ اللہ آپ کے ساتھ ہے، خواہ آپ کہیں بھی ہوں۔ (المعجم الأوسط للطبراني، ح: 8796۔ علامہ البانی نے سلسلہ ضعیفہ، ح:2589 میں ضعیف قرار دیا ہے۔)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان: «إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ إِلَى الصَّلَاةِ؛ فَلَا يَبْصُقْ قِبَلَ وَجْهِهِ، وَلَا عَنْ يَمِينِهِ، فَإِنَّ اللَّهَ قِبَلَ وَجْهِهِ؛ وَلَكِنْ عَنْ يَسَارِهِ، أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ».

جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے کھڑا ہو تو اپنے سامنے یا دائیں طرف نہ تھوکے کیونکہ اللہ اس کے سامنے ہوتا ہے، بلکہ وہ اپنی بائیں طرف یا پھر پاؤں کے نیچے تھوک لے۔ (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب حك البصاق باليد من المسجد، ح: 406۔ وصحيح مسلم، كتاب الزهد، باب حديث جابر الطويل ---، ح: 3008)

تشریح:

---

(51) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ کافر غلام کو آزاد کرنا شرعی طور پر جائز نہیں ہے۔ (العثیمین: 2/44)

یہ احادیث بھی ان احادیث کا ایک حصہ ہیں جن میں صفات باری تعالیٰ کا تذکرہ ہے۔ ان میں سے چند پیچھے بھی گزری ہیں۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے انہیں اس لیے ذکر کیا تا کہ صفات باری تعالیٰ کے بارے میں آنے والی آیات واحادیث کا ایک نمونہ سامنے آجائے اور ایک مسلمان شخص ان کے علاوہ دیگر آیات واحادیث کو بھی جان لے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے اسماء وصفات کے بارے میں آنے والی چند آیات اور احادیث کو پیش کیا ہے۔ اہل سنت والجماعت ان تمام اسماء وصفات پر ایمان رکھتے ہیں جن کا ان آیات واحادیث میں تذکرہ ہے اور انہیں بغیر کسی تحریف، نفی، کیفیت بیان کیے اور تشبیہ دیے ایسے تسلیم کرتے ہیں جیسے یہ مذکور ہیں۔ جہمیہ اور معتزلہ کی وہ ان کا انکار نہیں کرتے۔ ماتریدیہ اور اشاعرہ وغیرہ کی طرح ان کی تاویل بھی نہیں کرتے، بلکہ اسماء وصفات کو جیسے وہ مذکور ہیں، انہیں ایسے ہی تسلیم کرتے ہیں۔ ان پر ایمان لاتے ہیں اوران کا اثبات کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی مشابہت سے پاک قرار دیتے ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک نفی درست ہے، نہ تشبیہ۔ آیات بھی ثابت ہیں اور احادیث بھی۔ ان کا معنیٰ صحیح ہے۔ اس لیے کسی تشبیہ، تمثیل اور نفی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

مذکورہ احادیث میں ایک یہ ہے، نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

«مَا مِنكُمْ أَحَدٌ إِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تُرْجُمَانٌ، فَيَنْظُرُ أَيْمَنَ مِنْهُ فَلاَ يَرَى إِلَّا مَا قَدَّمَ مِنْ عَمَلِهِ، وَيَنْظُرُ أَشْأَمَ مِنْهُ فَلاَ يَرَى إِلَّا مَا قَدَّمَ، وَيَنْظُرُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلاَ يَرَى إِلَّا النَّارَ تِلْقَاءَ وَجْهِهِ، فَاتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، فَمَنْ لَمْ يَجِدْ وَلَوْ بِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ»

تم میں سے ہر شخص سے اس کا رب اس حال میں کلام کرے گا کہ اس کے اور اس کے رب کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہو گا یعنی کوئی واسطہ نہیں ہو گا۔ یہ اپنے دائیں طرف دیکھے گا تو صرف وہی اعمال نظر آئیں گے جو آگے بھیجے ہوں گے۔

بائیں طرف دیکھے گا تو وہی کچھ نظر آئے گا جو آگے بھیجا تھا۔ سامنے دیکھے گا تو آگ ہی آگ نظر آئے گی۔ اس لیے آگ سے اپنے آپ کو بچالو اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے ہی کے ذریعے ہو، اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اچھی بات ہی کے ذریعہ ہو۔ (متفق عليه، صحيح البخاري: 7512۔ وصحيح مسلم: 1016)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ روزِ قیامت سب سے کلام ہو گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہر ایک سے اس کا رب کلام کرے گا۔ لیکن برے لوگوں سے ایسے بات ہو گی جو انہیں نقصان دے گی اور غصے والا کلام ہو گا۔ جبکہ نیک لوگوں سے ایسے بات ہو گی جو انہیں خوش کر دے گی۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے: «**أَلَا تَأْمَنُونِي وَأَنَا أَمِينُ مَنْ فِي السَّمَاءِ**» کیا تم مجھے امین نہیں سمجھتے؟ حالانکہ میں اس ذات کا امین ہوں جو آسمان میں ہے۔(متفق عليه، صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب بعث علي بن أبي طالب ---، ح: 4351۔ وصحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب ذكر الخوارج وصفاتهم، ح: 1064)

اس میں «**السماء**» کا مطلب ہے بلندی۔ اسی طرح اس حدیث: «**رَبُّنَا اللَّهُ الَّذِي فِي السَّمَاءِ! تَقَدَّسَ اسْمُكَ**» ہمارا رب وہ اللہ ہے جو آسمان میں ہے۔ اے اللہ! تیرا نام مقدس ہے۔(سنن أبي داؤد: 3892۔ ضعيف) میں بھی «**السماء**» سے مراد بلندی ہے۔ اسی طرح اس حدیث کے یہ الفاظ: « **أَنْزِلْ رَحْمَتَكَ**» ”اپنی رحمت نازل کر“ بھی بلندی کی دلیل ہیں۔

اسی طرح بکروں والی حدیث میں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان: «**وَالْعَرْشُ فَوْقَ الْمَاءِ، وَاللَّهُ فَوْقَ الْعَرْشِ وَهُوَ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ**» عرش پانی پر ہے اور اللہ عرش پر ہے۔وہ تمہاری ہر بات سے باخبر ہے۔ (كتاب التوحيد لابن خزيمه، ج: 1، ص: 242، ح: 149۔ یہ روایت عبد اللہ بن مسعود پر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے۔) بھی اسی معنیٰ میں ہے، جس معنیٰ میں یہ آیت ہے: ﴿**اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى** ۝۵﴾ وہ بے حد مہربان عرش پر بلند ہوا۔ [طه: 5]

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: «إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ إِلَى الصَّلَاةِ؛ فَلَا يَبْصُقْ قِبَلَ وَجْهِهِ، وَلَا عَنْ يَمِينِهِ، فَإِنَّ اللَّهَ قِبَلَ وَجْهِهِ؛ وَلَكِنْ عَنْ يَسَارِهِ، أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ» جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے کھڑا ہو تو اپنے سامنے یا دائیں طرف نہ تھوکے کیونکہ اللہ اس کے سامنے ہوتا ہے، بلکہ وہ اپنی بائیں طرف یا پھر پاؤں کے نیچے تھوک لے۔(صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب حك البصاق باليد من المسجد، ح: 406۔ وصحيح مسلم، كتاب الزهد، باب حديث جابر الطويل ---، ح: 3008)

تو اللہ عرش پر ہے اور وہ نمازی کے سامنے بھی ہے، اس میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ وہ ہمارے ساتھ ہے، ہم جہاں بھی ہوتے ہیں، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ﴾

اور وہ تمہارے ساتھ ہے، جہاں بھی تم ہو۔ [الحديد: 4]

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: «أَفْضَلُ الْإِيمَانِ: أَنْ تَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ مَعَكَ حَيْثُمَا كُنْتَ» بہترین ایمان یہ ہے کہ آپ اس بات پر یقین رکھیں کہ اللہ آپ کے ساتھ ہے، خواہ آپ کہیں بھی ہوں۔ (المعجم الأوسط للطبراني، ح: 8796۔ علامہ البانی نے سلسلہ ضعیفہ،ح:2589 میں ضعیف قرار دیا ہے۔)

تو وہ اپنے علم کے اعتبار سے ساتھ ہے۔ اپنی ذات کے اعتبار سے وہ بلندی میں آسمانوں سے اوپر ہے اور ہمارے ساتھ اپنے علم اور احاطے کے اعتبار سے ہے۔ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ عرش پر ہے، تمام مخلوقات سے اوپر ہے اور اس کا علم ہر جگہ ہے۔ کوئی مخفی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ وہ سمندر والوں، زمین والوں اور تمام لوگوں کے ساتھ ہے۔ اپنے علم کے اعتبار سے وہ ان کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا اس واقعہ کے بارے میں فرمان ہے جب غارِ ثور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا تھا:﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ﴾

غم نہ کرو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔[التوبة: 40]

اسی طرح موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
﴿إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَىٰ ﴿46﴾﴾

بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، میں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔ [طہٰ: 46]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿46﴾﴾

اور صبر کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ [الأنفال: 46]

مذکورہ بالا آیات میں جس معیت کا تذکرہ ہے، وہ خاص معیت ہے۔ عام معیت کا تذکرہ درج ذیل آیت میں ہے: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ ۚ﴾

اور وہ تمہارے ساتھ ہے، جہاں بھی تم ہو۔ [الحدید: 4]

لہٰذا تمام اہل اسلام کے لیے ضروری ہے کہ اس بات کو اچھی طرح جان لیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ اپنے علم اور احاطے کے اعتبار سے ہے، جبکہ اپنے اولیاء کے ساتھ اپنے علم، حفاظت اور عنایت کے اعتبار سے ہے۔ خود وہ اپنی تمام مخلوقات سے اوپر عرش پر ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۖ﴾

بے شک تمہارا رب اللہ ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر بلند ہوا۔ [الأعراف: 54]

تو اللہ تعالیٰ خود عرش پر ہے اور اس کا علم ہر جگہ پر ہے۔

ہر عاقل و بالغ اور مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اہل سنت والجماعت والا عقیدہ اپنائے کہ اللہ تعالیٰ بلندی پر ہے، اپنے عرش پر مستوی ہے، اس سے کوئی مخفی چیز پوشیدہ نہیں ہے اور اس کا علم سارے بندوں کو گھیرے ہوئے ہے، چاہے وہ جہاں بھی ہوں۔ اللہ تعالیٰ سب کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کے عرش پر بلند ہونے کا اثبات، مخلوق سے اس کی قربت اور معیت کے خلاف نہیں ہے:

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَقَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «**اَللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ، وَرَبَّ الْأَرْضِ، وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ، فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوَى، مُنَزِّلَ التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِي وَمِنْ شَرِّ كُلِّ دَابَّةٍ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا. أَنْتَ الْأَوَّلُ؛ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْآخِرُ؛ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الظَّاهِرُ؛ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْبَاطِنُ؛ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ، اقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ، وَأَغْنِنِي مِنَ الْفَقْرِ**» رَوَاهُ مُسْلِمٌ

وَقَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا رَفَعَ الصَّحَابَةُ أَصْوَاتَهُمْ بِالذِّكْرِ: «**أَيُّهَا النَّاسُ! اِرْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ؛ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا؛ إِنَّمَا تَدْعُونَ سَمِيعًا قَرِيبًا؛ إِنَّ الَّذِي تَدْعُونَهُ أَقْرَبُ إِلَى أَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهِ**» مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

وَقَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «**إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ؛ كَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَا تُضَامُّونَ فِي رُؤْيَتِهِ؛ فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تُغْلَبُوا عَلَى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ، وَصَلَاةٍ قَبْلَ غُرُوبِهَا؛ فَافْعَلُوا**» . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، إِلَى أَمْثَالِ هَذِهِ الْأَحَادِيثِ الَّتِي يُخْبِرُ فِيهَا رَسُولُ اللَّهِ عَنْ رَبِّهِ؛ بِمَا يُخْبِرُ بِهِ.

فَإِنَّ الْفِرْقَةَ النَّاجِيَةَ أَهْلَ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ يُؤْمِنُونَ بِذَلِكَ، كَمَا يُؤْمِنُونَ بِمَا أَخْبَرَ اللَّهُ بِهِ فِي كِتَابِهِ، مِنْ غَيْرِ تَحْرِيفٍ وَلَا تَعْطِيلٍ، وَمِنْ غَيْرِ تَكْيِيفٍ وَلَا تَمْثِيلٍ، بَلْ هُمُ الْوَسَطُ فِي فِرَقِ الْأُمَّةِ؛ كَمَا أَنَّ الْأُمَّةَ هِيَ الْوَسَطُ فِي الْأُمَمِ، فَهُمْ وَسَطٌ فِي بَابِ «صِفَاتِ اللَّهِ» سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى بَيْنَ أَهْلِ التَّعْطِيلِ «الْجَهْمِيَّةِ» ، وَبَيْنَ أَهْلِ التَّمْثِيلِ «الْمُشَبِّهَةِ» .

وَهُمْ وَسَطٌ فِي بَابِ «أَفْعَالِ اللَّهِ تَعَالَى» بَيْنَ «الْجَبْرِيَّةِ» «وَالْقَدَرِيَّةِ» وَغَيْرِهِمْ، وَفِي بَابِ «وَعِيدِ اللَّهِ» بَيْنَ «الْمُرْجِئَةِ» ، وَبَيْنَ «الْوَعِيدِيَّةِ» مِنَ «الْقَدَرِيَّةِ» وَغَيْرِهِمْ، وَفِي «بَابِ أَسْمَاءِ الْإِيمَانِ وَالدِّينِ» بَيْنَ «الْحَرُورِيَّةِ» «وَالْمُعْتَزِلَةِ» ، وَبَيْنَ «الْمُرْجِئَةِ» «وَالْجَهْمِيَّةِ»، وَفِي «أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» بَيْنَ «الرَّافِضَةِ» «وَالْخَوَارِجِ»

ترجمہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ، وَرَبَّ الْأَرْضِ، وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ، فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوَى، مُنَزِّلَ التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِي وَمِنْ شَرِّ كُلِّ دَابَّةٍ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا. أَنْتَ الْأَوَّلُ؛ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْآخِرُ؛ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الظَّاهِرُ؛ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْبَاطِنُ؛ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ، اقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ، وَأَغْنِنِي مِنَ الْفَقْرِ»

اے اللہ! ساتوں آسمانوں اور زمین کے رب! عرش عظیم کے مالک! ہمارے اور ہر چیز کے رب! دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والے! تورات، انجیل اور قرآن مجید کے نازل کرنے والے! میں اپنے نفس کے شر اور زمین پر چلنے والے ہر اس جاندار کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں جس کی پیشانی تیرے قبضے میں ہے۔ تو ہی اول ہے، تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں۔ تو ہی آخر ہے، تیرے بعد کوئی چیز نہیں۔ تو ہی ظاہر ہے، تیرے اوپر کوئی چیز نہیں۔ تو ہی باطن ہے، تجھ سے زیادہ مخفی کوئی چیز نہیں۔ میرا قرض اتار دے اور میری محتاجی ختم کر دے۔ (صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب ما يقول عند النوم، ح: 2713)

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ کا ذکر باآواز بلند کرنا شروع کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! اِرْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ؛ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا؛ إِنَّمَا تَدْعُونَ سَمِيعًا بَصِيْرًا قَرِيبًا؛ إِنَّ الَّذِي تَدْعُونَهُ أَقْرَبُ إِلَى أَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهِ»

لوگو! اپنے آپ پر ترس کھاؤ۔ تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو، بلکہ خوب سننے والے، سب کچھ دیکھنے والے اور قریب کو پکار رہے ہو۔ جسے تم پکار رہے ہو، وہ تم سے تمہاری سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے۔(متفق عليه، صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب الدعاء إذا علا عقبة، ح: 6384۔ وصحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب استحباب خفض الصوت بالذكر، ح: 2704۔ آخری جملہ صرف صحیح مسلم میں ہے۔)

اسی طرح آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

«إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ؛ كَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَا تُضَامُّونَ فِي رُؤْيَتِهِ؛ فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تُغْلَبُوا عَلَى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ، وَصَلَاةٍ قَبْلَ غُرُوبِهَا؛ فَافْعَلُوا»

تم اپنے رب کو (قیامت والے دن) اس طرح دیکھو گے جس طرح چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو۔ اس کو دیکھنے میں تم کوئی دشواری محسوس نہیں کرو گے۔ لہٰذا اگر تم ایسا کرسکتے ہو کہ سورج نکلنے سے پہلے کی نماز (یعنی نمازِ فجر) اور سورج غروب ہونے سے پہلے کی نماز (یعنی نمازِ عصر) تم سے فوت نہ ہو، تو ان نمازوں کو فوت نہ ہونے دو۔(متفق عليه، صحيح البخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب فضل صلاة العصر، ح: 554۔ وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب فضل صلاتي الصبح والعصر والمحافظة عليهما، ح: 633۔ الفاظ مسلم کے ہیں۔)

ان کے علاوہ اسی طرح کی اور احادیث بھی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے بارے میں بتاتے ہیں۔

تو فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت ان احادیث پر بھی ایسے ہی بغیر کسی تحریف، نفی، کیفیت بیان کیے اور تشبیہ دیے ایمان رکھتے ہیں جیسے قرآن مجید میں اللہ

تعالیٰ کی اپنے بارے میں بتائی ہوئی باتوں پر رکھتے ہیں۔ بلکہ وہ امت کے تمام فرقوں میں ایسے ہی معتدل ہیں جیسے یہ امت دیگر امتوں میں معتدل امت ہے۔[52] وہ اللہ

---

(52) وسط کا مطلب ہے: بہترین۔ یعنی یہ لوگ اس امت کے تمام فرقوں سے بہتر ہیں۔ اور امت محمدیہ تمام امتوں سے بہتر امت ہے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ اور اسی طرح ہم نے تمھیں سب سے بہتر امت بنایا۔[البقرة: 143] یعنی اللہ تعالیٰ نے اس امت کو تمام امتوں سے بہتر اور افضل بنایا ہے۔

امت سے مراد امت اجابت ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کی امت کی دو قسمیں ہیں:

(1) امتِ دعوت (2) امتِ اجابت

وہ لوگ جنھوں نے نبی کریم ﷺ کی اتباع اور اطاعت نہیں کی وہ آپ کی امتِ دعوت سے تعلق رکھتے ہیں۔

جن لوگوں نے آپ ﷺ کی تصدیق کی، آپ کی اتباع اور اطاعت کی اور آپ کے احکامات کی پیروی کی اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کو عمل پیرا ہوئے، وہ امتِ اجابت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس آیت میں یہی لوگ مراد ہیں: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ اور اسی طرح ہم نے تمھیں سب سے بہتر امت بنایا۔[البقرة: 143]

۔۔۔ امتِ اجابت یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں، قرآن پڑھتے ہیں اور اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہیں، یہ لوگ مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اور سبھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ امتِ محمدیہ کا حصہ ہیں۔ جہمیہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ امتِ محمدیہ کا حصہ ہیں۔ کہتے ہیں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول تھے، ہم آپ ﷺ کی شریعت کو تسلیم کرتے ہیں اور ان کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔ ہم نماز، روزہ کرتے ہیں، آخرت کے لیے اعمال کرتے ہیں اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کے قائل ہیں۔ اسی طرح اللہ کی صفات کو مخلوق کی صفات سے تشبیہ دینے والے مشبہ بھی یہی کہتے ہیں۔ معتزلہ بھی یہی کہتے ہیں۔ حروریہ یعنی خوارج بھی یہی کہتے ہیں۔ جبریہ، وعیدیہ اور روافض سبھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پیروکار ہیں۔

لیکن حقیقی پیروکار تو اہل سنت والجماعت ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو صحیح عقیدے کے مالک ہیں۔ لہٰذا یہی اس امت کے فرقوں میں بہتر ہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے بتایا تھا کہ یہ امت

تعالیٰ کی صفات کے مسئلے میں صفات کی نفی کرنے والے ''جہمیہ'' اور مخلوق سے تشبیہ دینے والے ''مشبہ'' کے درمیان اعتدال کے دامن کو تھامے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے افعال کے مسئلہ میں وہ ''جبریہ'' اور ''قدریہ'' وغیرہ کے درمیان اعتدال والی راہ اپنائے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وعیدوں والے مسئلے میں وہ ''مرجئہ'' اور ''قدریہ'' میں سے ''وعیدیہ'' وغیرہ کے درمیان معتدل رویہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ دین اور ایمان کے ناموں کے مسئلہ میں وہ ''حروریہ'' و''معتزلہ'' اور ''مرجئہ'' و''جہمیہ'' کے درمیان راہ اعتدال پر چل رہے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے اصحاب کے معاملے میں وہ رافضیوں (53) اور خوارج کے درمیان اعتدال کو پسند کرتے ہیں۔

بہتر یا تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، ایک کے علاوہ سبھی جہنم میں جائیں گے۔ یہ ایک گروہ اہل سنت والجماعت کا ہے۔ یہ اسی دین پر عمل پیرا ہیں جس پر نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ یہی فرقہ ناجیہ اور قیامت تک مدد یافتہ گروہ ہے۔ لہٰذا یہی اس امت کے فرقوں میں بہترین لوگ ہیں۔(الجبرین:2/57-56)

(53) رافضیوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو آج کل شیعہ کہلاتے ہیں۔ یہی رافضی ہیں کیونکہ انہوں نے سیدنا زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رحمہ اللہ کو چھوڑ دیا تھا۔ (رافضی کا مطلب ہے: چھوڑنے والا۔) آج کل زید بن علی کی طرف منسوب ہونے والے زیدی شیعہ کہلاتے ہیں۔ شیعہ نے زید بن علی کو اس لیے چھوڑا تھا کیونکہ انہوں نے اُن سے پوچھا: ابو بکر و عمر کے بارے میں آپ کا کیا نظریہ ہے؟ پوچھنے کا مقصد یہ تھا کہ زید بن علی انہیں برا بھلا کہیں گے اور لعن طعن کریں گے، لیکن اللہ ان سے راضی ہو، انہوں نے جواب دیا: میرے دادا یعنی رسول اللہ ﷺ کے بہت اچھے وزیر مشیر تھے۔ پھر زید بن علی نے ان دونوں کی تعریف کرنا شروع کر دی۔ اس پر وہ لوگ غصہ میں آ گئے اور انہیں چھوڑ گئے۔ اس پر ان کا نام رافضہ پڑ گیا۔

ان رافضیوں کے اپنے ہی اصول ہیں جو ان کے ہاں معروف ہیں۔ ان کا سب سے برا اصول امامت والا ہے جو امام کی عصمت پر مشتمل ہے اور یہ کہ امام بولنے میں کوئی غلطی نہیں کرتا، اور یہ کہ امامت کا مرتبہ نبوت سے اعلیٰ ہے کیونکہ امام براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہدایات لیتا ہے جبکہ

تشریح:

شیخ الاسلام رحمہ اللہ یہاں صفات سے متعلق بقیہ احادیث ذکر کی ہیں۔ ان میں ایک حدیث یہ ہے:

«اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ، وَرَبَّ الْأَرْضِ، وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ، فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوَى، مُنَزِّلَ التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِي وَمِنْ شَرِّ كُلِّ دَابَّةٍ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا. أَنْتَ الْأَوَّلُ؛ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْآخِرُ؛ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الظَّاهِرُ؛ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ، وَأَنْتَ الْبَاطِنُ؛ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ، اقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ، وَأَغْنِنِي مِنَ الْفَقْرِ»

اے اللہ! ساتوں آسمانوں اور زمین کے رب! عرش عظیم کے مالک! ہمارے اور ہر چیز کے رب! دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والے! تورات، انجیل اور قرآن مجید کے نازل کرنے والے! میں اپنے نفس کے شر اور زمین پر چلنے والے ہر اس جاندار کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں جس کی پیشانی تیرے قبضے میں ہے۔ تو ہی اول ہے،

نبی کو ایک قاصد یعنی جبریل کے ذریعے پیغامات ملتے ہیں۔ ان کے ہاں امام کبھی بھی غلطی نہیں کرتا۔ بلکہ ان میں سے بعض غالی (مبالغہ آرائی کرنے والے) تو یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ امام خالق ہوتا ہے۔ وہ چیزوں کو کہتا ہے کہ ہو جاؤ، تو وہ ہو جاتی ہیں۔

یہ اس بات کے قائل ہیں کہ صحابہ کافر ہیں اور سارے کے سارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے۔ حتی کہ نعوذ باللہ ان کے نزدیک ابو بکر و عمر بھی کافر تھے اور منافق ہو کر مرے۔ اہل بیت اور چند صحابہ جنہیں یہ اہل بیت کے دوست کہتے ہیں، ان کے علاوہ سب کو کافر اور مرتد سمجھتے ہیں۔ ابن حزم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ان میں سے کچھ غالیوں نے سیدنا علی بن ابی طالب کو بھی کافر کہہ دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ چونکہ علی نے ابو بکر و عمر کی بیعت کر کے ظلم و باطل کا اقرار کیا تھا حالانکہ ان پر یہ لازم تھا کہ ان کی بیعت سے انکار کر دیتے۔ لیکن جب انہوں نے حق و عدل کا دامن نہیں تھاما اور ظلم کی موافقت کی، لہٰذا ظالم و کافر ہو گئے۔ (العثیمین: 2/ 75-74)

تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں۔ تو ہی آخر ہے، تیرے بعد کوئی چیز نہیں۔ تو ہی ظاہر ہے، تیرے اوپر کوئی چیز نہیں۔ تو ہی باطن ہے، تجھ سے زیادہ مخفی کوئی چیز نہیں۔ میرا قرض اتار دے اور میری محتاجی ختم کر دے۔ (صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب ما یقول عند النوم، ح: 2713)

صحیح مسلم میں موجود اس عظیم حدیث میں بہت سی صفات کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عرش پر ہونا، زمین و آسمان کا رب ہونا، تورات، انجیل اور قرآن مجید کو نازل کرنے والا ہونا، یہ سب اللہ تعالیٰ کے علو (بلندی) کے دلائل ہیں۔ ہر چیز اسی کی طرف سے نازل ہوتی ہے۔ اسی کی طرف سے حکم نازل ہوتا ہے۔ ساری وحی اسی کی طرف سے نازل ہوتی ہے اور وہ اپنے عرش پر تمام مخلوقات سے اوپر ہے۔

تمام پیشانیوں کا اس کے ہاتھ میں ہونا، جن میں وہ اپنی مرضی سے اختیار چلاتا ہے۔ اس کا اول ہونا، کہ اس سے پہلے کوئی چیز نہیں، اس کا آخر ہونا کہ اس کے بعد کوئی چیز نہیں، اس کا ظاہر ہونا کہ اس سے اوپر کوئی چیز نہیں اور اس کا باطن ہونا کہ اس سے زیادہ پوشیدہ کوئی چیز نہیں۔ جیسا کہ یہ بات قرآن عظیم میں بھی موجود ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿3﴾﴾

وہی سب سے پہلے ہے اور سب سے پیچھے ہے اور ظاہر ہے اور چھپا ہوا ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ [الحدید: 3]

وہی اول ہے، اس سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی۔ وہی آخر ہے، اس کے بعد کوئی چیز نہیں ہوگی۔ وہ دائمی اور کامل ہے۔ ہمیشہ سے موجود ہے۔ اس سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ معدوم بھی نہ تھا۔ بلکہ ہمیشہ سے موجود ہے۔ وہی ظاہر ہے کہ جو تمام مخلوقات کے اوپر ہے۔ بلندی میں اس سے اوپر کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ عرش پر ہے۔ اور عرش مخلوقات کی چھت ہے۔ وہی باطن ہے۔ اس سے زیادہ پوشیدہ کوئی چیز نہیں

ہے۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ بندوں کے سارے حالات جانتا ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہوتا ہے۔ اس دعا میں قرضوں کی ادائیگی اور محتاجی سے دوری مانگنے کا وسیلہ ہے۔

اسی طرح دیدار والی حدیث ہے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

«إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَمَا تَرَوْنَ الشَّمْسَ صَحْوًا لَيْسَ دُوْنَهَا سَحَابٌ، وَكَمَا تَرَوْنَ الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَا تُضَامُّوْنَ فِيْ رُؤْيَتِهِ»

یقیناً تم قیامت والے دن اپنے رب کو دیکھو گے جیسے تم سورج کو کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہو، جب اس کے آگے بادل نہیں ہوتے اور جیسے تم چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو۔ اس کے دیدار میں تم کسی قسم کی تنگی محسوس نہیں کرو گے۔(متفق عليه، صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله: إن الله لا يظلم مثقال ذرة، ح: 4581۔ وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب معرفة طريق الرؤية، ح: 183)

اس حدیث میں موجود لفظ: **«تُضَامُّوْنَ»** ''ضیم'' سے ہے جس کا مطلب ہے: ظلم کرنا، زیادتی کرنا۔ ایک روایت میں **«تَضَّامُّوْنَ»** ہے جو ''تضام'' سے نکلا ہے۔ اس کا مطلب ہے: بھیڑ اور رش۔ یعنی تم بھیڑ میں نہیں پھنسو گے کیونکہ اس کا دیدار بالکل نمایاں ہو گا، کسی بھیڑ کی ضرورت نہیں ہو گی۔ مخفی چیز کو دیکھنے کے لیے لوگ ایک دوسرے پر چڑھ جاتے ہیں اور ہر کوئی یہی کہتا ہے کہ بس میں دیکھ لوں کیونکہ اس میں پوشیدگی ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا دیدار بالکل نمایاں اور واضح ہو گا جیسے سورج بالکل نمایاں ہوتا ہے جب اس کے آگے بادل نہ ہو۔ اسے دیکھنے کے لیے کسی بھیڑ، زیادتی اور رش کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ہر کوئی اپنی جگہ پر رہ کر اسے بڑی آسانی سے دیکھ لیتا ہے۔

اسی طرح وہ حدیث ہے جس میں یہ ہے کہ جب صحابہ کرام کی آوازیں بلند ہوئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: **«أَيُّهَا النَّاسُ! اِرْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ؛ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا»**

لوگو! اپنے آپ پر ترس کھاؤ۔ تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو۔ (متفق علیه)

اس طرح آپ ﷺ نے ان پر یہ واضح کر دیا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے تمام بندوں کی بات اور دعا سنتا ہے۔ شریعت کے خلاف اونچی آواز سے اسے پکارنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اعتدال کے ساتھ اونچی ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اسی لیے فرمایا: «لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا» تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو۔ وہ لوگ اپنی آوازیں اونچی کر رہے تھے اور آپ ﷺ نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا کہ آواز اونچی کرنے میں مبالغہ نہ کریں۔ البتہ تلبیہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس میں اونچی آواز ہی مطلوب ہے۔

لیکن معمول کی تکبیرات درمیانی آواز میں ہونی چاہییں۔ انہیں مبالغہ کے ساتھ اونچی آواز میں پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکارتے۔ وہ عرش پر ہے اور اپنے بندوں کے ساتھ بھی۔ وہ ان کی آوازیں اور باتیں سنتا ہے۔ اسی لیے فرمان الٰہی ہے: ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ﴾

اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو بے شک میں قریب ہوں، میں پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو میں اسکی دعا قبول کرتا ہوں۔ [البقرة: 186]

اور نبی کریم ﷺ کا فرمان گرامی ہے: «إِنَّ الَّذِي تَدْعُونَهُ أَقْرَبُ إِلَى أَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهِ»

جسے تم پکار رہے ہو، وہ تم سے تمہاری سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب استحباب خفض الصوت بالذکر، ح: 2704)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ قریب ہے، اسے مبالغہ آمیز اونچی آوازوں سے پکارنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن تھوڑی سی آواز بلند کرنا ذکر الٰہی کے لیے ہوتا ہے، اس وجہ سے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے ذکر کرتے وقت آواز کو تھوڑا بلند کرنا ذکر کے اظہار کے لیے ہوتا ہے۔ جیسے تلبیہ پڑھتے ہوئے لوگ اونچی آواز نکالتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کا اظہار ہو۔ وگرنہ اللہ تعالیٰ تو چھپے راز اور ان سے بھی مخفی باتیں جانتا ہے۔ بندے اگرچہ چھپائیں، لیکن اللہ تعالیٰ ان کی آوازیں سنتا ہے۔ کوئی پوشیدہ چیز اس سے مخفی نہیں ہے۔ وہ خوب سننے والا، قریب ہے۔ وہ ان کی آوازیں سنتا ہے اگرچہ وہ آہستہ بولیں۔ وہ ان کے حالات جانتا ہے اگرچہ وہ چھپائیں۔ کوئی مخفی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔

ہر مؤمن کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس بات پر بھی کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا، قریب ہے۔ وہ اپنے بندوں کے حالات جانتا ہے۔ ان کی آوازیں سنتا ہے۔ ان کی دعاؤں سے واقف ہے۔ اس کے تمام مخلوقات سے اوپر عرش پر ہونے کے باوجود کوئی پوشیدہ چیز بھی اس سے مخفی نہیں ہے۔ یہی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے جو بدعتیوں کے عقیدے کے برخلاف ہے۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بالکل سیدھا اور تمام مسائل میں اعتدال کا دامن تھامے ہوئے ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اعتدال کی راہ اپنائے ہوئے ہیں جیسے یہ امت دیگر امتوں کے مقابلے میں معتدل امت ہے۔ تو اہل سنت بھی اس مسئلے میں بالکل اعتدال پر ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا بغیر کسی تحریف، نفی، کیفیت بیان کیے اور تشبیہ دیے اثبات کرتے ہیں۔ یعنی وہ ایسے تسلیم کرتے ہیں جیسے وہ مذکور ہیں۔ ان میں تحریف نہیں کرتے، ان کی نفی نہیں کرتے اور نہ انہیں مخلوق کی صفات سے تشبیہ دیتے ہیں جیسے جہمیہ اور معتزلہ کرتے ہیں۔

بلکہ وہ ایسا اثبات کرتے ہیں جو تشبیہ سے پاک ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی مشابہت سے اس طرح پاک قرار دیتے ہیں کہ نفی نہیں کرتے۔ لہٰذا اثبات تشبیہ کا محتاج نہیں ہے۔ اور تنزیہ (پاک قرار دینا) نفی کی محتاج نہیں ہے۔ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کو بغیر کسی تحریف، نفی، کیفیت بیان کیے اور تشبیہ دیے اس انداز میں ثابت کرتے ہیں جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے مسئلے میں نفی کرنے والے جہمیہ اور تشبیہ دینے والے مشبہ کے درمیان اعتدال کو اپنائے ہوئے ہیں۔

جہمیہ: اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی نفی کرتے ہیں۔

مشبہ: اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا اثبات تو کرتے ہیں لیکن کہتے ہیں کہ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ جیسا ہے۔ اس کی آواز میری آواز جیسی ہے۔ اس کا پاؤں میرے پاؤں جیسا ہے۔ اس طرح وہ تشبیہ دیتے ہیں اور یہ بہت بر اکام اور کفر وضلالت ہے۔ تو اہل سنت نفی کرنے والے جہمیہ اور تشبیہ دینے والے مشبہ کے درمیان اعتدال کو اپنائے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے افعال کے معاملے میں وہ وعیدیہ اور قدریہ کے درمیان اعتدال کو اپنائے ہوئے ہیں۔

وہ اللہ تعالیٰ کے افعال کا اثبات کرتے ہیں اور مانتے ہیں کہ وہ حق ہیں۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر رات آسمانِ دنیا پر نزول کرتا ہے۔ قیامت والے دن وہ اپنے بندوں کے سامنے ظاہر ہوگا اور وہ اس کے باعزت چہرے کا دیدار کریں گے، جیسے وہ سورج کو بالکل صاف اور واضح طور پر دیکھتے ہیں جب اس کے سامنے کوئی بادل نہیں ہوتا۔ وہ راضی ہوتا ہے، غصہ ہوتا ہے، حکم دیتا ہے، منع کرتا ہے، پیدا کرتا ہے، رزق دیتا ہے۔ تو اس کے افعال ثابت ہیں۔ اس معاملے میں ان کے مخالف صفات کی نفی کرنے والے جہمیہ اور صفات کی بجائے صرف معانی سے خالی ناموں کا اثبات کرنے والے معتزلہ ہیں۔

اسی طرح اہل سنت والجماعت اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں وعیدیہ، جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وعیدیں ضرور نافذ ہو کر رہیں گی اور مرجئہ، جو اعمال کو مؤخر سمجھتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ایمان صرف قول اور عقیدہ کا نام ہے، اعمال اس میں شامل نہیں ہیں، کے درمیان راہِ اعتدال پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ وعیدیہ کا یہ نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وعیدیں ضرور نافذ ہوں گی۔ یہی معتزلہ ہیں جو کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب اگر گناہ گار ہی مر جائے تو ابدی جہنمی ہے۔ ان کے مقابلے میں مرجئہ کہتے ہیں کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کوئی نقصان نہیں دیتے۔ کیونکہ ان کا نظریہ ہے کہ عمل ایمان کا حصہ نہیں ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک قول اور تصدیق کافی ہے۔

لیکن اہل سنت والجماعت اس بات کے قائل ہیں کہ ایمان قول، عمل اور عقیدے کا نام ہے۔ گناہوں سے اس میں کمی واقع ہوتی ہے لیکن ان کی وجہ سے کوئی ابدی جہنمی نہیں بنتا جیسے معتزلہ کا نظریہ ہے، اور نہ ہی کافر ہوتا ہے جیسے خوارج کا نظریہ ہے۔ ہاں گناہ نقصان دہ ہوتے ہیں اور ایمان میں کمی اور اس کے خاتمے کا باعث بنتے ہیں۔ ان سے توبہ کرنے سے ایمان کامل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح وہ معتزلہ میں سے وعیدیہ، خوارج اور مرجئہ کے درمیان راہ اعتدال پر ہیں۔ خوارج کہتے ہیں کہ ایمان قول، عمل اور عقیدے کا نام ہے لیکن نہ کم ہوتا ہے، نہ زیادہ۔

اسی طرح معتزلہ کا ایک گروہ وعیدیہ بھی اس بات کا قائل ہے کہ ایمان قول، عمل اور عقیدے کا نام ہے، لیکن کم ہوتا ہے، نہ زیادہ۔ جو شخص گناہوں کا مرتکب ہو کر مرے تو وہ ابدی جہنمی ہو گا۔ خوارج اس پر یہ اضافہ کرتے ہیں کہ وہ جہنمی ہونے کے ساتھ ساتھ کافر بھی ہو گا۔

اہل سنت ان دونوں انتہاؤں کے درمیان راہ اعتدال پر ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ گناہ ایمان میں کمی اور کمزوری کا باعث ہیں لیکن کوئی شخص ان کے ارتکاب کی وجہ سے کافر نہیں ہو گا جبکہ اسے حلال نہ سمجھنے لگے اور نہ ہی وہ ابدی جہنمی ہے جیسے خوارج اور معتزلہ کا نظریہ ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں تباہ و برباد کرے۔

رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی وہ رافضیوں اور خارجیوں کے درمیان اعتدال کا دامن تھامے ہوئے ہیں۔ رافضیوں نے اہل بیت کے معاملے میں غلو سے کام لیا جبکہ خوارج نے ظلم وزیادتی کی، صحابہ سے لڑائی کی اور ان میں سے اکثر کو کافر قرار دیا۔

لیکن اہل سنت والجماعت تمام صحابہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی دعا کرتے ہیں اور سب کی عدالت پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کا یہ نظریہ ہے کہ صحابہ کرام انبیاء کے بعد ساری مخلوق سے افضل ہیں۔ وہ رافضیوں کے طریقے سے بیزار ہیں جو سیدنا علی اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے بارے میں غلو سے کام لیتے ہیں۔ اہل سنت نہ غلو کرتے ہیں، نہ ظلم وزیادتی۔ وہ صحابہ کے لیے اللہ سے رضامندی کی دعائیں کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ انبیاء ورسل کے بعد تمام مخلوق سے افضل سے ہیں۔ وہ اس امت کے بہترین لوگ تھے۔ لیکن وہ ان کی شان میں ایسے غلو نہیں کرتے جیسے رافضی علی اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کی شان میں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان سے بھی دعائیں کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ معصوم (گناہوں سے پاک) ہیں۔ لیکن اہل سنت کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اس طرح کا کوئی عقیدہ نہیں ہے۔ رافضیوں نے غلو سے کام لیا اور راہ راست سے پھسل گئے اور گمراہ ہوگئے جبکہ خوارج نے اس کے برعکس صحابہ کرام کے بارے میں ظلم وزیادتی سے کام لیا اور ان کے قابل اعتماد ہونے کو تسلیم نہ کیا۔

اہل سنت صحابہ کی عدالت (یعنی ان کے قابل اعتماد ہونے) اور فضیلت کا اثبات کرتے ہیں اور انہیں انبیاء کے بعد تمام مخلوق سے افضل جانتے ہیں۔ یہ رافضیوں کے غلو کے خلاف ہیں اور سیدنا علی اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے بارے میں کسی غلو سے کام نہیں لیتے، بلکہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے رضامندی کی دعا کرتے ہیں اور ان کی فضیلت پہچانتے ہیں۔ ان میں سے جس نے حق پر استقامت اختیار کی، اسے اہل خیر میں سے سمجھتے ہیں اور اس کے لیے بھلائی کی امید رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ایک صحابی ہیں اور چوتھے خلیفہ ہیں۔ انہیں بہت سی فضیلتیں حاصل ہیں۔ عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ لیکن ان کے حق میں غلو جائز ہے، نہ انہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پکارنا جائز ہے۔ انہیں معصوم سمجھنا جائز ہے، نہ یہ کہنا جائز ہے کہ اصلی نبی تو علی ہیں، جبریل علیہ السلام نے خیانت کر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا دیا تھا۔ یہ سب باتیں بالکل غلط اور باطل ہیں۔ یہ بات درست ہے کہ وہ افضل صحابہ میں سے ہیں۔

لیکن ان کے، فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم وغیرہ کے بارے میں غلو جائز نہیں ہے۔ بلکہ اہل بیت میں سے جو بھی حق پر ڈٹا رہا، اسے مؤمنوں والے حقوق حاصل ہیں۔ اس کے لیے دعا کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی طلب کی جائے گی لیکن اس کے بارے میں غلو سے کام نہیں لیا جائے گا۔ بلکہ ان کی فضیلت کا اعتراف کیا جائے گا اور یہ تسلیم کیا جائے گا کہ وہ بہترین مسلمان تھے۔ اہل سنت والجماعت کے ہاں ان کی قدر و منزلت معروف ہے۔ وہ کسی بھی صحابی کے بارے میں غلو سے کام نہیں لیتے اور نہ ہی کسی سے بے وفائی کرتے ہیں۔ بلکہ ان کے حق، فضیلت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں عطا کردہ قدر و منزلت کا اعتراف کرتے ہیں اور ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کا پورا خیال رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتوں آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہونے اور اپنے علم کے ذریعے مخلوق کے ساتھ ہونے پر ایمان واجب ہونے کا بیان:

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَقَدْ دَخَلَ فِيمَا ذَكَرْنَاهُ مِنَ الإِيمَانِ بِاللهِ، الإِيمَانُ بِمَا أَخْبَرَ اللهُ بِهِ فِي كِتَابِهِ، وَتَوَاتَرَ عَن رَّسُولِهِ ﷺ، وَأَجْمَعَ عَلَيْهِ سَلَفُ الأُمَّةِ؛ مِنْ أَنَّهُ سُبْحَانَهُ فَوْقَ سَمَاوَاتِهِ، عَلَى عَرْشِهِ، بَائِنٌ مِنْ خَلْقِهِ، وَهُوَ سُبْحَانَهُ مَعَهُمْ أَيْنَمَا كَانُوا، يَعْلَمُ مَا هُمْ عَامِلُونَ؛ كَمَا جَمَعَ بَيْنَ ذَلِكَ فِي قَوْلِهِ:

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۭ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ۭ وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ④﴾ [الحديد: 4]

وَلَيْسَ مَعْنَى قَوْلِهِ: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ﴾ أَنَّهُ مُخْتَلِطٌ بِالْخَلْقِ؛ فَإِنَّ هَذَا لاَ تُوجِبُهُ، اللُّغَةُ، بَلِ الْقَمَرُ آيَةٌ مِنْ آيَاتِ اللهِ مِنْ أَصْغَرِ مَخْلُوقَاتِهِ، وَهُوَ مَوْضُوعٌ فِي السَّمَاءِ، وَهُوَ مَعَ الْمُسَافِرِ وَغَيْرِ الْمُسَافِرِ أَيْنَمَا كَانَ. وَهُوَ سُبْحَانَهُ فَوْقَ عَرْشِهِ، رَقِيبٌ عَلَى خَلْقِهِ، مُهَيْمِنٌ عَلَيْهِمْ، مُطَّلِعٌ عَلَيْهِمْ إِلَى غَيْرِ ذَلِكَ مِن مَّعَانِي رُبُوبِيَّتِهِ.

وَكُلُّ هَذَا الْكَلامِ الَّذِي ذَكَرَهُ اللهُ ـ مِنْ أَنَّهُ فَوْقَ الْعَرْشِ وَأَنَّهُ مَعَنَا ـ حَقٌّ عَلَى حَقِيقَتِهِ، لاَ يَحْتَاجُ إِلَى تَحْرِيفٍ، وَلكِنْ يُصَانُ عَنِ الظُّنُونِ الْكَاذِبَةِ؛ مِثْلِ أَنْ يُظَنَّ أَنَّ ظَاهِرَ قَوْلِهِ: ﴿فِی السَّمَآءِ﴾ [الملك: 16]، أَنَّ السَّمَاءَ تُظِلُّهُ أَوْ تُقِلُّهُ، وَهَذَا بَاطِلٌ بِإِجْمَاعِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَالإِيمَانِ؛ فَإِنَّ اللهَ قَدْ

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضِ، وَهُوَ يُمْسِكُ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضَ أَنْ تَزُولاَ، وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الأَرْضِ إلاَّ بِإِذْنِهِ، ﴿وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ تَقُوۡمَ السَّمَآءُ وَالۡاَرۡضُ بِاَمۡرِهٖ ؕ﴾ [الروم: 25].

ترجمہ:

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بارے میں جو کچھ ہم نے پیچھے ذکر کیا ہے کہ ان سب باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے جن کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں اپنی کتاب میں دی ہے، جو اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر سے ثابت ہے اور جس پر امت کے سلف صالحین کا اجماع ہے، اس میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ اس بات پر ایمان لایا جائے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر ہے، اپنی مخلوق سے جدا ہے اور ان کے ساتھ ہے، وہ جہاں بھی ہوں۔ وہ ان کے اعمال کو جانتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں باتیں اپنے اس فرمان میں یکجا کر دی ہیں: ﴿هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ؕ یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ وَمَا یَخۡرُجُ مِنۡهَا وَمَا یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعۡرُجُ فِیۡهَا ؕ وَهُوَ مَعَکُمۡ اَیۡنَ مَا کُنۡتُمۡ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ④﴾

وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر بلند ہوا، وہ جانتا ہے جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو اس سے نکلتی ہے اور جو آسمان سے اترتی ہے اور جو اس میں چڑھتی ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے، جہاں بھی تم ہو اور جو تم کرتے ہو، اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے۔ [الحدید: 4]

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کہ ”وہ تمہارے ساتھ ہے“ کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ مخلوق میں گھلا ملا ہوا ہے۔ کیونکہ لغت سے یہ معنیٰ لازم نہیں آتا۔ بلکہ آپ چاند کو دیکھیں جو اللہ تعالیٰ کی چھوٹی سی مخلوق اور اس کی نشانیوں میں سے ایک

نشانی ہے، وہ ہے تو آسمان میں لیکن ہر مسافر اور مقیم کے ساتھ ہوتا ہے، وہ جہاں بھی ہو۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے عرش پر مخلوق کا نگہبان، ان کا محافظ، ان سے خوب واقفیت رکھنے والا وغیرہ ربوبیت کے تمام معانی سمیت مستوی ہے۔

یہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں کہا ہے کہ وہ عرش پر ہے اور ہمارے ساتھ ہے، سب حقیقی معنوں میں ہے۔ اس میں کسی قسم کی تحریف کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔(54) لیکن جھوٹے گمانوں سے بچنا بھی ضروری ہے۔ مثلاً: یہ سوچ بالکل باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ”وہ آسمان پر ہے“ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آسمان اسے اٹھائے ہوئے ہے یا اس پر سایہ کیے ہوئے ہے۔ اہل علم اور مؤمنوں کا اس بات کے باطل ہونے پر اجماع ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تو کرسی ہی اتنی وسیع ہے کہ زمین وآسمان کو گھیرے ہوئے ہے۔ وہ خود آسمان وزمین کو زوال پذیر ہونے سے روکے ہوئے ہے۔ وہ آسمان کو یوں تھامے ہوئے ہے کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر زمین پر گر نہیں سکتا۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ﴾

---

(54) **سوال:** کیا یہ کہنا درست ہے کہ اللہ اپنی ذات کے اعتبار سے ہمارے ساتھ ہے؟

جواب: اس لفظ سے اجتناب ضروری ہے، اس لیے کہ اس سے ایک ایسے غلط معنیٰ کا تاثر پیدا ہوتا ہے جس کو حلول کے قائلین دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں، اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو اپنی طرف منسوب کیا ہے، وہی اس کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿وَّجَآءَ رَبُّكَ﴾ [الفجر: 22] کے بارے میں یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے آئے گا؟ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد: «ينزل ربنا إلى السماء الدنيا» (صحيح البخاري: 7494، وصحيح مسلم: 757) کے بارے میں یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے نزول فرماتا ہے؟ یقیناً ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں سوائے اس شخص کے مقابلے میں اس کی تحریف کا رد کرنے کے لیے جو یہ کہتا ہے کہ اللہ کا حکم آئے گا یا اس کا حکم نازل ہوتا ہے۔ (العثیمین: 2/84-83)

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔ [الروم: 25]

تشریح:

اس کتاب کے موضوع کے اعتبار سے یہ فصل نہایت اہم ہے۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «وَقَدْ دَخَلَ فِيمَا ذَكَرْنَاهُ مِنَ الإِيمَانِ بِاللهِ، الإِيمَانُ بِأَنَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى فَوْقَ السَّمَاءِ، فَوْقَ عَرْشِهِ، بَائِنٌ مِنْ خَلْقِهِ» "اللہ تعالیٰ پر ایمان کے بارے میں جو ہم ذکر کر چکے ہیں، اس میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ آسمان سے اوپر، اپنے عرش پر ہے اور اپنی مخلوق سے جدا ہے۔" یہ بات کتاب وسنت کی عبارات اور سلف صالحین کے اجماع سے ثابت ہے۔ سارے سلف صالحین اس بات پر ایمان رکھتے تھے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر ہے۔ اپنی مخلوق سے جدا ہے۔ اس کی مخلوق میں اس کی ذات کا کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ اس کی ذات میں کوئی مخلوق چیز ہے۔ بلکہ وہ ان سے علیحدہ ہے۔ جیسا کہ عبد اللہ بن مبارک وغیرہ رحمہم اللہ کا قول ہے: «**نعرف ربنا بأنه فوق سماواته، فوق عرشه، بائن من خلقه، وعلمه في كل مكان**»

ہم جانتے ہیں کہ ہمارا رب آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر ہے، اپنی مخلوق سے جدا ہے اور اس کا علم ہر جگہ پر ہے۔ (السنة لعبد الله بن أحمد، ص: 13، ح: 44۔ الرد على الجهمية للدارمي، ص: 47، ح: 67۔ امام ذہبی نے اپنی کتاب العلو میں اسے صحیح قرار دیا ہے اور علامہ البانی نے مختصر العلو، ص: 151، ح: 150 میں ان کی موافقت فرمائی ہے۔)

سارے سلف صالحین کا یہی موقف تھا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر ہے اور اس کا علم ہر جگہ پر ہے۔ اس کے علم کے عام ہونے اور اس کی بلندی وفوقیت میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ لہٰذا باوجود اس کے کہ وہ اپنے عرش پر ہے، اس کا علم ہر جگہ کو گھیرے ہوئے ہے اور اس نے ہر چیز کا علم سے احاطہ کر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں باتوں کو اپنے اس فرمان میں یکجا کر دیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝﴾

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ کوئی تین آدمیوں کی کوئی سرگوشی نہیں ہوتی مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ کوئی پانچ آدمیوں کی مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم ہوتے ہیں اور نہ زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، جہاں بھی ہوں، پھر وہ انھیں قیامت کے دن بتائے گا، یعنی خبر دے گا جو کچھ انہوں نے کیا۔ یقینا اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔
[المجادلة: 7]

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو شروع بھی علم سے کیا اور ختم بھی علم پر کیا۔ تو یہ دلیل ہے کہ اس کا علم بلندی کے علاوہ ہے۔ اسے ہر چیز کا علم ہونا کتاب وسنت کی عبارات اور سلف صالحین کے اجماع سے ثابت ہے۔ اسی طرح اس کا اپنے عرش پر بلند ہونا بھی کتاب وسنت کی عبارات سے ثابت ہے۔ دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ بلکہ ضروری ہے کہ جھوٹے گمانوں سے بچا جائے۔ مثلاً: اس گمان سے کہ آسمان نے اسے اٹھایا ہوا ہے یا اس پر سایہ کیا ہوا ہے یا اسے اس کی ضرورت ہے۔ نہیں! بلکہ وہی تو آسمانوں اور عرش کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ وہی تو ہے جو کہتا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ڬ﴾

بے شک اللہ ہی آسمانوں کو اور زمین کو تھامے رکھتا ہے، اس سے کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹیں۔ [فاطر: 41]

اسی طرح فرمایا: ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ﴾

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔ [الروم: 25]

لہٰذا ساری مخلوقات اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ہی قائم ہیں۔ وہی انہیں تھامنے والا، قائم رکھنے والا اور ان کا انتظام چلانے والا ہے۔ وہی ان کا خالق ہے۔ وہ خود تمام مخلوقات سے اوپر اپنے عرش پر ہے۔ تو اس کا ہمارے ساتھ ہونا اور عرش پر ہونا، دونوں حقیقی معنوں میں ہے۔ کسی تحریف کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی یہ خیال آنا چاہیے کہ وہ مخلوق میں گھلا ملا ہوا ہے جیسے معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ صفات کی نفی کرنے والے کہتے ہیں۔ بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے عرش پر ہے اور اس کا علم ہر جگہ پر ہے۔ زمین وآسمان میں کوئی مخفی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔

لہٰذا ہر مؤمن پر یہ عظیم اور کتاب وسنت سے ثابت شدہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے جس پر اس امت کے سلف صالحین یعنی صحابہ اور ان کے بعد آنے والے سارے متفق ہیں۔ بلندی معیت، علم اور احاطہ کے خلاف نہیں ہے۔ بلندی علیحدہ چیز ہے اور چیزوں کا علم علیحدہ۔ اس کے تمام مخلوقات سے اوپر اپنے عرش پر ہونے کے باوجود اس کے علم سے زمین وآسمان کی کوئی چیز نہ غائب ہوتی ہے، نہ ختم ہوتی ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿12﴾﴾

تاکہ تم جان لو کہ بے شک اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھنے والا ہے اور یہ کہ بے شک اللہ نے یقیناً ہر چیز کو علم سے گھیر رکھا ہے۔ [الطلاق: 12]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿75﴾﴾

بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ [الأنفال: 75]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿20﴾﴾

بے شک اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ [البقرة: 20]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴾

اور اللہ ہمیشہ سے ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔[الکہف : 45]

اللہ تعالیٰ سب کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس بات کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے پر ایمان رکھنا اس کے علو اور فوقیت کے خلاف نہیں ہے اور قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اسی کی طرف سے نازل شدہ ہے:

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَقَد دَّخَلَ فِي ذَٰلِكَ الإِيمَانُ بِأَنَّهُ قَرِيبٌ مُجِيبٌ؛ كَمَا جَمَعَ بينَ ذَٰلِكَ فِي قَوْلِهِ: ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ﴾ [البقرة: 186]

وَقَوْلِهِ صلی الله عليه وسلم لِلصَّحَابَةِ رضى الله عنهم، لَمَّا رَفَعُوْا أَصْوَاتَهُمْ بِالذِّكْرِ: «**أَيُّهَا النَّاسُ! ارْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ؛ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا؛ إِنَّمَا تَدْعُونَ سَمِيعًا بَصِيْرًا قَرِيبًا؛ إِنَّ الَّذِي تَدْعُونَهُ أَقْرَبُ إِلَى أَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهِ**»

وَمَا ذُكِرَ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ مِنْ قُرْبِهِ وَمَعِيَّتِهِ لاَ يُنَافِي مَا ذَكَرَهُ مِنْ عُلُوِّهِ وَفَوْقِيَّتِهِ؛ فَإِنَّهُ سُبْحَانَهُ لَيسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ فِي جَمِيعِ نُعُوتِهِ، وَهُوَ عَلِيٌّ فِي دُنُوِّه، قَرِيبٌ فِي عُلُوِّهِ.

وَمِنَ الإِيمَانِ بِاللهِ وَكُتُبِهِ الإيمانُ بِأَنَّ الْقُرْآنَ كَلَامُ اللهِ، مُنَزَّلٌ، غَيْرُ مَخْلُوقٍ، مِنْهُ بَدَأَ، وَإِلَيْهِ يَعُودُ، وَأَنَّ اللهَ تَكَلَّمَ بِهِ حَقِيقَةً، وَأَنَّ هَذَا الْقُرْآنَ الَّذِي أَنْزَلَهُ عَلَى مُحَمَّدٍ صلی الله عليه وسلم هُوَ كَلَامُ اللهِ حَقِيقَةً، لاَ كَلَامَ غَيْرِهِ. وَلا يَجُوزُ إِطْلَاقُ الْقَوْلِ بِأَنَّهُ حِكَايَةٌ عَنْ كَلَامِ اللهِ، أَوْ تَعْبِيْرٌ عَنْهُ؛ بَلْ إِذَا قَرَأَهُ النَّاسُ أَوْ كَتَبُوهُ فِي الْمَصَاحِفِ؛ لَمْ يَخْرُجْ بِذَلِكَ عَنْ أَنْ يَكُونَ كَلَامَ اللهِ

تَعَالَى حَقِيقَةً، فَإِنَّ الْكَلَامَ إِنَّمَا يُضَافُ حَقِيقَةً إِلَى مَنْ قَالَهُ مُبْتَدِئًا، لاَ إِلَى مَنْ قَالَهُ مُبَلِّغًا مُؤَدِّيًا. وَهُوَ كَلَامُ اللهِ؛ حُرُوفُهُ، ومَعَانِيهِ؛ لَيْسَ كَلَامُ اللهِ الْحُرُوفَ دُونَ الْمَعَانِي، وَلاَ الْمَعَانِيَ دُونَ الْحُرُوفِ.

ترجمہ:

مذکورہ بالا ایمان میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ اس بات کو تسلیم کیا جائے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ قریب اور دعائیں قبول کرنے والا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں باتیں اپنے اس فرمان میں یکجا کر دی ہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ﴾

اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو بے شک میں قریب ہوں، میں پکارنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔[البقرة: 186]

اسی طرح نبی کریم ﷺ کے اس فرمان میں بھی یہ دونوں باتیں جمع ہیں جو آپ نے اس وقت ارشاد فرمایا تھا جب آپ کے صحابہ بلند آواز سے ذکر کر رہے تھے:

«أَيُّهَا النَّاسُ! اِرْبَعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ؛ فَإِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا؛ إِنَّمَا تَدْعُونَ سَمِيعًا بَصِيْرًا قَرِيبًا؛ إِنَّ الَّذِي تَدْعُونَهُ أَقْرَبُ إِلَى أَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهِ»

لوگو! اپنے آپ پر ترس کھاؤ۔ تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو، بلکہ خوب سننے والے، سب کچھ دیکھنے والے اور قریب کو پکار رہے ہو۔ جسے تم پکار رہے ہو، وہ تم سے تمہاری سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے۔(متفق عليه، صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب الدعاء إذا علا عقبة، ح: 6384۔ وصحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب استحباب خفض الصوت بالذكر، ح: 2704۔ آخری جملہ صرف صحیح مسلم میں ہے۔)

کتاب و سنت میں قرب اور معیت کا تذکرہ، علو اور فوقیت کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی تمام صفات میں اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ اپنی مخلوق سے قریب ہوتے ہوئے بھی سب سے بلند ہے اور بلند و بالا ہوتے ہوئے بھی ان سے قریب تر ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کی کتابوں پر ایمان لانے میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ اس بات پر ایمان لایا جائے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے، اس کی طرف سے نازل شدہ ہے، مخلوق نہیں ہے۔ اسی سے اس کی ابتداء ہوئی ہے اور اسی کی طرف یہ لوٹ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے حقیقی طور پر اس کے ساتھ کلام کیا ہے۔ یہ قرآن جو اللہ نے محمد ﷺ پر نازل کیا ہے، حقیقتاً اللہ کا کلام ہے، کسی اور کا کلام نہیں ہے۔[55] یہ کہنا بالکل ناجائز ہے کہ یہ اللہ کے کلام کی تعبیر یا ترجمانی ہے۔ بلکہ جب لوگ اسے پڑھتے ہیں یا مصحف میں لکھتے ہیں تو اس طرح یہ حقیقی کلام اللہ ہونے سے خارج نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ کلام کی حقیقی نسبت تو اسی کی طرف ہوتی ہے جس نے کہا ہوتا ہے، نہ کہ پہنچانے والے یا نقل کرنے والے کی طرف۔ تو یہ اپنے حروف اور معانی سمیت اللہ کا کلام ہے۔ معانی کے

---

(55) **سوال:** مؤلف کی یہ بات اللہ تعالیٰ کے ان فرامین کے خلاف ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿40﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ﴿41﴾﴾ بلاشبہ یہ (قرآن) یقیناً ایک معزز پیغام لانے والے کا قول ہے۔ اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں، تم بہت کم ایمان لاتے ہو۔ [الحاقة: 40-41] اور: ﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿19﴾ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ﴿20﴾﴾ بے شک یہ یقیناً ایک ایسے پیغام پہنچانے والے کا قول ہے جو بہت معزز ہے۔ بڑی قوت والا ہے، عرش والے کے ہاں بہت مرتبے والا ہے۔ [الفجر: 19-20] پہلے رسول سے محمد ﷺ مراد ہیں اور دوسرے رسول سے جبریل علیہ السلام۔

جواب: دونوں آیات سے یہ بات سمجھنا کہ دونوں رسولوں نے حقیقتاً اس قرآن کے ساتھ کلام کیا ہے اور یہ ان دونوں سے صادر ہوا ہے، غلط ہے کیونکہ ایک ہی کلام کا دو کلام کرنے والوں سے صادر ہونا ناممکن ہے۔ (العثیمین: 2/97)

بغیر صرف حروف اللہ کا کلام نہیں ہیں اور نہ حروف کے بغیر صرف معانی اللہ کا کلام ہیں۔

تشریح:

شیخ الاسلام رحمہ اللہ یہاں یہ واضح کررہے ہیں کہ کتاب کے مقدمے میں جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے اسماء وصفات پر ایمان کا ذکر گزرا ہے، اس میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ اس بات پر ایمان لایا جائے کہ اللہ تعالیٰ قریب ہے اور دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عرش پر بلند ہونا اس کے قریب ہونے اور دعائیں قبول کرنے کے مخالف نہیں ہے۔ جیسا کہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: وہ اپنی مخلوق سے قریب ہوتے ہوئے بھی سب سے بلند ہے اور بلند وبالا ہوتے ہوئے بھی ان سے قریب تر ہے۔ تو وہ قریب اور دعائیں قبول کرنے والا ہے۔ وہ سب سے بلند وبالا، سب آسمانوں سے اوپر، ساری مخلوقات سے اوپر اپنے عرش پر ہے، اسی لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ﴾

اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو بے شک میں قریب ہوں، میں پکارنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔[البقرة: 186]

تو وہ دعا کرنے والے کے قریب ہے اور جب اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے، اپنے بندوں کی دعائیں قبول کرتا ہے۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان گرامی ہے:

«إِنَّ الَّذِي تَدْعُونَهُ أَقْرَبُ إِلَى أَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهِ»

جسے تم پکار رہے ہو، وہ تم سے تمہاری سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے۔(صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب استحباب خفض الصوت بالذكر، ح: 2704)

جب آپ نے اپنے بعض صحابہ کو سنا کہ وہ سفر میں اونچی آواز سے ذکر کر رہے ہیں تو فرمایا:

«إِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا؛ إِنَّ الَّذِيْ تَدْعُونَهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ»

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: «إِنَّمَا تَدْعُونَ سَمِيعًا بَصِيْرًا قَرِيبًا أَقْرَبُ إِلَى أَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهِ»

تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو، بلکہ خوب سننے والے، سب کچھ دیکھنے والے اور قریب کو پکار رہے ہو۔ جسے تم پکار رہے ہو، وہ تم سے تمہاری سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے۔(متفق عليه، صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب الدعاء إذا علا عقبة، ح: 6384۔ وصحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب استحباب خفض الصوت بالذكر، ح: 2704۔ آخری جملہ صرف صحیح مسلم میں ہے۔)

تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا بلند اور عرش پر ہونا اس کے قریب اور دعائیں قبول کرنے کے خلاف نہیں ہے۔ وہ ہر دعا کرنے والے کی دعا سنتا ہے۔ تو وہ دعائیں سننے والا، جلد قبول کرنے والا ہے۔ خوب سننے والا، قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کئی آیات میں اپنی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ خوب سننے والا ہے۔ وہ مخفی اور اس سے بھی پوشیدہ باتیں سنتا ہے۔ کوئی مخفی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ بات اسی طرح احادیث میں بھی مذکور ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علو اور فوقیت کا ذکر اس کے قرب اور معیت کے تذکرے کے خلاف نہیں ہے۔ وہ اپنے بندوں کے ساتھ اپنے علم اور اطلاع کے ذریعے ہے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ ۚ﴾

اور وہ تمہارے ساتھ ہے، جہاں بھی تم ہو۔ [الحدید: 4]

وہ اپنے اولیاء کے ساتھ اپنے علم، حفاظت، نصرت، مدد اور تائید کے ذریعے ہے۔

لہٰذا ہر مؤمن مرد اور عورت پر یہ لازم ہے کہ وہ مذکورہ بالا بات پر ایمان لائے اور یہ کہ وہ خوب سننے والا، قریب ہے اور یہ کہ وہ بلند وبالا عرش سے اوپر ہے۔ اس کا بلند وبالا ہونا بندوں کے قریب ہونے اور ان کی دعائیں سننے کے خلاف نہیں ہے۔ وہ خوب سننے والا، قریب ہے۔ وہ بہت بلند وبالا اور عظیم ہے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴿255﴾﴾

اور اسے ان دونوں کی حفاظت نہیں تھکاتی اور وہی سب سے بلند، سب سے بڑا ہے۔ [البقرة: 255]

فرمان الٰہی ہے: ﴿إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ ۚ﴾

اسی کی طرف ہر پاکیزہ بات چڑھتی ہے اور نیک عمل اسے بلند کرتا ہے۔ [فاطر: 10]

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اس بات پر ایمان لایا جائے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتب پر ایمان لانے میں بھی قرآن پر ایمان لانا بھی شامل ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو اللہ کے بندے اور رسول محمد ﷺ پر نازل ہوئی ہے۔ یہ اللہ کا کلام ہے۔ حروف اور معانی کا مجموعہ ہے۔ یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے، اس کی طرف سے نازل شدہ ہے اور غیر مخلوق ہے۔ اسی سے اس کی ابتداء ہوئی اور اسی کی طرف یہ لوٹ جائے گا۔ اس کا مصحف میں لکھا جانا، تلاوت کیا جانا اور حفظ کیا جانا اس کے کلام اللہ ہونے کے خلاف نہیں ہے۔ یہ سینوں میں محفوظ، صحائف میں لکھا ہوا اور کانوں کے ذریعے سنا جاتا ہے، اور اس سب کے باوجود یہ حروف ومعانی کا مجموعہ اللہ کا کلام ہے۔ یہ کہنا بالکل ناجائز

ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی تعبیر یا ترجمانی ہے جیسے کلابیہ (ابو محمد عبد اللہ بن سعید بن کلاب القطان بصری، وفات: 240ھ کے پیروکار) وغیرہ کے گروہ اشاعرہ وغیرہ کہتے ہیں۔ اس کے حروف اور معانی دونوں کلام اللہ ہیں۔ یہ کلام اللہ کی ترجمانی یا تعبیر نہیں ہے۔ بلکہ خود کلام اللہ ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ﴾ [البقرۃ: 255] اللہ کا کلام ہے۔ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ [الفاتحۃ: 2] اللہ کا کلام ہے۔ ﴿وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ﴾ اللہ کا کلام ہے۔ شروع سے لے کر آخر تک تمام آیات اور کلمات حروف و معانی سمیت کلام اللہ ہیں۔ معانی چھوڑ کر صرف حروف کلام اللہ نہیں ہیں اور نہ ہی حروف چھوڑ کر صرف معانی کلام اللہ ہیں۔

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ﴾ [البقرۃ: 255] یہ حروف بھی کلام اللہ ہیں اور ان کے معانی زندگی، قائم رکھنا، حفاظت کرنا، یہ سب کلام اللہ ہیں۔ ایسے ہی: ﴿قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۭ﴾

آپ ان سے پوچھیے: کون ہے جو رات اور دن میں رحمن (کے عذاب) سے تمہاری حفاظت کرتا ہے؟ [الأنبیاء: 42]

﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ﴾

اسی کی طرف ہر پاکیزہ بات چڑھتی ہے اور نیک عمل اسے بلند کرتا ہے۔ [فاطر: 10]

﴿فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ۝﴾

اب فیصلہ اللہ کے اختیار میں ہے جو بہت بلند، بہت بڑا ہے۔ [غافر: 12]

﴿اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ۝﴾

یقیناً وہ سب کچھ سننے والا، قریب ہے۔ [سبأ: 50]

﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾

یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔[البقرۃ: 181]

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾

یقیناً اللہ بے حد مہربان، نہایت رحم والا ہے۔[النور: 20]

یہ سب کلامُ اللہ ہیں۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک کلامُ اللہ حروف ومعانی دونوں پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

روزِ آخرت اور اس میں ملنے والے عذاب اور آسائش پر ایمان واجب ہونے کا بیان:

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَقد دَخَلَ أيضًا فِيما ذَكَرْناهُ مِنَ الإِيمانِ بِهِ وَبِكُتُبِهِ وَبِملائِكَتِهِ وَبِرُسُلِهِ الإيمانُ: بِأَنَّ الْمُؤْمِنِينَ يَرَوْنَهُ يَوْمَ الْقِيامَةِ عِيانًا بِأَبْصارِهِمْ كَما يَرَوْنَ الشَّمْسَ صَحْوًا لَيْسَ بِهَا سَحابٌ، وَكَما يَرَوْنَ الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لاَ يُضامُّونَ فِي رُؤْيَتِهِ. يَرَوْنَهُ سُبْحانَهُ وَهُمْ فِي عَرَصاتِ الْقِيامَةِ، ثُمَّ يَرَوْنَهُ بَعْدَ دُخُولِ الْجَنَّةِ؛ كَما يَشَاءُ اللهُ تَعالَى.

وَمِنَ الإِيمانِ بِالْيَوْمِ الآخِرِ الإِيمانُ بِكُلِّ مَا أَخْبَرَ بِهِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم مِمَّا يَكُونُ بَعْدَ الْمَوْتِ، فَيُؤْمِنُونَ بِفِتْنَةِ الْقَبْرِ، وَبِعَذابِ الْقَبْرِ وَنَعِيمِهِ.

فَأَمَّا الْفِتْنَةُ؛ فَإِنَّ النَّاسَ يُفْتَنُونَ فِي قُبُورِهِمْ، فَيُقالُ لِلرَّجُلِ: مَن رَّبُكَ؟ وَمَا دِينُكَ؟ وَمَن نَّبِيُّكَ؟ فَـ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ﴾ [إبراهيم: 27] فَيَقُولُ الْمُؤْمِنُ: رَبِّيَ اللهُ، وَالإِسْلاَمُ دِينِي، وَمُحَمَّدٌ صلى الله عليه وسلم نَبِيِّي.

وَأَمَّا الْمُرْتَابُ؛ فَيَقُولُ: هَاه، هَاه؛ لاَ أَدْرِي، سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ، فَيُضْرَبُ بِمِرْزَبَةٍ مِنْ حَدِيدٍ، فَيَصِيحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا كُلُّ شَيْءٍ؛ إِلاَّ الإِنْسَانَ، وَلَوْ سَمِعَهَا الإِنْسَانُ؛ لَصُعِقَ.

ثُمَّ بَعْدَ هذِهِ الْفِتْنَةِ إِمَّا نَعِيمٌ وَإِمَّا عَذابٌ، إِلَى أَنْ تَقُومَ الْقِيامَةُ الْكُبْرى، فَتُعَادُ الأَرْوَاحُ إِلَى الأَجْسَادِ، وَتَقُومُ الْقِيامَةُ الَّتِي أَخْبَرَ اللهُ بِهَا فِي كِتَابِهِ، وَعَلَى لِسَانِ رَسُولِهِ، وَأَجْمَعَ عَلَيْهَا الْمُسْلِمُونَ. فَيَقُومُ النَّاسُ مِنْ قُبُورِهِمْ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلاً، وَتَدْنُو مِنْهُمُ الشَّمْسُ، وَيُلْجِمُهُمُ الْعَرَقُ،

وَتُنْصَبُ الْمَوَازِينُ، فَتُوزَنُ بِهَا أَعْمَالُ الْعِبَادِ، ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿102﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿103﴾﴾ [المؤمنون: 103-102].

وَتُنْشَرُ الدَّوَاوِينُ، وَهِيَ صَحَائِفُ الأَعْمَالِ، فَآخِذٌ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ، وآخِذٌ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ أَوْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِهِ؛ كَمَا قَالَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى: ﴿وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿13﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿14﴾﴾ [الإسراء: 14-13] وَيُحَاسِبُ اللّٰهُ الخَلَائِقَ، وَيَخْلُو بِعَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ، فَيُقَرِّرُهُ بِذُنُوبِهِ؛ كَمَا وُصِفَ ذٰلِكَ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ.

وَأَمَّا الْكُفَّارُ؛ فَلا يُحَاسَبُونَ مُحَاسَبَةَ مَنْ تُوزَنُ حَسَنَاتُهُ وَسَيِّئَاتُهُ؛ فَإِنَّهُ لاَ حَسَنَاتَ لَهُمْ، وَلٰكِنْ تُعَدُّ أَعْمَالُهُمْ، فَتُحْصَى، فَيُوقَفُونَ عَلَيْهَا وَيُجْزَوْنَ بِهَا.

ترجمہ:

اللہ تعالیٰ، اس کی کتابوں، اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے میں اس بات پر ایمان لانا بھی شامل ہے کہ قیامت والے دن مؤمن اپنی آنکھوں سے بالکل واضح طور پر اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے جس طرح بادل نہ ہونے کی صورت میں وہ سورج کو اور چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے دیدار میں انہیں کوئی دشواری محسوس نہیں ہوگی۔ پہلے میدانِ محشر میں انہیں اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا، پھر جنت میں جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق وہ اس کے دیدار سے فیض یاب ہوں گے۔

یومِ آخرت پر ایمان لانے میں مرنے کے بعد کے ان تمام مراحل پر ایمان رکھنا بھی ضروری ہے جن کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔ چنانچہ اہل سنت والجماعت قبر کے امتحان و آزمائش اور قبر کے عذاب اور نعمت و آسائش پر ایمان رکھتے ہیں۔

قبر کی آزمائش یہ ہے کہ لوگ اپنی اپنی قبروں میں امتحان و آزمائش سے گزریں گے۔ قبر میں دفن ہونے کے بعد انسان سے سوال کیا جائے گا کہ تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ اور تمہارے نبی کون ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو پختہ بات کے ذریعے دنیا کی زندگی میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں بھی ثابت قدم رکھے گا۔ چنانچہ مؤمن جواب دے گا کہ میرا رب اللہ ہے، میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اس کے برعکس منافق کہے گا کہ ہائے ہائے، مجھے تو کچھ معلوم نہیں۔ لوگوں کو جو کہتے سنا، وہی میں نے بھی کہا۔ پھر اسے لوہے کے ہتھوڑے سے ایسی مار ماری جائے گی کہ اس کی چیخ سوائے انسان کے ہر مخلوق سنے گی۔ یہ چیخ ایسی ہوگی کہ اگر انسان اسے سن لے تو بے ہوش ہو کر گر جائے۔(56)

---

(56) مؤلف رحمہ اللہ نے جو ذکر کیا ہے کہ عذاب قبر کی آواز انسان کے علاوہ ہر چیز سنتی ہے، یہ بات جنازے کے بارے میں ہے کہ جب لوگ جنازہ اٹھا کر جا رہے ہوتے ہیں تو نیک میت کہتی ہے: مجھے جلدی لے چلو۔ اور بری میت کہتی ہے: تم پر افسوس! مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟ اس کی آواز کو انسان کے علاوہ ہر چیز سنتی ہے۔ اگر انسان سن لے تو بے ہوش ہو جائے۔ (صحيح البخاري: 1316) قبر میں گونجنے والی میت کی چیخوں کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسے انسانوں اور جنوں کے علاوہ وہاں موجود ہر چیز سنتی ہے۔ (صحيح البخاري: 1374) (العثیمین: 119/2)

عذابِ قبر کے بارے میں چند سوال اور ان کے جواب:

سوال: کیا قبر کا عذاب یا آرام دائمی ہوگا یا کبھی ختم بھی ہو جایا کرے گا؟

جواب: کفار کو جو قبر میں عذاب ہو گا، وہ دائمی ہو گا۔ اس کا ختم ہونا ممکن نہیں کیونکہ وہ اسی کے مستحق ہیں۔ اس لیے بھی دائمی ہونا ضروری ہے کہ اگر کبھی ختم ہو جائے تو پھر انہیں آرام مل جائے گا جبکہ وہ اس کے حق دار نہیں ہیں۔ اس لیے قیامت تک ان کا عذاب جاری و ساری رہے گا اگرچہ اس کی مدت بہت زیادہ بھی ہو جائے۔ مثلاً: قومِ نوح جب سے غرق ہوئی ہے، تب سے اس آگ کے عذاب میں گرفتار ہیں اور قیامت تک یہ عذاب جاری رہے گا۔ اسی طرح آل فرعون بھی صبح و شام آگ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ بعض علماء کا یہ موقف ہے کہ دو نفخوں (صور میں پھونکنے جانے کے دو مواقع) کے درمیان کفار سے عذاب ختم ہو جائے گا۔ ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا﴾ کہیں گے ہائے ہماری بربادی! کس نے ہمیں ہماری سونے کی جگہ سے اٹھا دیا؟ [یس: 52] لیکن اس آیت سے یہ چیز لازم نہیں آتی کیونکہ قبریں ان کی خواب گاہیں ہی ہیں، اگرچہ وہ ان میں عذاب دیے جا رہے ہوں۔

جہاں تک نافرمان مؤمنوں کی بات ہے جنہیں عذابِ قبر ہو گا، ان کا یہ عذاب ان کے گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی معافی کے مطابق کبھی دائمی ہو گا اور کبھی نہیں ہو گا۔ کبھی لمبا ہو گا اور کبھی نہیں ہو گا۔

قبر کا عذاب جتنا بھی ہو، آخرت کے عذاب سے بہر حال کم ہی ہے کیونکہ عذابِ قبر میں رسوائی اور شرمندگی نہیں ہے، لیکن آخرت میں عذاب کے ساتھ ساتھ رسوائی اور شرمندگی بھی ہو گی کیونکہ اس وقت سارے گواہ موجود ہوں گے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ 51﴾ بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے ضرور مدد کرتے ہیں دنیا کی زندگی میں اور اس دن بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے۔ [غافر: 51]

سوال: اگر کسی آدمی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں اور اسے درندے کھا لیں اور ہوائیں بکھیر دیں، پھر اسے کس طرح عذاب ہو گا اور کس طرح سوال و جواب ہوں گے؟

جواب: اللہ عزوجل ہر چیز پر قادر ہے۔ عذابِ قبر غیبی معاملہ ہے۔ اللہ عزوجل اس بات پر قادر ہے کہ عالم غیب میں ان بکھری ہوئی چیزوں کو اکٹھا کر لے۔ ہو سکتا ہے کہ دنیا میں ہم اسے متفرق ٹکڑوں کی شکل میں دیکھ رہے ہوں اور عالم غیب میں اللہ تعالیٰ نے اسے اکٹھا کیا ہوا ہو۔ آپ دیکھیں کہ انسان کی روح قبض کرنے کے لیے فرشتے اسی جگہ پر آتے ہیں جہاں قریب المرگ انسان

ہوتا ہے، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:﴿ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿85﴾﴾ اور ہم تم سے زیادہ اس کے قریب ہوتے ہیں اور لیکن تم نہیں دیکھتے۔[الواقعة: 85] لیکن اس کے باوجود ہم انہیں وہاں نہیں دیکھتے۔ موت کا فرشتہ روح سے بات کرتا ہے، لیکن ہم نہیں سنتے۔ بعض اوقات جبریل علیہ السلام کسی شکل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے اور اسی جگہ وحی والا پیغام پہنچاتے تھے، لیکن لوگ انہیں دیکھتے تھے، نہ سنتے تھے۔ اس لیے عالم غیب کو نظر آنے والے عالم پر قیاس کرنا ہرگز ممکن نہیں ہے۔ یہ اللہ کی حکمتوں میں سے ایک حکمت ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ کے اندر جو روح ہے، وہ آپ کے جسم سے کیسے جڑی ہوئی ہے؟ وہ جسم میں کس طرح پھیلی ہوئی ہے؟ سوتے وقت وہ کس طرح نکل جاتی ہے؟ کبھی بیدار ہو کر آپ نے محسوس کیا کہ واپس آگئی ہے؟ کہاں سے جسم میں داخل ہوتی ہے؟ اس لیے عالم غیب کی باتوں کو تسلیم کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ اس میں قیاس کا چلنا ہرگز ممکن نہیں ہوتا۔ تو اللہ عزوجل ٹوٹے پھوٹے جسم کے ان متفرق اعضاء کو جمع کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے جنہیں آندھی نے ادھر اُدھر بکھیر دیا ہو۔ انہیں جمع کرنے کے بعد سوال وجواب بھی ہوگا، پھر اسے عذاب دیا جائے گا یا نعمتوں سے نوازا جائے گا، اس لیے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

سوال: میت کو تنگ قبر میں دفن کیا جاتا ہے، پھر وہ حدِ نگاہ تک اس کے لیے وسیع کیسے ہو جاتی ہے؟

جواب: جس طرح کہ ہم نے ابھی عرض کیا کہ عالم غیب کو عالم شہادت (قابل مشاہدہ، نظر آنے والے جہان) پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ فرض کریں کہ کسی شخص نے حدِ نگاہ تک وسیع گڑھا کھودا اور اس میں میت کو دفن کر اس پر مٹی ڈال دی۔ اب جس شخص کو اس گڑھے کا علم نہیں ہے، وہ اسے دیکھ سکے گا یا نہیں؟ یقیناً وہ اسے نہیں دیکھ سکے گا، اگرچہ وہ عالمِ محسوسات (محسوس ہونے والے جہان) میں ہی ہے، مگر اس کے باوجود وہ اس وسعت کو نہیں دیکھ سکتا۔ اسے صرف وہی جانتا ہوگا جس نے اسے دیکھا ہوگا۔

سوال: کافر میت کے بارے میں ہمارا مشاہدہ ہے کہ اگر دو یا تین دن بعد بھی اس کی قبر کھولی جائے تو قبر کی تنگی کی وجہ سے اس کی پسلیاں نہ تو ٹیڑھی ہوتی ہیں اور نہ ایک دوسری میں گھسی ہوتی ہیں؟

قبر کے اس امتحان و آزمائش سے گزرنے کے بعد قیامت قائم ہونے تک یا تو نعمت و آسائش ہوگی یا عذاب ہوگا۔ پھر تمام روحیں اپنے جسموں میں لوٹا دی جائیں

جواب: اس کا بھی وہی جواب ہے کہ یہ معاملہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ ایسا ہو چکا ہو، مگر جب قبر کھولی گئی تو اللہ تعالیٰ نے بندوں کا امتحان کے لیے اپنی قدرت کاملہ سے ہر چیز کو اس کی اصل جگہ پر لوٹا دیا ہو۔ کیونکہ اگر اس کی پسلیاں ٹیڑھی ہی رہتیں، حالانکہ ہم نے جب دفن کیا تھا تو ٹھیک تھیں تو پھر اس طرح دیکھنے کے بعد قبر کے عذاب پر ایمان بالغیب نہ رہتا، ایمان بالشہادۃ (دیکھ کر ایمان لانا) ہو جاتا۔

سوال: اگر کوئی فلسفیوں کی طرح یہ اعتراض کرے کہ ہم مُردے پر پارہ رکھ دیتے ہیں جو کہ سب چیزوں سے زیادہ حرکت کرتا اور اِدھر اُدھر ہو جاتا ہے۔ مگر جب ہم ایک روز بعد آئیں گے تو وہ اسی حالت میں ہوگا، جبکہ تم کہتے ہو کہ فرشتے اسے اٹھا کر بٹھا دیتے ہی، بیٹھنے والے پر پارہ کس طرح باقی رہ سکتا ہے؟

جواب: ہم اس کے جواب میں بھی وہی کچھ کہیں گے جو پہلے کہہ چکے ہیں کہ اس بات کا تعلق عالم غیب سے ہے جس پر ایمان لانا اور اس کی تصدیق کرنا ہم پر لازم ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ پارے کو اس کی جگہ پر لوٹا دے جبکہ وہ اس سے پہلے میت کے بیٹھنے کی وجہ سے اِدھر اُدھر ہو گیا ہو۔

ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ انسان نیند کی حالت میں ایسی ایسی چیزیں دیکھتا ہے کہ اگر وہ واقعی خواب کے مطابق ہوں تو وہ اپنے بستر پر پڑا سو نہ سکے۔ کبھی کبھی وہ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچا بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ آدمی جو کچھ خواب میں دیکھتا ہے، وہی کچھ بیداری میں بھی دیکھ لیتا ہے۔ مگر اس کے باوجود ہمارا اس پر ایمان ہے۔

اگر کوئی شخص خواب میں ناپسندیدہ چیز دیکھے تو جاگنے کے بعد پریشانی کے آثار اس کے چہرے پر نمایاں ہوتے ہیں۔ اسی طرح خوشگوار خواب دیکھنے پر انسان خوش خوش نظر آتا ہے۔ یہ سب باتیں اس چیز کی دلیل ہے کہ روح کے معاملات قابلِ مشاہدہ نہیں ہیں۔ غیبی معاملات کو مشاہداتی معاملات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن و حدیث کی واضح اور صحیح عبارات کو صرف اس بناء پر رد نہیں کیا جا سکتا کہ جس چیز کی وہ عبارات دلیل ہوتی ہیں، ہم انہیں مشاہدے کے اعتبار سے بعید سمجھتے ہیں۔(العثیمین:2/126-122)

گی اور قیامت قائم ہو گی جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے خبر دی ہے اور تمام مسلمانوں کا اس دن کے آنے پر اجماع ہے۔ پھر سارے لوگ اللہ رب العالمین کے سامنے پیش ہونے کے لیے اپنی اپنی قبروں سے ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بغیر ختنہ کیے ہوئے نکلیں گے۔ سورج بالکل قریب ہو گا،[57] لوگ پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے، پھر ترازو نصب کیے جائیں گے

---

(57) کتنا قریب ہو گا؟ اس بارے میں حدیث میں وضاحت ہے کہ ایک میل کے فاصلے پر ہو گا۔ (صحیح مسلم: 2864) اس میل سے سفر والا میل بھی مراد ہو سکتا ہے اور سرمہ کی سلائی بھی۔ بہر حال سورج قریب ہو گا۔ جب دنیا میں اتنے فاصلے پر ہونے کے باوجود اس کی حرارت کا یہ عالم ہے کہ برداشت سے باہر ہے تو اس وقت کیا بنے گا جب وہ سروں سے صرف ایک میل کے فاصلے پر ہو گا؟

سوال: اِس وقت یہ بات معروف ہے کہ اگر سورج ایک بال برابر بھی اپنی جگہ سے زمین کے قریب ہو جائے تو زمین جل کر کوئلہ ہو جائے گی، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ قیامت والے دن اتنا قریب ہونے کے باوجود وہ مخلوق نہیں جلائے گا؟

جواب: لوگ قیامت والے دن اپنی موجودہ قوت کے حامل نہیں ہوں گے بلکہ اس دن ان کی قوتِ برداشت اس سے کہیں زیادہ ہو گی۔ آج اگر لوگ پچاس دن بھی دھوپ میں بغیر سائے اور کھائے پیے رہیں تو ان کے لیے ناممکن ہے۔ لیکن قیامت والے دن وہ پچاس ہزار سال تک بغیر کھائے پیے اور بغیر سائے کے رہیں گے۔ اسے ہی سایہ نصیب ہو گا جسے اللہ دیں گے۔ اس حالت کے ساتھ ساتھ وہ بڑے بڑے ہولناک مناظر کا مشاہدہ کریں گے اور انہیں برداشت کریں گے۔۔۔

سوال: کیا قیامت والے دن کوئی دھوپ سے محفوظ بھی رہے گا؟

جواب: جی ہاں، کتنے ہی ایسے خوش نصیب ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں اس دن جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہو گا، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بارے میں بتایا ہے۔ وہ خوش نصیب لوگ ایسے ہوں گے: عادل حکمران، وہ نوجوان جس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں پرورش پائی، وہ آدمی جس کا مساجد سے وابستہ رہتا ہے، وہ دو آدمی جنہوں

اور ان پر بندوں کے اعمال تولے جائیں گے۔ ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿102﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿103﴾﴾

پھر وہ کہ جن کے پلڑے بھاری ہو گئے تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔ اور وہ کہ جن کے پلڑے ہلکے ہو گئے تو وہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنی جانوں کا نقصان کیا، وہ جہنم ہی میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ [المؤمنون: 103-102]

بندوں کے اعمال نامے پھیلا دیے جائیں گے۔ کسی کو اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں ملے گا اور کسی کو بائیں ہاتھ میں یا پیٹھ کے پیچھے سے ملے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿13﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿14﴾﴾

نے اللہ تعالیٰ کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کی، اسی پر اکٹھے ہوئے اور اسی پر جدا ہوئے، وہ آدمی جسے کسی عہدے دار حسینہ نے دعوتِ گناہ دی اور اس نے کہا: مجھے اللہ سے ڈر لگتا ہے، وہ آدمی جس نے اتنے خفیہ انداز میں صدقہ دیا کہ بائیں ہاتھ کو پتہ نہ چلا کہ دائیں کیا دیا ہے؟ وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اس کے آنسو بہہ پڑے۔ (صحیح البخاري: 660، وصحیح مسلم: 1031) اسی طرح کچھ اور لوگ بھی ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں جگہ دے گا، جس دن اس کے سائے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہو گا۔

نوٹ: «لا ظل إلا ظله» ''اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہو گا'' کا مطلب ہے کہ صرف اللہ کا پیدا کردہ سایہ ہو گا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں جس طرح بعض لوگوں کا وہم ہوا کہ اس سے مراد رب تعالیٰ کی ذات کا سایہ مراد ہے۔ یہ معنیٰ و مفہوم بالکل باطل ہے کیونکہ پھر ماننا پڑے گا کہ سورج اس دن اللہ تعالیٰ کے اوپر ہو گا۔ دنیا میں ہم اپنے سائے کا خود بندوبست کر لیتے ہیں لیکن قیامت والے دن صرف وہی سایہ ہو گا جسے اللہ تعالیٰ پیدا فرمائے گا تاکہ اس کے بندوں میں سے وہ بندہ اس سائے میں جگہ حاصل کر سکے، جسے وہ چاہے۔ (العثیمین: 2/136-134)

ہر انسان کا عمل ہم نے اس کے گلے میں لٹکا رکھا ہے جسے ہم قیامت کے دن ایک کتاب کی صورت میں نکالیں گے اور وہ اس کتاب کو کھلی ہوئی دیکھے گا۔ (ہم اسے کہیں گے) اپنا اعمال نامہ پڑھ لے۔ آج تو خود ہی اپنا حساب کرنے کو کافی ہے۔[الإسراء: 14-13]

اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا محاسبہ فرمائے گا اور اپنے مؤمن بندے کو تنہائی میں لے جا کر اس سے گناہوں کا اعتراف کروائے گا، جیسا کہ قرآن وحدیث میں اس کا ذکر ہے۔

البتہ کافروں کا محاسبہ اس طرح نہیں ہو گا کہ ان کی نیکیاں اور برائیاں تولی جائیں کیونکہ ان کے پاس تو سرے سے نیکیاں ہوں گی ہی نہیں۔ بلکہ ان کا محاسبہ یوں ہو گا کہ ان کی بداعمالیاں شمار کی جائیں گی، پھر ان سے ان بداعمالیوں کا اقرار کروایا جائے گا اور ان کے مطابق انہیں سزا ملے گی۔(58)

---

(58) کفار کی صرف برائیاں ہی ہوں گی، اچھائیاں نہیں ہوں گی۔ اگر دنیا میں انہوں نے کوئی نیکی کی بھی ہو گی تو دنیا میں ہی بدلہ مل چکا ہو گا۔ مثلاً: اگر انہوں نے کوئی صدقہ خیرات دی ہو گی یا نیک اعمال کیے ہوں گے، یا ایسے اعمال بجالائے ہوں گے جن کی اسلام نے ترغیب دی ہے، مثال کے طور پر سچائی، وعدوں کی پاسداری، امانتداری، امانتیں ادا کرنا اور حقوق کا خیال رکھنا وغیرہ۔ تو ان کا بدلہ انہیں دنیا میں ہی مل جائے گا۔ یا اگر ان صفات کو اختیار کرنے میں ان کی کوئی دنیوی مصلحت ہو گی تو دنیا میں ہی بدل پالیں گے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ ۖ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ﴾ اور جس دن وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، آگ پر پیش کیے جائیں گے، تم اپنی نیکیاں اپنی دنیا کی زندگی میں لے جا چکے اور تم ان سے فائدہ اٹھا چکے۔ [الأحقاف: 20] طیبات مطلب نیک اعمال جن سے وہ دنیا میں فائدہ اٹھا چکے۔ یعنی اگر انہوں نے کوئی صدقات اللہ کے لیے کیے، یا اللہ کا ذکر کیا یا کوئی اور نیک کام کیا تو انہیں اس کا ہرگز فائدہ نہیں ہو گا، بلکہ وہ دنیا میں بدلہ لے چکے ہوں گے اور اس کا فائدہ اٹھا چکے ہوں گے۔ اب کوئی عمل باقی نہیں بچے گا، بلکہ کفر اسے تباہ وبرباد کر چکا ہو گا۔ کیونکہ کفر تمام اعمال کو ختم کر دیتا ہے اور ان کا ثواب

ضائع کر دیتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ﴾ ان لوگوں کی مثال جنھوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا، ان کے اعمال اس راکھ کی طرح ہیں جس پر آندھی والے دن میں ہوا بہت سخت چلی۔[إبراهيم: 18] کیا سخت آندھی تھوڑی سی راکھ بھی باقی چھوڑتی ہے؟ بلا شبہ سب کو اڑا کر رکھ دیتی ہے۔ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ﴾ تو اس کی مثال ایک صاف چٹان کی مثال جیسی ہے جس پر تھوڑی سی مٹی ہو ﴿فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ﴾ پھر اس پر ایک زوردار بارش برسے۔[البقرة: 264] کیا اس ٹھوس چٹان پر اس مٹی کو یہ زور دار بارش چھوڑے گی؟ بالکل نہیں، کچھ بھی باقی نہیں بچے گا۔ اسی طرح کفار کے اعمال میں سے بھی کچھ باقی نہیں بچے گا۔ اعمال ضائع اور اجر ختم۔

خلاصہ یہ نکلا کہ کفار کی کوئی نیکیاں نہیں ہوں گی۔ صرف ان کے برے اعمال کی بناء پر روکا جائے گا۔ کہا جائے گا: یہ تمہارے برے اعمال ہیں۔ یہ تمہارا شرک ہے، یہ کفر ہے، یہ انکار ہے، یہ تمہاری کمائی ہوئی برائیاں ہیں جو لکھی ہوئی ہیں۔ کیا تم ان میں سے کسی چیز کا انکار کرتے ہو؟ وہ انکار کر دیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ وہ کہیں گے: ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ﴾ اللہ کی قسم! جو ہمارا رب ہے، ہم شریک بنانے والے نہ تھے۔ دیکھ انھوں نے کیسے اپنے آپ پر جھوٹ بولا۔[الأنعام: 24-23] لیکن پھر یہ جھوٹ نہیں بول سکیں گے کیونکہ ان کے اپنے اعضاء ہی ان کے خلاف گواہی دے دیں گے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾ جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے خلاف اس کی شہادت دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے۔[النور: 24] اعضاء بولیں گے اور کہیں گے: ﴿اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ ہمیں اس اللہ نے بلوا دیا جس نے ہر چیز کو بلوایا۔[فصلت: 21] پھر وہ انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکیں گے۔

پھر اسی طرح ان کے اعمال لکھنے والے فرشتے ان کے اعمال نامے سامنے رکھ دیں گے۔ ان سے پوچھا جائے گا: کسی چیز کا انکار تو نہیں کرتے؟ اگر کریں گے تو جیسے ان کے اعضاء گواہی دیں گے، ایسے ہی فرشتے بھی ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ ان کے اس اعتراف اور اقرار کہ وہ عذاب اور آگ کے مستحق ہیں، انہیں جہنم رسید کیا جائے گا۔ ان کے اعتراف کرنے کے بعد ان سے کہا جائے گا: یہ تمہارا بدلہ ہے اور یہ آگ تمہارا ٹھکانہ ہے۔ یہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔(الجبرین:2/114-112)

تشریح:

یہ فصل مؤمنوں کے اپنے رب کے دیدار کے بارے میں ہے۔ یہ بات گزر چکی ہے کہ مؤمن ان تمام باتوں پر ایمان لاتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے یا اس کے رسول نے خبر دی ہے، ان میں جنت و جہنم، فرشتے، صحائف، ترازو، حساب، جزاء وغیرہ آخرت کے سارے معاملات شامل ہیں۔ اہل سنت والجماعت عمومی طور پر ان تمام باتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ مؤمن قیامت والے اپنے رب کا دیدار کریں گے۔ یہ قیامت والے دن کی خبر ہے کہ مؤمن روزِ آخرت اپنے رب کا دیدار کریں گے۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی عبارت «عياناً بأبصارهم» میں «عياناً» مصدر ہے، اس کی گردان یوں ہوگی: «عَايَنَ يُعَايِنُ مُعَايَنَةً وعِيَاناً » جیسے «قَاتَلَ يُقَاتِلُ مُقَاتَلَةً وقِتَالاً»، «حَاسَبَ يُحَاسِبُ مُحَاسَبَةً وحِسَاباً» اور «جَادَلَ يُجَادِلُ مُجَادَلَةً وجِدَالاً» تو وہ اپنے رب کا دیدار کریں گے یعنی آنکھوں سے، بالکل واضح دیدار ہوگا، جس میں شک شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔ ”جیسے تم چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو۔ اس کے دیدار میں تمہیں کوئی دشواری نہیں ہوتی اور جیسے تم سورج کو دیکھتے ہو جب اس کے آگے بادل نہیں ہوتے۔“ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں بتایا ہے۔

اس کے برعکس کفار اس کے دیدار سے محروم ہوں گے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴾

فائدہ: بندے کے اعمال میں سے سب سے پہلے نماز میں اس کا محاسبہ ہوگا۔ لوگوں میں جو سب سے پہلا فیصلہ ہوگا، وہ خونوں کے بارے میں ہوگا کیونکہ بدنی عبادات میں نماز سب سے افضل ہے جبکہ حقوق العباد میں خون کی حرمت کو پامال کرنا سنگین ترین جرم ہے۔ (العثیمین: 2/156)

ہر گز نہیں، بے شک وہ اس دن یعنی قیامت والے دن اپنے رب سے حجاب میں ہوں گے۔ یعنی اس کے دیدار سے محروم رہیں گے۔ [المطففین : 15]

جبکہ مؤمن دو دفعہ اس کے دیدار سے فیض یاب ہوں گے۔ ایک مرتبہ میدان محشر میں، تب بھی صرف وہی دیکھ سکیں گے۔ پھر جنت میں جب مرضی اللہ تعالیٰ چاہیں گے، انہیں اپنا دیدار کروائیں گے۔ تو جنت میں ان کے لیے ان کے درجات کے مطابق مختلف اوقات مقرر ہوں گے جن میں یہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا کریں گے۔

اہل سنت والجماعت کا یہ اصول ہے کہ وہ آخرت کے معاملات، جنت وجہنم، حساب وکتاب، جزاء وسزا وغیرہ ہر اس بات پر ایمان پر لاتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔ اہل سنت والجماعت کا ان سب پر ایمان ہے۔

آخرت کے معاملات میں ایک چیز قبر کا عذاب اور آسائش بھی ہے۔ اہل بدعت کے بر خلاف اہل سنت کا اس پر ایمان ہے۔ قبر کے عذاب اور آسائش پر وہ ایمان رکھتے ہیں اور اس بات پر بھی کہ لوگوں کا ان کی قبروں کا امتحان وآزمائش ہوتی ہے۔ دفن ہونے کے بعد مُردے سے پوچھا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور تیرا نبی کون ہے؟ تو اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو پختہ بات کے ذریعے دنیا کی زندگی میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں بھی۔ ظالموں کو اللہ گمراہ چھوڑ دیتا ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙۗ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿27﴾﴾

اللہ ایمان والوں کو پختہ بات کے ساتھ خوب قائم رکھتا ہے، دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی اور اللہ ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔[إبراهيم : 27]

جو مؤمن ہوتا ہے، وہ جواب دیتا ہے: میرا رب اللہ ہے، میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم ہیں۔ اس کے برعکس کافر اور منافق جواب دیتا ہے کہ ہائے، مجھے نہیں معلوم۔ منافق بھی کافر ہوتا ہے لیکن ظاہراً اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہوتا ہے جبکہ کافر تو واضح کافر ہوتا ہے۔ تو یہ جواب دیتا ہے کہ ہائے، مجھے نہیں معلوم۔ میں نے لوگوں کو جو کچھ کہتے ہوئے سنا، وہی کہتا رہا۔ اس غلط جواب پر اسے لوہے کے بڑے ہتھوڑے سے مارا جاتا ہے تو یہ اس قدر اونچی آواز سے چیختا ہے کہ انسان کے علاوہ ہر مخلوق اس کی آواز سنتی ہے۔ اگر انسان سن لے تو بے ہوش ہو کر گر جائے۔

اس آزمائش کے بعد بڑی قیامت قائم ہوگی۔ تب تک انسان یا تو راحت وآسائش میں رہے گا یا عذاب میں۔ مؤمن آرام وآسائش میں ہوگا۔ اس کی روح وہاں سے جنت میں منتقل کر دی جائے گی جبکہ کافر کی روح جہنم میں منتقل کر دی جائے گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے جہنمی فرعون اور اس کے حواریوں کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝46﴾

وہ صبح وشام آگ پر پیش کئے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی (تو حکم ہوگا کہ) آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کر دو۔[غافر : 46]

تو بڑی قیامت قائم ہو جائے گی اور لوگ اپنی قبروں سے ننگے پاؤں، ننگے جسم اور بغیر ختنے کے اٹھیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے جسم لوٹا دیں گے اور وہ اسی طرح اٹھیں گے جیسے وہ اپنی پیدائش کے وقت تھے۔ «حفاۃ» کا مطلب ہے بغیر

جوتوں کے یعنی ننگے پاؤں۔ «عراۃ» کا مطلب ہے بغیر کپڑوں کے یعنی ننگے جسم۔ «غرلاً» کا مطلب ہے بغیر ختنہ کیے ہوئے۔ وہ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ساری مخلوقات کا محاسبہ کرے گا۔ ترازو نصب کیے جائیں گے اور ان پر بندوں کے اعمال کو تولا جائے گا۔ تو جس کا نیکیوں والا پلڑا بھاری ہو گا، وہ خوش نصیب ہو گا اور جس کا نیکیوں والا پلڑا ہلکا ہو گا، وہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔ اعمال نامے پھیلا دیے جائیں گے اور بندوں میں تقسیم کر دیے جائیں گے۔ کچھ لوگ دائیں ہاتھ سے پکڑیں گے اور کچھ بائیں ہاتھ سے یا پیٹھ کے پیچھے سے، جیسا کہ قرآن میں یہ بات بالکل واضح طور پر موجود ہے۔

لیکن کفار کا حساب کتاب اس طرح نہیں ہو گا کہ ان کی نیکیاں اور برائیاں تولی جائیں، کیونکہ ان کے پاس نیکیاں تو ہوں گی ہی نہیں۔ ان کے اعمال شمار کیے جائیں گے، ان سے ان کا اقرار کروایا جائے گا اور ان کے مطابق انہیں سزا ملے گی یعنی ہانک کر جہنم میں لے جایا جائے گا۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ﴾

اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے۔ [الزمر: 71]

ایک کے بعد ایک گروہ اسی طرح لے جایا جائے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے ان کے بدترین اعمال اور کفر سے عافیت مانگتے ہیں۔

اس کے مقابلے میں جنتیوں کو میدانِ محشر سے فارغ ہونے اور پُل صراط سے گزرنے کے بعد جنت کی طرف وفود کی شکل میں گروہ در گروہ بڑی عزت واحترام سے لے جایا جائے گا۔ ہر جنتی اپنے گھر تک پہنچ جائے گا اور اس گھر کا راستہ اسے اپنے دنیا والے گھر سے زیادہ یاد ہو گا۔ میدانِ محشر میں حاضری کے بعد وہ ان گھروں کی

طرف جائیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار کیا ہے۔ اس کی مزید تفصیل آگے آ رہی ہے، ان شاء اللہ۔

یہاں پر یہ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قیامت والے دن یہ کچھ ہو گا۔ وہ بہت بڑا دن ہو گا، اندازاً پچاس ہزار سال کا ایک دن ہو گا۔ وہ دن کافروں پر بہت بھاری ہو گا جبکہ مؤمنوں کے لیے بہت آسان ہو گا۔ آدھے دن میں ہی لوگوں کا حساب کتاب مکمل ہو جائے گا۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿24﴾﴾

اس دن جنت والے ٹھکانے کے اعتبار سے نہایت بہتر اور آرام گاہ کے اعتبار سے کہیں اچھے ہوں گے۔ [الفرقان: 24]

جنتی قیلولے کے وقت سے پہلے جنت میں پہنچ جائیں گے۔ پھر جنتی جنت میں اپنے ٹھکانے پر رہیں گے اور جہنمی جہنم میں اپنے ٹھکانے پر۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت چاہتے ہیں۔

اتنی دیر میں حساب کتاب مکمل ہو چکا ہو گا۔ آپ کا رب عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق فیصلہ کرنے والا ہے، وہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرے گا۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿40﴾﴾

بے شک اللہ ایک ذرے کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر ایک نیکی ہو گی تو اسے دوگنا کر دے گا اور اپنے پاس سے بہت بڑا اجر عطا کرے گا۔ [النساء: 40]

مزید ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿47﴾﴾

اور ہم قیامت کے دن ایسے ترازو رکھیں گے جو عین انصاف ہوں گے، پھر کسی شخص پر کچھ ظلم نہ کیا جائے گا اور اگر رائی کے ایک دانہ کے برابر عمل ہو گا تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔[الأنبیاء: 47]

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝﴾

جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا۔ جس نے ذرہ بھر برائی کی ہو گی وہ (بھی) اسے دیکھ لے گا۔[الزلزلة: 7-8]

ذرا غور کریں کہ جب آپ ایک روپیہ یا ایک لقمہ یا ایک کھجور صدقہ کرتے ہیں تو وہ کتنے ذرات کے برابر ہوتی ہے؟ صرف ایک لقمہ یا ایک کھجور جو آپ کسی فقیر کو دیتے ہیں، ایک ذرے کے مقابلے میں اس کا کتنا وزن ہوتا ہے؟ سوچیں جو بڑے بڑے مال اور بہت سا کھانا اللہ تعالیٰ کے راستے میں دیتے ہیں، انہیں کتنا اجر ملے گا؟ اگر وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے سچے دل سے دیتے ہیں تو ضرور انہیں اس کا اجر وصلہ ملے گا۔ کیونکہ فرمان الٰہی ہے: ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝﴾

جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا۔ جس نے ذرہ بھر برائی کی ہو گی وہ (بھی) اسے دیکھ لے گا۔[الزلزلة: 7-8]

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ انہوں نے انگور کا ایک دانہ صدقہ کیا تو کسی نے کہا: بھلا اس کی کیا قدر و قیمت ہے؟ انہوں نے فرمایا: یہ ایک دانہ کئی ذرات پر بھاری ہو گا۔ (ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بات کہیں نہیں ملی۔ البتہ ابن عبد البر نے اپنی کتاب الاستذکار، باب الترغیب في الصدقة، ج: 8، ص: 602، ح: 1881 میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بات نقل کی ہے اور فرمایا ہے کہ عبد الرحمن بن عوف اور سعد بن مالک رضی اللہ عنہما سے بھی یہ بات منقول ہے۔)

بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو صدقہ حقیر نہیں سمجھنا چاہیے اگرچہ تھوڑا ہی ہو۔ اپنی استطاعت کے مطابق ایک روپیہ، پانچ روپے، کسی بھوکے کو ایک لقمہ یا ایک دو کھجوریں وغیرہ ہی دے دیں۔ یہ بات ہم پہلے بھی کئی مرتبہ بیان کر چکے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک عورت اپنی دو بچیوں کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آئی، سوالی تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ گھر میں صرف تین کھجوریں تھیں۔ فرماتی ہیں کہ میں نے وہ پکڑیں اور اس سوال کرنے والی عورت کو تھما دیں۔ اس عورت نے ایک ایک کھجور اپنی دونوں بیٹیوں کو دیں اور تیسری خود کھانے لگی تو اس کی بیٹیوں نے وہ بھی اس سے مانگ لی۔ یعنی اپنی اپنی کھجور انہوں نے جلدی سے کھالی اور ماں سے تیسری مانگ لی۔ تو اس عورت نے اس کے دو ٹکڑے کیے اور انہیں دے دیے اور خود کچھ نہ کھایا۔ سیدہ فرماتی ہیں کہ مجھے اس کا یہ کام بہت اچھا لگا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری بات بتائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّ اللهَ قَدْ أَوْجَبَ لَهَا بِهَا الْجَنَّةَ»

یقیناً اللہ نے اس عورت کے لیے اس عمل کی وجہ سے جنت واجب کر دی ہے۔ (صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الإحسان إلى البنات، ح: 2630۔ تین کی بجائے ایک کھجور کے تذکرے کے ساتھ یہ حدیث صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب اتقوا النار ولو بشق تمرة، ح: 1418 میں بھی ہے۔)

یعنی اس کے اپنی بیٹیوں پر اس شفقت کی وجہ سے کہ اس نے اپنی کھجور کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر کے انہیں دے دیا اور خود کچھ نہ کھایا۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ سچے دل اور خلوص سے دیا ہوا صدقہ اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، اس میں بہت خیر ہے۔

الغرض جتنا آسانی سے ہو سکے، آپ صدقہ کریں۔ جس کے پاس سو روپیہ دینے کی استطاعت ہے، وہ سو دے اور جس کے پاس ہزار دینے کی استطاعت ہے، وہ

ہزار دے اور جو صرف ایک ہی دے سکتا ہے، وہ ایک ہی دے۔ جو ایک لقمہ، ایک کھجور یا ایک کپڑا دینے کی استطاعت رکھتا ہے، وہ صرف اتنا ہی دے دے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالیشان ہے: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾

سو اللہ سے ڈرو جتنی طاقت رکھو۔ [التغابن : 16]

مزید ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿47﴾﴾

اور ہم قیامت کے دن ایسے ترازو رکھیں گے جو عین انصاف ہوں گے، پھر کسی شخص پر کچھ ظلم نہ کیا جائے گا اور اگر رائی کے ایک دانہ کے برابر عمل ہو گا تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔ [الأنبياء : 47]

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ سب کو توفیق عطا فرمائے۔

حوض کوثر اور پل صراط کا اثبات:

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَفِي عَرَصَاتِ الْقِيَامَةِ الْحَوضُ الْمَوْرُودُ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم، ماؤُه أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ، وَأَحْلَى مِنَ الْعَسَلِ، آنِيَتُهُ عَدَدُ نُجُومِ السَّمَاءِ، طُولُهُ شَهْرٌ، وَعَرْضُهُ شَهْرٌ، مَن يَشْرَبُ مِنْهُ شَرْبَةً؛ لاَ يَظْمَأُ بَعْدَهَا أَبَدًا.

وَالصِّرَاطُ مَنْصُوبٌ عَلَى مَتْنِ جَهَنَّمَ، وَهُوَ الْجِسْرُ الَّذِي بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، يَمُرُّ النَّاسُ عَلَيْهِ عَلَى قَدْرِ أَعْمَالِهِمْ، فَمِنْهُمْ مَنْ يَمُرُّ كَلَمْحِ الْبَصَرِ، وَمِنْهُم مَن يَمُرُّ كَالْبَرْقِ، وَمِنْهُم مَن يَمُرُّ كَالرِّيحِ، ومِنْهُم مَن يَمُرُّ كَالْفَرَسِ الْجَوَادِ، وَمِنْهُم مَن يَمُرُّ كَرِكَابِ الإِبِلِ، ومِنْهُم مَن يَعْدُو عَدْوًا، وَمِنْهُم مَن يَمْشِي مَشْيًا، وَمِنْهُم مَن يَزْحَفُ زَحْفًا، وَمِنْهُم مَن يُخْطَفُ خَطْفًا وَيُلْقَى فِي جَهَنَّمَ؛ فَإِنَّ الْجِسرَ عَلَيْهِ كَلاَلِيبُ تَخْطِفُ النَّاسَ بِأَعْمَالِهِم، فَمَنْ مَرَّ عَلَى الصِّرَاطِ؛ دَخَلَ الْجَنَّةَ. فَإِذَا عَبَرُوا عَلَيْهِ؛ وَقَفُوا عَلَى قَنْطَرَةٍ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، فَيُقْتَصَّ لِبَعْضِهِم مِن بَعْضٍ، فَإِذَا هُذِّبُوا وَنُقُّوا؛ أُذِنَ لَهُمْ فِي دُخُولِ الْجَنَّةِ.

ترجمہ:

میدانِ محشر میں نبی کریم ﷺ کا حوض ہو گا جہاں آپ ﷺ کی امت آپ کے پاس آئے گی۔[59] اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ اس کے برتن آسمان کے ستاروں کی تعداد کے برابر ہیں۔ اس کی لمبائی بھی ایک

(59) آپ ﷺ انہیں ان کی وضو والی علامت سے پہچانیں گے کیونکہ وضو کی وجہ سے ان کے ہاتھ پاؤں اور ماتھا چمک دار ہو گا۔ (صحيح البخاري: 136 وصحيح مسلم: 246) (الجبرين: 116-117/2)

ماہ کے سفر جتنی ہے اور چوڑائی بھی۔ جسے اس سے ایک گھونٹ پانی نصیب ہو جائے گا، اسے پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی۔

جہنم کے اوپر ”صراط“ نصب کیا جائے گا۔ یہ وہ پُل ہے جو جنت اور جہنم کے درمیان ہے۔ لوگ اپنے اپنے عمل کے مطابق اس پر سے گزریں گے۔ بعض لوگ پلک جھپکنے کی سی تیزی سے گزر جائیں گے، بعض بجلی کی رفتار سے، بعض ہوا کی رفتار سے، بعض اچھے گھوڑے کی رفتار سے، بعض اونٹ کی رفتار سے، بعض لوگ تیز دوڑ کر، بعض لوگ چل کر اور بعض لوگ پیٹھ کے بل گھسٹ کر اس پُل کو پار کریں گے۔ کچھ لوگ نیچے سے اچک لیے جائیں گے اور جہنم رسید ہو جائیں گے کیونکہ اس پُل پر لوہے کی کنڈیاں لگی ہوں گی جو لوگوں کے اعمال کے مطابق انہیں دبوچ لیں گی۔

جو شخص پُل صراط پار کر جائے گا، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ پُل صراط پار کرنے کے بعد لوگوں کو جنت اور جہنم کے درمیان ایک پُل پر روکا جائے گا اور ایک دوسرے سے بدلہ دلوایا جائے گا۔ جب وہ گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو جائیں گے تب انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت ملے گی۔

تشریح:

یہ بحث حوض، جہاں امت آئے گی اور صراط، جس کا وعدہ ہے، کے بارے میں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حوض جس پر امت آئے گی، وہی کوثر ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: ﴿إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ ۝١﴾

بلاشبہ ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا ہے۔ [الکوثر: 1]

یعنی اس حوض میں کوثر سے پانی آئے گا، وگرنہ کوثر تو جنت میں ہے۔ اس حوض میں کوثر سے دو پرنالے پانی لائیں گے۔

یہ حوض دنیا میں ہو گا جس میں کوثر سے دو پرنالے پانی لائیں گے۔ یہاں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤمن پیروکار آئیں گے۔ اس کی لمبائی اور چوڑائی دونوں ایک ایک مہینہ کے سفر جتنی ہے۔ اس کے برتن آسمان کے ستاروں کی تعداد کے برابر ہیں۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہو گا۔ جو اس سے ایک گھونٹ پانی پی لے گا، پھر اسے جنت میں داخل ہونے تک کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ مؤمن یہاں پر آئیں گے اور پانی پئیں گے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والے ہوں گے۔ کچھ اور لوگ بھی آنے کی کوشش کریں گے لیکن انہیں دور ہٹا دیا جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پوچھیں گے: اے میرے رب! ایسا کیوں؟ جواب ملے گا: «إِنَّ هَؤُلَاءِ لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ»

یہ لوگ آپ کے جانے کے بعد مرتد ہو گئے تھے۔ تو انہیں وہاں آنے سے روک دیا جائے گا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے: «سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ بَدَّلَ بَعْدِي»

دور ہو جائیں وہ لوگ جنہوں نے میرے بعد دین کو بدل دیا تھا۔ (صحیح البخاري، كتاب التفسير، تفسير سورة المائدة، باب قوله: وكنت عليهم شهيدا ---، ح: 4625۔ وصحيح مسلم، كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب النار يدخلها الجبارون، ح: 2860)

اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ حوض صرف ان مؤمنوں کے لیے مخصوص ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور دین پر زندہ رہے اور اسی پر فوت ہوئے۔ لیکن وہ لوگ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے جانے کے بعد کسی بھی وقت میں دین کو چھوڑ بیٹھے اور مرتد ہو گئے، وہ اس حوض پر نہیں آسکیں گے۔ اسی طرح کفار بھی اس حوض سے محروم رہیں گے۔ صرف مؤمن جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانبردار رہے، وہی جا سکیں گے۔

دیگر انبیاء علیہم السلام کے بھی حوض ہوں گے، (سنن الترمذي، كتاب الزهد، باب ما جاء في صفة الحوض، ح: 2443۔ سعید بن بشیر ضعیف ہے۔ أنوار الصحیفہ، ص: 257) لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حوض سب سے کامل اور مکمل ہو گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض

سے ان تمام لوگوں کو ہٹا دیا جائے گا جو آپ کے پیروکار نہیں ہوں گے جیسے اجنبی اونٹ کو ہٹایا جاتا ہے۔ وہاں صرف سچے مؤمن ہی جا سکیں گے۔ مرتدوں کو وہاں سے کچھ نہیں ملے گا۔ نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی طاقت اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی ملتی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہم سب کو وہاں جانے والوں میں شامل فرما دے۔

"صراط" جہنم پر نصب ہو گا۔ صراط سے مراد وہ راستہ اور پُل ہے جو جہنم کے اوپر نصب ہو گا۔ جو اس سے گر جائے گا، وہ جہنم میں جا پڑے گا۔ یہاں سے ہر جنت میں جانے والے کو گزرنا پڑے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان عبرت نشان ہے:

﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿71﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿72﴾﴾

اور تم میں سے جو بھی ہے، اس پر وارد ہونے والا ہے۔ یہ ہمیشہ سے تیرے رب کے ذمے قطعی بات ہے، جس کا فیصلہ کیا ہوا ہے۔ پھر ہم ان لوگوں کو بچا لیں گے جو ڈر گئے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے چھوڑ دیں گے۔

[مریم: 72]

مؤمن یہاں سے گزریں گے اور نجات پا جائیں گے۔ مؤمنوں کے علاوہ دیگر لوگ یہاں بالکل نہیں آئیں گے اور نہ اس پر سے گزریں گے کیونکہ انہیں تو سیدھا جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

لوگ یہاں آئیں گے اور اس پُل پر سے گزریں گے۔ مؤمنوں میں سے بعض لوگ تو پلک جھپکنے کی سی تیزی سے یہاں سے گزر جائیں گے۔ کچھ بجلی کی سی تیزی سے، کچھ عمدہ گھوڑے کی رفتار سے، کچھ ہوا کی سی تیزی سے، کچھ عمدہ گھوڑے اور اونٹ کی طرح یہاں سے گزر جائیں گے۔ ہر ایک اپنے اعمال کے مطابق رفتار اختیار کرے گا۔ بعض لوگ گھٹنوں اور پیٹھ کے بل گھسٹ کر گزریں گے۔ ادھر

کھڑے ہوئے اور ادھر گر گئے۔ بعض لوگ اچک لیے جائیں گے اور جہنم رسید ہو جائیں گے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت چاہتے ہیں۔

گویا ہر ایک اپنے ان اعمال کے مطابق اسے پار کرے گا، جن پر وہ فوت ہوا ہو گا۔(صحيح البخاري، كتاب التوحيد، باب قوله، وجوه يومئذ ناضرة، ح: 7437۔ وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب معرفة طريق الرؤية، ح: 182 میں یہ بات معنیٰ کے اعتبار سے موجود ہے۔)

یہاں سے صرف سچے مؤمن ہی نجات پا سکیں گے۔ دیگر لوگ جہنم رسید ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عافیت میں رکھیں۔

بعض لوگ گزرتے ہوئے خراشیں ڈلوا کر گرنے سے بچ جائیں گے اور آخر کار نجات پا لیں گے۔ جبکہ بعض لوگ جہنم میں گر جائیں گے اور اپنے گناہوں کی وجہ سے اپنی نافرمانیوں کے مطابق عذاب بھگتیں گے، پھر اللہ تعالیٰ انہیں جہنم سے نکال کر جنت میں بھیج دیں گے۔ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے صرف کفار رہیں گے۔

جبکہ وہ نافرمان مسلمان جو اس میں گر جائیں گے، انہیں ان کی نافرمانیوں کے مطابق ایک مقررہ وقت تک عذاب ہو گا، پھر اللہ تعالیٰ سفارشیوں کو اجازت دیں گے اور وہ سفارش کریں گے۔ ان میں ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہوں گے جن کی سفارش سب سے بڑی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان نافرمانوں کی ایک حد مقرر کر دے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی سفارش کریں گے اور وہ جہنم سے نکال لیے جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر سفارش کریں گے، پھر کریں گے، پھر کریں گے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چار مرتبہ سفارش کرنے کی اجازت ملے گی۔ ہر دفعہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کی ایک حد مقرر کر دے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کی وجہ سے انہیں جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ پھر جہنم میں اس امت کے ان نافرمانوں کا گروہ رہ جائے گا جنہیں سفارش نصیب نہیں ہو گی۔ تو اللہ تعالیٰ ان سفارشوں کے بعد اپنے فضل و کرم اور رحمت سے

انہیں جہنم سے نکال کر ایک دریا میں ڈالیں گے، جسے زندگی بخش دریا کہتے ہیں۔ یہ لوگ اس دریا میں جاتے ہی اس طرح پروان چڑھیں گے جس طرح سیلابی پانی میں دانہ پروان چڑھتا ہے۔ جب ان کی تخلیق مکمل ہو جائے گی تو انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت مل جائے گی۔

ان تفصیلات سے مؤمن یہ جان لیتا ہے کہ اس کے لیے سلامتی کے اسباب اختیار کرنا ضروری ہے۔ یہ بہت بڑے بڑے خطرات ہیں جو صرف حوض یا پُل صراط کے اعتبار سے نہیں ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہر مؤمن اللہ تعالیٰ سے اچھے خاتمے کی دعا کرتا رہے۔ حق پر ثابت قدم رہنے، استقامت اختیار کرنے اور گناہوں سے بچنے کی بھرپور کوشش کرتا رہے۔ توبہ کی حرص اپنے اندر جوان رکھے۔ جب بھی کسی گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے اس کے قدم پھسل جائیں تو فوراً توبہ کر کے سنبھل جائے۔ مانا کہ مؤمن معصوم عن الخطاء نہیں ہے لیکن اس پر یہ لازم ہے کہ جب بھی کسی کوتاہی کا اور کسی گناہ کا احساس ہو، فوراً توبہ کر لے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڞ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿135﴾ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿136﴾ ط﴾

اور وہ لوگ کہ جب کوئی بے حیائی کرتے ہیں، یا اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں، پس اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا اور کون گناہ بخشتا ہے؟ اور انہوں نے جو کیا اس پر اصرار نہیں کرتے، جب کہ وہ جانتے ہوں۔ یہ لوگ ہیں جن کی جزا ان کے رب کی طرف سے بڑی بخشش اور ایسے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، ہمیشہ ان میں رہنے والے ہیں اور (یہ) عمل کرنے والوں کا اچھا اجر ہے۔ [آل عمران : 135-136]

لہٰذا جو مؤمن ہوتا ہے، وہ ہمیشہ اپنا محاسبہ کرتا رہتا ہے، اپنی نگرانی کرتا ہے اور دیکھتا رہتا ہے۔ خود پسند نہیں ہوتا اور نہ اپنے اعمال پر اِتراتا اور ان کا احسان جتلاتا ہے، بلکہ ہمیشہ اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ شاید بچ جائے، شاید نجات پا جائے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿60﴾ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿61﴾﴾

اور وہ کہ انہوں نے جو کچھ دیا اس حال میں دیتے ہیں کہ ان کے دل ڈرنے والے ہوتے ہیں کہ یقیناً وہ اپنے رب ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جو نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور یہی ان نیکیوں کی طرف آگے نکلنے والے ہیں۔
[المؤمنون: 61-60]

عبد اللہ بن ابی ملیکہ (وفات: 119ھ) فرماتے ہیں:
«أَدْرَكْتُ ثَلَاثِينَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كُلُّهُمْ يَخَافُ النِّفَاقَ عَلَى نَفْسِهِ، مَا مِنْهُمْ أَحَدٌ يَقُولُ: إِنَّهُ عَلَى إِيمَانِ جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ»

میری رسول اللہ ﷺ کے تیس (30) صحابہ کرام سے ملاقات ہوئی۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنے متعلق نفاق کا اندیشہ تھا۔ ان میں سے کوئی یہ نہیں کہتا تھا کہ میرا ایمان جبرائیل اور میکائیل جیسا ہے۔ (صحیح البخاري، کتاب الإیمان، باب خوف المؤمن من أن یحبط عمله وهو لا یشعر، قبل الحدیث: 48 معلقاً مذکور ہے جبکہ موصولاً السنة للخلال، ح: 1080 میں ہے۔)

ابراہیم بن یزید تیمی کہا کرتے تھے: «مَا عَرَضْتُ قَوْلِي عَلَى عَمَلِي إِلَّا خَشِيتُ أَنْ أَكُونَ مُكَذِّبًا»

جب بھی میں نے اپنے قول و فعل کا تقابل کیا تو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں مجھے جھٹلا نہ دیا جائے۔ (صحیح البخاري، کتاب الإیمان، باب خوف المؤمن من أن یحبط

عمله وهو لا يشعر، قبل الحديث: 48 معلقاً مذکور ہے جبکہ موصولاً مصنف ابن أبي شيبة، ح: 34970 میں ہے۔)

اس لیے گناہوں سے بچنا، عمل پر اعتماد کرنے اور خود پسندی میں مبتلا ہونے سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ تو صرف پرہیز گاروں کے اعمال ہی قبول کرتے ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ کوشش کرے اور یاد رکھے کہ اس میں بہت سے نقص اور کوتاہیاں پائی جاتی ہیں۔ اس لیے کوشش کرے اور حق کو پہچان لے۔ توبہ کو اپنا شعار بنالے حتی کہ رب سے اس حال میں جاملے کہ وہ اس سے راضی ہو۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سب کے لیے توفیق اور ہدایت کا سوال کرتے ہیں۔

اس بات کا بیان کہ سب سے پہلے ہمارے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جنت کا دروازہ کھلوائیں گے اور اس میں داخل ہوں گے اور روزِ قیامت آپ کو کافی مرتبہ سفارش کرنے کا موقع ملے گا:

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَأَوَّلُ مَن يَسْتَفْتِحُ بَابَ الْجَنَّةِ مُحَمَّدٌ صلى الله عليه وسلم، وَأَوَّلُ مَن يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنَ الأُمَمِ أُمَّتُهُ. وَلَه صلى الله عليه وسلم فِي الْقِيَامَةِ ثَلاثُ شَفَاعَاتٍ:

أَمَّا الشَّفَاعَةُ الأُولَى: فَيَشفعُ فِي أَهْلِ الْمَوْقِفِ حَتَّى يُقْضَى بَيْنَهُمْ بَعْدَ أَنْ يَتَرَاجَعَ الأَنْبِيَاءُ: آدمُ، وَنُوحٌ، وَإِبْرَاهِيمُ، وَمُوسَى، وَعِيسى ابْنُ مَرْيَمَ عَنِ الشَّفَاعَةِ حَتَّى تَنْتَهِيَ إِلَيْهِ.

وَأَمَّا الشَّفَاعَةُ الثَّانِيَةُ: فَيَشْفَعُ فِي أَهْلِ الْجَنَّةِ أَن يَدْخُلُوا الْجَنَّة. وَهَاتَانَ الشَّفَاعَتَانِ خَاصَّتَانِ لَهُ.

وَأَمَّا الشَّفَاعَةُ الثَّالِثَةُ: فَيَشْفَعُ فِيمَنِ اسْتَحَقَّ النَّارَ، وَهَذِهِ الشَّفَاعَةُ لَهُ وَلِسَائِرِ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَغَيْرِهِمْ، فَيَشْفَعُ فِيمَنِ اسْتَحَقَّ النَّارَ أَن لاَّ يَدْخُلَهَا، وَيَشْفَعُ فِيمَنْ دَخَلَهَا أَن يَخْرُجَ مِنْهَا.

وَيُخْرِجُ اللهُ مِنَ النَّارِ أَقْوَامًا بِغَيرِ شَفَاعَةٍ؛ بَلْ بِفَضْلِهِ وَرَحْمَتِهِ، وَيَبْقَى فِي الْجَنَّةِ فَضْلٌ عَمَّنْ دَخَلَهَا مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا، فَيُنْشِئُ اللهُ لَهَا أَقْوَامًا فَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ.

وَأَصْنَافُ مَا تَضَمَّنَتْهُ الدَّارُ الآخِرَةُ مِنَ الْحِسَابِ وَالثَّوَابِ وَالْعِقَابِ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَتَفَاصِيلُ ذَلِكَ مَذْكُورَةٌ فِي الْكُتُبِ الْمُنَزَّلَةِ مِنَ

السَّمَاءِ، وَالآثَارِ مِنَ الْعِلْمِ الْمَأْثُورِ عَنِ الأَنْبِيَاءِ، وَفِي الْعِلْمِ الْمَوْرُوثِ عَنْ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم مِنْ ذَلِكَ مَا يَشْفِي وَيَكْفِي، فَمَنِ ابْتَغَاهُ وَجَدَهُ.

ترجمہ:

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھلوائیں گے اور آپ ہی کی امت سب سے پہلے جنت میں جائے گی۔ قیامت والے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین طرح کی شفاعت فرمائیں گے:

پہلی شفاعت: میدانِ محشر میں جمع شدہ لوگوں کے بارے میں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ان کا حساب لے کر فیصلہ فرمائے۔ انبیاء کرام آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام اس شفاعت سے اپنی اپنی معذرت پیش کر دیں گے۔ یہاں تک کہ یہ درخواست ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے گی اور آپ شفاعت فرمائیں گے۔

دوسری شفاعت: جنتیوں کے لیے ہوگی کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے۔ یہ دونوں شفاعتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہیں۔

تیسری شفاعت: ان لوگوں کے بارے میں ہوگی جو اپنے اعمال کی وجہ سے جہنم کے مستحق ہو چکے ہوں گے۔ یہ شفاعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ تمام انبیاء اور صدیقین وغیرہ کو بھی حاصل ہوگی۔[60] چنانچہ جو لوگ جہنم کے مستحق ہو چکے ہوں

---

(60) اس شفاعت کی دو شرطیں ہیں: (1) شفاعت کرنے والے کے لیے اللہ کی اجازت۔ (2) جس کی سفارش کی جائے، اس سے اللہ راضی ہو۔ ان دونوں شرطوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں یکجا بیان کیا ہے: ﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿26﴾﴾ اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں کہ ان کی سفارش کچھ کام نہیں آتی مگر اس کے بعد کہ اللہ اجازت دے جس کے لیے چاہے اور (جسے) پسند کرے۔[النجم: 26] اللہ جسے چاہے گا، سفارش کرنے کی اجازت دے گا اور جس گناہ گار کے حق میں چاہے گا، اس کی سفارش ہوگی۔ آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف اہل توحید اور مسلمانوں سے ہی راضی ہے۔ اس

لیے جو شخص کفر یا شرک کی حالت میں مرتا ہے، اللہ اس سے راضی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ﴾ اگر تم ناشکری کرو تو یقیناً اللہ تم سے بہت بے پرواہ ہے اور وہ اپنے بندوں کے لیے ناشکری پسند نہیں کرتا۔ [الزمر: 7] لہٰذا کسی کافر ومشرک کے حق میں یہ شفاعت نہ ہو سکے گی بلکہ صرف گناہ گار موحد ہی اس سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: روزِ قیامت آپ ﷺ کی شفاعت سے کون لوگ فائدہ اٹھا سکیں گے؟ فرمایا: «من قال: لا إله إلا الله خالصاً من قلبه» جس نے خلوص دل سے لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا ہو گا۔ (صحيح البخاري: 6570) یعنی جو توحید اور عقیدے میں پکا اور سچا ہو گا۔ اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان ہے: «إن لكل نبي دعوة مستجابة وإني اختبأت دعوتي شفاعة لأمتي، فهي نائلة إن شاء الله من مات من أمتي لا يشرك بالله شيئا» ہر نبی کو ایک مقبول دعا کا اختیار دیا گیا تھا۔ میں نے اپنی دعا اپنی امت کی شفاعت کے لیے چھپا رکھی ہے۔ میری امت میں سے جو شرک کرتا ہوا نہیں مرے گا، ان شاء اللہ اسے یہ دعا ضرور حاصل ہو گی۔ (صحيح البخاري: 6304، وصحيح مسلم: 199)

یہ شفاعت جو جہنم میں داخل ہونے کے بعد وہاں سے نکلنے کے لیے ہو گی، اہل اسلام اور توحید پرستوں کو نصیب ہو گی۔ اس کا سوال بھی اللہ تعالیٰ سے ہی کیا جائے، نہ انبیاء واولیاء یا ان کے علاوہ کسی اور سے۔ جب آپ اس کا سوال کریں تو اسی سے کریں جو اس کا مالک ہے یعنی اللہ۔ یوں دعا کریں: اے اللہ! میرے بارے میں اپنے نبی یا انبیاء کی شفاعت قبول فرما۔ یا یوں کہیں: اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں شامل فرما دے جنہیں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ دے گی۔ یا یوں کہیں: اے اللہ! مجھے ایسے اعمال کرنے کی توفیق عطا فرما جن کے ذریعے میں ان کی شفاعت کا حق دار بن جاؤں۔ یا اسی طرح کی کوئی اور دعا کریں۔

خوارج اور معتزلہ جیسے بدعتی اس شفاعت کے منکر ہیں۔ کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب کافر اور ابدی جہنمی ہے۔ انہوں نے یہ اصول اس لیے بنایا ہے کہ جن اعمال مثلاً: قتل، یتیم کا مال کھانا، سود کھانا یا اس جیسے دیگر اعمال جن کے ارتکاب پر شدید وعید سنائی گئی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس وعید کا نفاذ ضروری ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے اس شفاعت کا انکار کر دیا۔ اس کے لیے انہوں نے ان آیات سے استدلال کیا ہے: ﴿وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ﴾ اور نہ اسے کوئی سفارش

گے، ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ یہ شفاعت فرمائیں گے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جہنم میں نہ ڈالے۔ اور جو جہنم میں پہنچ چکے ہوں گے، ان کے بارے میں آپ ﷺ یہ شفاعت فرمائیں گے کہ اللہ انہیں جہنم سے نکال دے۔

کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ بغیر کسی شفاعت کے محض اپنے فضل و کرم سے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کرے گا۔ دنیا کے جنتی جب جنت میں داخل ہو جائیں گے، اس کے بعد بھی جنت میں جگہ باقی بچے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو پیدا فرما کر انہیں جنت میں داخل کرے گا۔

آخرت میں پیش آنے والے حساب کتاب، جزا و سزا، جنت و جہنم اور ان کی تفصیلات آسمانی کتابوں، انبیاء سے منقول آثار اور ہمارے نبی ﷺ سے مروی احادیث میں مذکور ہیں، جو کافی وشافی ہیں۔ جو شخص ان تفصیلات کو تلاش کرے گا، اسے مل جائیں گی۔

تشریح:

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ محمد ﷺ جو ہمارے نبی ہیں، وہی سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھلوائیں گے۔ اللہ عزوجل کا یہ حکم ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے کسی کے لیے جنت کا دروازہ نہ کھولا جائے۔ لہٰذا آپ ﷺ ہی سب سے پہلے اس کا دروازہ کھلوائیں گے۔ آپ جنت کے دروازے پر دستک دیں گے تو دربان کہے گا: مجھے یہی حکم ملا تھا کہ آپ ﷺ سے پہلے کسی اور کے لیے دروازہ نہ کھولوں۔

نفع دے گی۔ [البقرة: 123] ﴿مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ﴾ اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہو گی اور نہ کوئی دوستی اور نہ کوئی سفارش۔ [البقرة: 254] اور ﴿فَمَا لَنَا مِن شَافِعِينَ ۝ وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ ۝﴾ اب نہ ہمارے لیے کوئی سفارش کرنے والے ہیں۔ اور نہ کوئی دلی دوست۔ [الشعراء: 100-101] لیکن در حقیقت ان آیات سے شرکیہ شفاعت کی تردید مراد ہے جو غیر اللہ سے مانگی جاتی ہے۔ (الجبرین: 2/139-138)

اللہ تعالیٰ آپ پر درود وسلام بھیجے۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد آپ ﷺ کی امت دیگر امتوں کی نسبت پہلے جنت میں داخل ہو گی۔ لہٰذا سب امتوں سے افضل آپ ﷺ کی امت ہے جو امتوں میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہو گی۔

آپ ﷺ قیامت والے دن تین مرتبہ شفاعت کریں گے۔ بڑی شفاعت میدانِ محشر میں پھنسے ہوئے لوگوں کے بارے میں ہو گی کہ ان کا حساب کتاب لے کر فیصلہ کیا جائے۔ شفاعت کی یہ درخواست تمام آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام جیسے انبیاء کے معذرت کرنے کے بعد آپ ﷺ تک پہنچے گی۔ جب قیامت والے دن میدانِ محشر میں سختی بڑھے گی تو لوگ گھبرا کر آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے: اے آدم! آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا تھا اور اپنی روح میں سے کچھ آپ میں پھونکا تھا۔ آپ کو اپنے فرشتوں سے سجدہ کروایا تھا اور آپ کو ہر چیز کا نام سکھایا تھا، آپ اپنے رب کے ہاں ہماری سفارش کریں۔ آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس حال میں ہیں اور کہاں پہنچ گئے ہیں؟ یعنی کتنی مشقت اور سختی برداشت کر رہے ہیں۔ تو آدم علیہ السلام جواب دیں گے: میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ میرا رب آج بہت غصے میں ہے۔ اتنا غصے تو وہ آج سے پہلے کبھی ہوا ہے اور نہ بعد میں کبھی ہو گا۔ انہیں اپنی درخت کھانے والی غلطی یاد آجائے گی حالانکہ وہ اس سے توبہ کر چکے تھے لیکن انبیاء کے تقویٰ، خوف اور کمالِ ایمان کی وجہ سے وہ شرمندہ ہوں گے اور کہیں گے: کسی اور کے پاس جاؤ۔ جاؤ، نوح کے پاس چلے جاؤ۔ لوگ نوح علیہ السلام کے پاس پہنچ جائیں گے۔ انہیں کہیں گے: آپ وہ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ نے زمین والوں کی طرف ان کے شرک کرنے کے بعد رسول بنا کر بھیجا تھا، آپ کو اللہ تعالیٰ نے شکر گزار بندے کا لقب دیا ہے۔ ہماری حالت نہیں دیکھ رہے؟ چلیے اپنے رب کے پاس جا کر ہماری سفارش کر دیں۔ وہ بھی جواب میں وہی کچھ کہیں گے جو آدم علیہ السلام نے کہا تھا کہ میرا رب آج بہت غصے

میں ہے۔ اتنا غصے تو وہ آج سے پہلے کبھی ہوا ہے اور نہ بعد میں کبھی ہو گا۔ انہیں اپنی قوم کے خلاف اپنی بد دعا یاد آجائے گی۔ کہیں گے: جاؤ کسی اور کے پاس چلے جاؤ۔ جاؤ، ابراہیم کے پاس چلے جاؤ۔ لوگ ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچ جائیں گے۔ وہ بھی وہی جواب دیں گے کہ میرا رب آج بہت غصے میں ہے۔ اتنا غصے تو وہ آج سے پہلے کبھی ہوا ہے اور نہ بعد میں کبھی ہو گا۔ انہیں اپنی تین خلاف واقعہ باتیں یاد آجائیں گے جو انہوں نے اللہ کی خاطر کی تھیں۔ ایک تو یہ کہنا کہ: ﴿اِنِّیْ سَقِیْمٌ ﴿89﴾﴾ میں تو بیمار ہوں۔ [الصافات: 89] دوسرا یہ کہنا کہ: ﴿بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا﴾ بلکہ ان کے اس بڑے نے یہ کام کیا ہے۔ [الأنبياء: 63] (ان تینوں باتوں کا تفصیلی تذکرہ صحیح البخاري: 3358 وصحیح مسلم: 2371 میں ہے۔) پھر فرمائیں گے کہ جاؤ، کسی اور کے پاس چلے جاؤ۔ موسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔ لوگ موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچ جائیں گے۔ وہ بھی انہی جیسی بات کہیں گے کہ میرا رب آج بہت غصے میں ہے۔ اتنا غصے تو وہ آج سے پہلے کبھی ہوا ہے اور نہ بعد میں کبھی ہو گا۔ میں نے بغیر حکم کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا۔ کسی اور کے پاس جاؤ۔ جاؤ، عیسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچ جائیں گے اور جا کر عرض کریں گے: اپنے رب کے سامنے ہماری سفارش کر دیں۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی معذرت کر لیں گے اور وہی بات کہیں گے جو پہلے انبیاء نے کہی تھی کہ میرا رب آج بہت غصے میں ہے۔ اتنا غصے تو وہ آج سے پہلے کبھی ہوا ہے اور نہ بعد میں کبھی ہو گا۔ جاؤ، محمد ﷺ کے پاس چلے جاؤ، وہ اللہ کے ایسے بندے ہیں جن کے اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف فرما دیے ہیں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ لوگ پھر میرے پاس آئیں گے۔ میں کہوں گا: ہاں، میں یہ کام کر سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر درود وسلام کی برکھا برسائے۔ آپ ﷺ اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے اور اپنے رب کے سامنے عرش کے نیچے سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی اتنی عظیم تعریفیں کریں گے جو اسی وقت اللہ تعالیٰ آپ کو

سکھائیں گے۔ آواز آئے گی: اے محمد! اپنا سر اٹھائیے۔ کہیے، سنا جائے گا۔ مانگیے، عطا کیا جائے گا۔ سفارش کیجیے، قبول ہو گی۔ تو آپ محشر والوں کے فیصلہ کی سفارش کریں گے۔ (متفق علیه، صحیح البخاري، کتاب التفسیر، تفسیر سورة الإسراء، باب قوله: ذریة من حملنا مع نوح، ح: 4712۔ وصحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب أدنی أهل الجنة منزلة فیها، ح: 194)

دوسری سفارش آپ کی اہل جنت کے لیے ہو گی کہ وہ جنت میں چلے جائیں۔

تیسری سفارش ان لوگوں کے لیے ہو گی جو اپنے گناہوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے جہنم میں جا چکے ہوں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک حد مقرر کرے گا اور انہیں جہنم سے نکال دے گا۔ پھر آپ ﷺ سفارش کریں گے اور اللہ ایک حد مقرر کرے گا، اور انہیں جہنم سے نکال دے گا۔ پھر آپ ﷺ سفارش کریں گے اور اللہ ایک حد مقرر کرے گا اور انہیں جہنم سے نکال لے گا۔ پھر آپ سفارش کریں گے اور اللہ ایک حد مقرر کرے گا اور انہیں جہنم سے نکال لے گا۔ آپ ﷺ کی یہ سفارش چار مرتبہ ہو گی۔ جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں مذکور ہے۔ (صحیح البخاري، کتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار، ح: 6565۔ وصحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب أدنی أهل الجنة منزلة، ح: 192)

جیسا کہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قیامت والے دن کی تفصیلات بہت عظیم معاملہ ہے تو دیگر انبیاء کرام اور مؤمن بھی شفاعت کریں گے۔ اور بہت سے نافرمان اور کوتاہی کرنے والے موحدین جنہیں شفاعت نہیں نصیب ہو گی، وہ جہنم میں رہ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں بغیر کسی کی سفارش کے محض اپنے فضل و کرم سے جہنم سے اس حال میں نکالیں گے کہ وہ آگ میں جل سڑ کر کوئلہ بن چکے ہوں گے۔ انہیں دریائے حیات (زندگی بخش دریا) میں ڈالا جائے گا تو وہ ایسے نشو ونما پا جائیں گے جیسے سیلابی پانی میں دانہ پروان چڑھتا ہے۔ جب وہ ٹھیک ٹھاک ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل و کرم اور مہربانی سے جنت میں داخل کر دے گا۔ اب

جہنم میں کوئی موحد باقی نہیں بچے گا۔ صرف کفار ہی رہ جائیں گے جن کے کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کا ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنا مقدر بنا دیا ہو گا۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ۝۱۶۷﴾

اس طرح اللہ انہیں ان کے اعمال ان پر حسرتیں بنا کر دکھائے گا اور وہ کسی صورت آگ سے نکلنے والے نہیں۔ [البقرة: 167]

ان کے بارے میں فرمایا: ﴿كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۝۹۷﴾

جب بھی اس کی آگ بجھنے لگی گی ہم اسے ان پر اور بھڑکا دیں گے۔ [الإسراء: 97]

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ۝۳۰﴾

(انہیں کہا جائے گا) اب مزا چکھو، ہم تمہارے لیے عذاب کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ کریں گے۔ [النباء: 30]

یہ بھی فرمایا: ﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝۳۷﴾

وہ چاہیں گے کہ آگ سے نکل جائیں، حالانکہ وہ اس سے ہرگز نکلنے والے نہیں اور ان کے لیے ہمیشہ رہنے والا عذاب ہے۔ [المائدة: 37]

ہم اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔

اور فرمایا: ﴿وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاۗءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝۳۷﴾

وہاں وہ چیخ چیخ کر کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں (اس سے) نکال کہ ہم نیک عمل کریں۔ ویسے نہیں جیسے پہلے کیا کرتے تھے۔ (اللہ تعالیٰ جواب میں

فرمائے گا) کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں اگر کوئی نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا؟ یعنی دنیا میں، حالانکہ تمہارے پاس ڈرانے والا (بھی) آیا تھا اب (عذاب کا) مزا چکھو یہاں ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔[فاطر : 37]

یہ ان کی حالت ہوگی اور ان کا انجام ابدی اور ہمیشہ کا عذاب ہوگا۔ نہ آگ ختم ہوگی، نہ وہ اس سے باہر نکل سکیں گے۔ ہم اللہ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

قیامت والے دن کی تفصیلات اور ترازو سے متعلقہ باتیں، ترازو کی حالت اور بھاری ہونا، اعمال ناموں کی تقسیم اور محشر والوں کو جو بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا، وغیرہ سب کا تذکرہ موجود ہے۔ کچھ قرآن مجید میں اور کچھ صحیح احادیث میں۔ جو انہیں اکٹھا کرنے کا ارادہ کرے گا اور کوشش کرے گا، حاصل کر لے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی اور عافیت چاہتے ہیں۔ نیکی کرنے کی طاقت اور گناہ سے بچنے کی قوت اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں۔

تقدیر پر ایمان اور اہل سنت والجماعت کے نزدیک تقدیر کے درجات کا بیان:

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَتُؤْمِنُ الْفِرْقَةُ النَّاجِيَةُ مِنْ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ. وَالإِيمَانُ بِالْقَدَرِ عَلَى دَرَجَتَينِ؛ كُلُّ دَرَجَةٍ تَتَضَمَّنُ شَيْئَيْنِ:

فَالدَّرَجَةُ الأُولَى: الإيمَانُ بِأَنَّ اللهَ تَعَالَى عَلِيمٌ بِمَا الْخَلْقُ عَامِلُونَ بِعِلْمِهِ الْقَدِيمِ الَّذِي هُوَ مَوْصُوفٌ بِهِ أَزَلاً وَأَبَدًا، وَعَلِمَ جَمِيعَ أَحْوَالِهِم مِّنَ الطَّاعَاتِ وَالْمَعَاصِي وَالأَرْزَاقِ وَالآجَالِ، ثُمَّ كَتَبَ اللهُ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ مَقَادِيرَ الْخَلْقِ. فَأَوَّلُ مَا خَلَقَ اللهُ الْقَلَمَ، قَالَ لَهُ: اكْتُبْ. قَالَ: مَا أَكْتُبُ؟ قَالَ: اكْتُبْ مَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

فَمَا أَصَابَ الإِنْسَانَ لَمْ يَكُن لِّيُخْطِئَهُ، وَمَا أَخْطَأَهُ لَمْ يَكُن لِّيُصِيبَهُ، جَفَّتِ الأَقْلاَمُ، وَطُوِيَتِ الصُّحُفُ؛ كَمَا قَالَ تَعَالَى: ﴿أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ إِنَّ ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿70﴾﴾ [الحج: 70]، وَقَالَ تَعَالَى: ﴿مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿22﴾﴾ [الحديد: 22]

وَهذَا التَّقْدِيرُ التَّابِعُ لِعِلْمِهِ سُبْحَانَهُ يَكُونُ فِي مَوَاضِعَ جُمْلَةً وَتَفْصِيلاً: فَقَدْ كَتَبَ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ مَا شَاءَ. وَإِذَا خَلَقَ جَسَدَ الْجَنِينِ قَبْلَ نَفْخِ الرُّوحِ فِيهِ؛ بَعَثَ إِلَيْهِ مَلَكًا، فَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ، فَيُقَالُ لَهُ: اكْتُبْ رِزْقَهُ، وَأَجَلَهُ، وَعَمَلَهُ، وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ وَنَحْوَ ذَلِكَ. فَهَذَا التَّقْدِيرُ قَدْ كَانَ يُنْكِرُهُ غُلاَةُ الْقَدَرِيَّةِ قَدِيمًا، وَمُنْكِرُهُ الْيَوْمَ قَلِيلٌ.

وَأَمَّا الدَّرَجَةُ الثَّانِيَةُ؛ فَهِيَ مَشِيئَةُ اللهِ النَّافِذَةُ، وَقُدْرَتُهُ الشَّامِلَةُ، وَهُوَ: الإِيمَانُ بِأَنَّ مَا شَاءَ اللهُ كَانَ، وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ، وَأَنَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الأَرْضِ مِنْ حَرَكَةٍ وَلاَ سُكُونٍ؛ إِلاَّ بِمَشِيئَةِ اللهِ سُبْحَانَهُ، لاَ يَكُونُ فِي مُلْكِهِ مَا لاَ يُرِيدُ، وَأَنَّهُ سُبْحَانَهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ مِنَ الْمَوْجُودَاتِ وَالْمَعْدُومَاتِ، فَمَا مِنْ مَخْلُوقٍ فِي الأَرْضِ وَلاَ فِي السَّمَاءِ إِلاَّ اللهُ خَالِقُهُ سُبْحَانَهُ، لا خَالِقَ غَيْرُهُ، وَلاَ رَبَّ سِوَاهُ. وَمَعَ ذَلِكَ؛ فَقَدْ أَمَرَ الْعِبَادَ بِطَاعَتِهِ وَطَاعَةِ رُسُلِهِ، وَنَهَاهُمْ عَنْ مَعْصِيَتِهِ. وَهُوَ سُبْحَانَهُ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ، وَالْمُحْسِنِينَ، وَالْمُقْسِطِينَ، وَيَرْضَى عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ، وَلا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ، وَلاَ يَرْضَى عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ، وَلاَ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ، وَلاَ يَرْضَى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ، وَلاَ يُحِبُّ الْفَسَادَ.

وَالْعِبَادُ فَاعِلُونَ حَقِيقَةً، وَاللَّهُ خَلَقَ أَفْعَالَهُم. وَالْعَبْدُ هُوَ: الْمُؤْمِنُ، وَالْكَافِرُ، وَالْبَرُّ، وَالْفَاجِرُ، وَالْمُصَلِّي، وَالصَّائِمُ. وَلِلْعِبَادِ قُدْرَةٌ عَلَى أَعْمَالِهِمْ، وَلَهُمْ إِرَادَةٌ، وَاللهُ خَالِقُهُمْ وَقُدْرَتَهُمْ وَإِرَادَتَهُمْ؛ كَمَا قَالَ تَعَالَى: ﴿لِمَن شَآءَ مِنكُمۡ أَن يَسۡتَقِيمَ ۝٢٨ وَمَا تَشَآءُونَ إِلَّآ أَن يَشَآءَ ٱللَّهُ رَبُّ ٱلۡعَٰلَمِينَ ۝٢٩﴾ [التكوير: 29-28].

وَهَذِهِ الدَّرَجَةُ مِنَ الْقَدَرِ يُكَذِّبُ بِهَا عَامَّةُ الْقَدَرِيَّةِ الَّذِينَ سَمَّاهُمُ النَّبِيُّ - صلى الله عليه وسلم -: «**مَجُوسَ هَذِهِ الأُمَّةِ**» وَيَغْلُو فِيهَا قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الإِثْبَاتِ، حَتَّى سَلَبُوا الْعَبْدَ قُدْرَتَهُ وَاخْتِيَارَهُ، وَيُخْرِجُونَ عَنْ أَفْعَالِ اللهِ وَأَحْكَامِهِ حِكَمَهَا وَمَصَالِحَهَا.

ترجمہ:

فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت اچھی اور بری ہر طرح کی تقدیر پر ایمان رکھتا ہے۔ تقدیر پر ایمان کے دو درجے ہیں۔ اور ہر درجہ دو چیزوں پر مشتمل ہے:

پہلا درجہ: اس بات پر ایمان لانا کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے تمام اعمال کا ایسا پیشگی علم رکھتا ہے جس سے وہ ازلی اور ابدی طور پر متصف ہے۔ نیز وہ بندوں کے تمام حالات یعنی ان کی اطاعت، نافرمانی، رزق اور زندگی وغیرہ سے باخبر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں بندوں کی تقدیر لکھی۔ تو اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اسے کہا: لکھو۔ قلم نے پوچھا: کیا لکھوں؟ فرمایا: قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے، سارا لکھ ڈالو۔ (سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في القدر، ح: 4700، والترمذي، ح: 2155)

تو اب انسان کے ساتھ جو کچھ ہوا، وہ اس سے ٹلنے والا نہیں تھا اور جو کچھ انسان نہیں کر سکا، اسے انجام دینا اس کے بس سے باہر تھا۔ قلم خشک ہو چکے ہیں اور صحیفے لپیٹے جا چکے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ﴿ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿70﴾ ﴾

کیا تم جانتے نہیں کہ اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ بلاشبہ یہ سب کچھ ایک کتاب (لوح محفوظ) میں درج ہے۔ اللہ کے لئے یہ بات بالکل آسان ہے۔ [الحج: 70]

دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿ مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿22﴾ ﴾

کوئی بھی مصیبت جو زمین میں آتی ہے یا خود تمہارے نفوس کو پہنچتی ہے، وہ ہمارے پیدا کرنے سے پہلے ہی ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے (اور) یہ بات بلاشبہ اللہ کے لئے آسان کام ہے۔ [الحدید: 22]

یہ تقدیر جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علم کے تابع ہے، کہیں اجمالی ہوتی ہے اور کہیں تفصیلی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں جو چاہا، لکھ دیا ہے۔ اور ماں کے پیٹ

میں روح پھونکنے سے پہلے جب جنین (بچے) کا جسم پیدا فرماتا ہے تو فرشتے کو ان چار باتوں کا حکم دے کر بھیجتا ہے کہ اس کی روزی، اس کی زندگی، اس کا عمل اور یہ نیک ہو گا یا بد، یہ سب کچھ جا کر لکھ دو۔(متفق عليه، صحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ذكر الملائكة، ح: 3208۔ وصحيح مسلم، كتاب القدر، باب كيفية خلق الآدمي في بطن أمه ---، ح: 2643)

گزشتہ دور کے غالی (غُلُوّ کرنے والے) قدریہ اس تقدیر کا انکار کیا کرتے تھے۔ لیکن آج کل اس کے منکر بہت ہی کم ہیں۔[61]

---

(61) پہلے درجے سے ابتداء اس لیے کی ہے کیونکہ یہ پہلے واقع ہوتا ہے اور سب سے پہلے اختلاف بھی تقدیر کے اسی درجے کا ہوا تھا۔ یعنی چیزوں کی ایجاد سے پہلے ان کی تقدیر کا مقرر ہونا۔ ایسا عہدِ صحابہ کے آخر میں ہوا جیسا کہ یحییٰ بن یعمر کہتے ہیں کہ سب سے پہلا شخص جس نے بصرہ میں تقدیر (سے انکار) کی بات کی، وہ معبد جہنی تھا۔ میں (یحییٰ) اور حمید بن عبد الرحمن حِمیَری حج یا عمرے کے ارادے سے نکلے۔ ہم نے (آپس میں) کہا: کاش! رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی کے ساتھ ہماری ملاقات ہو جائے تو ہم ان سے تقدیر کے بارے میں اِن (آج کل کے) لوگوں کی کہی ہوئی باتوں کے متعلق پوچھ لیں۔ توفیقِ الٰہی سے ہمیں سیدنا عبد اللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما بیت اللہ میں داخل ہوتے ہوئے مل گئے۔ ہم جلدی سے ان کے پاس پہنچے۔ میں نے عرض کیا: اے ابو عبد الرحمٰن! (یہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔) بات یہ ہے کہ ہماری طرف کچھ ایسے لوگ ظاہر ہوئے ہیں جو قرآن مجید پڑھتے ہیں اور علم حاصل کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ تقدیر کچھ نہیں۔ (ہر) کام نئے سرے سے ہو رہا ہے۔ (پہلے اس بارے میں نہ کچھ طے ہے، نہ اللہ کو اس کا علم ہے) ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تمہاری ان لوگوں سے ملاقات ہو تو انہیں بتا دینا کہ میں ان سے بیزار ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر ان میں سے کسی کے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور وہ اسے خرچ بھی کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے اس کو قبول نہیں کرے گا جب تک وہ ہر طرح کی اچھی اور بری تقدیر پر ایمان نہ لے آئے۔ (صحيح مسلم: 8) یہ بدعتی تخلیق سے پہلے مخلوق کی تقدیر اور اللہ تعالیٰ کے علم کے منکر ہیں۔ اس بات سے بھی انکاری ہیں کہ مخلوقات کی پیدائش سے پہلے لوح محفوظ میں ان کی عمریں لکھی ہوئی ہیں۔ ان کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم کے

دوسرا درجہ: تقدیر پر ایمان کا دوسرا درجہ اللہ تعالیٰ کی نافذ ہونے والی مشیت اور اس کی عام قدرت ہے، یعنی اس بات پر ایمان رکھنا کہ اللہ نے جو چاہا، وہی ہوا اور جو نہیں چاہا، وہ نہیں ہوا۔ آسمان وزمین میں کسی بھی چیز کا حرکت کرنا یا نہ کرنا اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے۔ اللہ جو کام نہ چاہے، وہ اس کی بادشاہت میں نہیں ہوتا۔ وہ موجود ومعدوم ہر چیز پر قادر ہے۔ آسمان وزمین میں جو بھی مخلوق ہے، اللہ سبحانہ

ذریعے مناظرہ کرو۔ اگر اس صفت کا اقرار کرلیں تو ہار جائیں گے اور اگر انکار کریں تو کافر ہوجائیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ ان سے پوچھو: کیا اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا نہیں ہے؟ کیا اللہ سینوں کے رازوں سے واقف نہیں ہے؟ جب وہ اس بات کا اعتراف کرلیں کہ ہاں، اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے جیسے اللہ نے فرمایا:﴿ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴾ کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا ہے اور وہی تو ہے جو نہایت باریک بین ہے، کامل خبر رکھنے والا ہے۔ [الملك: 14] اور ﴿ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ښ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴾ اور ہم ان چیزوں کو جانتے ہیں جن کا وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے اور ہم اس کی رگ جاں سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔ [ق: 16]

ہم کہیں گے: ماضی اور مستقبل کو جاننے میں کیا فرق ہے؟ اگر اللہ ماضی کو جانتا ہے، گزری ہوئی مخلوق کی تعداد کو جانتا ہے، ان کی عمریں اور وقت مقررہ کو جانتا ہے تو پھر اس کے پہلوں اور بعد والوں کو جاننے میں کیا فرق ہے؟ کیونکہ وہ تو ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ ابھی تک جو پیدا نہیں ہوئے، ان کی تعداد جانتا ہے۔ جو ہوچکا، جو ہوگا اور جو نہیں ہوا، اگر ہوجاتا تو کیسا ہوتا، سب کچھ جانتا ہے۔ تو جو ابھی تک نہیں ہوا، وہ جانتا ہے کہ فلاں فلاں وقت میں ہوجائے گا۔ اسے فلاں فلاں چیز ملے گی۔ پیدا ہونے والے، اس کی عمر اور وہ وقت جس میں وہ پیدا ہوگا، اس طرح کی دیگر باتیں وہ سب جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم کی یہ قسم قدیم ہے۔ وہ اس سے ازلی اور ابدی طور پر موصوف ہے۔ یہ صفت پیدا شدہ نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قدیم ہے، کبھی ایسا نہیں تھا کہ وہ موجود نہ تھا۔ اس کی صفات بھی قدیم ہیں، وہ ان سے ازلی اور ابدی طور پر متصف ہے۔(الجبرین: 2/146-144)

وتعالیٰ ہی اس کا خالق ہے۔ اس کے علاوہ کوئی خالق ہے، نہ رب۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور نافرمانی کرنے سے روکا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ متقی، نیک اور انصاف کرنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے اور ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں سے راضی ہوتا ہے اور اس کے برخلاف کافروں سے محبت نہیں کرتا اور نہ ہی فاسقوں سے راضی ہوتا ہے۔ وہ فحش کاموں کا حکم نہیں دیتا۔ نہ اپنے بندوں کے کفر سے راضی ہوتا ہے اور نہ ہی فساد وبگاڑ کو پسند کرتا ہے۔

بندے ہی حقیقت میں افعال انجام دینے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان افعال کا خالق ہے۔ بندے ہی حقیقت میں مؤمن وکافر، نیک وبد، نمازی اور روزہ دار ہوتے ہیں۔ بندوں کو اپنے اعمال انجام دینے کی قدرت حاصل ہے اور وہ اپنے ارادہ سے اعمال انجام دیتے ہیں (62) لیکن اللہ تعالیٰ ان کا اور ان کی قدرت وارادہ کا خالق ہے۔

---

(62) بندوں کو اپنے افعال سرانجام دینے کی قدرت بھی حاصل ہے اور ارادہ بھی۔ اگر ان کے پاس یہ قدرت نہ ہوتی تو وہ شریعت کے پابند نہ ہوتے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ ان کی قدرت کا تذکرہ کرتے ہیں۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰهَا ۭ﴾ اللہ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی کی جو اس نے اسے دیا ہے۔ [الطلاق: 7]، ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ﴾ اللہ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی گنجائش کے مطابق۔ [البقرة: 286] اور ﴿لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۭ﴾ لازم ہے کہ وسعت والا اپنی وسعت میں سے خرچ کرے اور جس پر اس کا رزق تنگ کیا گیا ہو تو وہ اس میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔ [الطلاق: 7] ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ بندے کی قدرت ہوتی ہے۔ اسی طرح فرمایا: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ سو اللہ سے ڈرو جتنی طاقت رکھو۔ [التغابن: 16] یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ بندے کے پاس استطاعت ہوتی ہے۔ اسی قدرت اور استطاعت کی وجہ سے اسے تکلیف دی جاتی ہے، حکم دیا جاتا ہے، روکا جاتا ہے، حساب لیا جائے گا، اور ثواب یا عذاب دیا جائے گا۔ (الجبرین: 2/166-167)

جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۝28 وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝29﴾

اس کے لیے جو تم میں سے چاہے کہ سیدھا چلے۔ اور تم چاہ نہیں سکتے مگر وہی کچھ جو اللہ رب العالمین چاہتا ہو۔ [التکویر: 29-28]

عام قدریہ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کے مجوسی قرار دیا ہے، (سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في القدر، ح: 4691) تقدیر کے اس درجے کے منکر ہیں۔ جبکہ ایک دوسرے گروہ (جبریہ) نے تقدیر کے اس درجہ میں اتنے غُلوّ (بہت زیادہ مبالغہ) سے کام لیا ہے کہ بندوں سے ان کی قدرت وارادہ کو بالکل ہی ختم کر کے رکھ دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے افعال واحکام سے اس کی جو حکمت ومصلحت ہے، اس کی نفی کر دی ہے۔ (63)

---

(63) تقدیر کے اس درجے کے عام قدریہ منکر ہیں، جو بندوں کی قدرت کا انکار کرتے ہیں۔ یہ معتزلہ کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ اللہ کی قدرت کے انکاری ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے: تقدیر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نام ہے۔ یعنی جو شخص اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اسے یہ بات بھی لازماً ماننا پڑے گی کہ تقدیر بھی ہے۔ جو شخص اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ جو اللہ نے چاہا، وہی ہوا اور جو اس نے نہیں چاہا، وہ نہیں ہوا تو اس کے لیے بھی تقدیر پر ایمان رکھنا ضروری ہو جاتا ہے۔

تقدیر کے اس درجے کے انکاری قدریہ کہتے ہیں کہ یہی عدل ہے۔ اس کا نام وہ عدل رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں افعال پیدا کرے، پھر اپنے پیدا کیے افعال پر انہیں سزا دے؟ یہ تو ظلم ہے! تب ہم یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ یقیناً بندے ہی اپنے افعال پیدا کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی چیز پر قادر نہیں ہے۔ ان کی قدرت اللہ تعالیٰ کی قدرت پر غالب ہے۔ ان کا اختیار اللہ تعالیٰ کے اختیار پر غالب ہے۔

یہ معتزلہ کا قول ہے اور ایسا قول ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی شان میں کمی واقع ہوتی ہے اور اس کی کامل اور مکمل قدرت پر اعتراض لازم آتا ہے جس کے بارے میں اس نے کہا ہے: ﴿اِنَّ

اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ﴿۲۰﴾ بے شک اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔[البقرۃ: 20] اور ﴿وَهُوَ عَلٰی جَمۡعِهِمۡ اِذَا یَشَآءُ قَدِیۡرٌ﴿۲۹﴾﴾ اور وہ ان کو اکٹھا کرنے پر جب چاہے پوری طرح قادر ہے۔[الشوری: 29] جب تک اس کی قدرت عام ہو گی، تب اس میں بندوں اور افعال و حرکات شامل رہیں گے۔
۔۔۔رہا ان کا یہ کہنا کہ یہی عدل وانصاف ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سب عادلوں سے بڑھ کر عادل ہیں۔ اس کی دلیل کامل ہے۔ اس نے رسولوں کو اسی لیے بھیجا تھا تاکہ اتمامِ حجت ہو جائے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿قُلۡ فَلِلّٰهِ الۡحُجَّةُ الۡبَالِغَةُ ۚ فَلَوۡ شَآءَ لَهَدٰىكُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ﴿۱۴۹﴾﴾ کہہ دے پھر کامل دلیل تو اللہ ہی کی ہے، سو اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ضرور ہدایت دے دیتا۔[الأنعام: 149] جب اللہ نے بتا دیا ہے کہ اس کی دلیل کامل ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا یہ کہنا: بندے اپنے افعال کا خود خالق ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس میں کوئی قدرت حاصل نہیں ہے۔ یہ قول اللہ تعالیٰ کی تنقیص (شان میں کمی) کر رہا ہے۔ ہم کہتے ہیں: اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت دے دیتا باوجود اس کے کہ وہ ان پر حجت قائم کر چکا ہے۔

آپ یہ جان چکے ہیں کہ ان کے اس قول میں اللہ تعالیٰ کی تنقیص پائی جاتی ہے۔ جبکہ اہل سنت اس بات کے قائل ہیں کہ بندوں کو قدرت واختیار حاصل ہے لیکن یہ اختیار اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے تقدیری کائناتی ارادے سے جڑا ہوا ہے۔

قدریہ کا ایک فرقہ اور بھی ہے جسے مجبرہ کہتے ہیں۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال میں کوئی حکمت اور مصلحت نہیں ہوتی۔ گویا اِن لوگوں نے تقدیر کے اس درجے کے اثبات میں غلو کیا اور اُن لوگوں نے نفی میں۔ قدریہ مجبرہ وہ لوگ ہیں جن کا یہ نظریہ ہے کہ بندے اپنے افعال میں مجبور محض ہیں۔ انہیں کچھ بھی اختیار نہیں ہے۔ وہ بندے کو اپنے افعال میں معذور مانتے ہیں کیونکہ اس کے پاس تو کوئی اختیار نہیں ہے۔ بلکہ اللہ ہی اس میں اپنے اختیار کو چلانے والا ہے۔ بندے کی حرکت کو وہ رعشہ کے مریض کی حرکت جیسی یا ہوا چلنے سے جو درخت میں حرکت پیدا ہوتی ہے، اس جیسی حرکت مانتے ہیں جس میں اس کا اپنا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔

یہ جبریہ کا قول ہے جن کا یہ عقیدہ ہے کہ بندہ مجبور اور اپنے افعال سرانجام دینے میں پابندی کا مارا ہوا ہے۔ اسے کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ اس کے لیے وہ تقدیر کو اپنی دلیل بناتے ہیں۔۔۔ ایک دلیل ان کی یہ ہے کہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے اور اس کے افعال کو پیدا کرے، پھر ان کی وجہ سے اسے سزا دے؟ یہ تو واضح ظلم ہے۔۔۔

ہم کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے تجھے قدرت عطا کی ہے اور تو اسی قدرت کی وجہ سے پابند اور قادر ہے۔ وہ تو اپنے بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ جب تو کوئی غلط کام کرے گا تو ملامت زدہ ہو گا، اگرچہ اس کام کو پیدا اسی نے کیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے، تقدیر بنائی ہے اور ہدایت بخشی ہے۔ اس کی مشیت بندوں کی مشیت پر غالب ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿28﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿29﴾﴾ اس کے لیے جو تم میں سے چاہے کہ سیدھا چلے۔ اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ چاہے، جو سب جہانوں کا رب ہے۔ [التکویر: 29-28]، ﴿فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿55﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ط﴾ تو جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے۔ اور وہ نصیحت حاصل نہیں کریں گے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ [المدثر: 56-55] اور ﴿فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿29﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ط﴾ تو جو چاہے اپنے رب کی طرف (جانے والا) راستہ اختیار کرلے۔ اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ [الإنسان: 30-29] اسی طرح اور بہت سی آیات ہیں جن میں بندے کی مشیت کا اللہ کی مشیت سے پہلے ذکر ہے۔ بندے کی مشیت کا اللہ نے اثبات کیا ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ نے اس کے لیے طریقے بیان کر دیے ہیں، راستے واضح کر دیے ہیں، حق اور باطل ظاہر کر دیا ہے، حجت قائم کر دی ہے اور اسے قدرت عطا فرما دی ہے، اگرچہ یہ قدرت اللہ کی قدرت میں شامل ہے۔ فرمایا: ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ﴾ پھر جو چاہے سو ایمان لے آئے اور جو چاہے سو کفر کرے۔ [الکھف: 29] اور یہ بھی بتایا ہے کہ نیک لوگ راحت و آرام میں ہوں گے اور بدکار عذاب میں ہوں گے۔ اس نے لوگوں سے کہا ہے کہ یہ بھلائی والا راستہ ہے، اس پر چلو اور یہ برائی والا راستہ ہے، اس سے بچو: ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ط﴾ پھر ان میں سے کچھ وہ تھے جنھیں اللہ نے ہدایت دی اور ان میں سے کچھ وہ تھے جن پر گمراہی ثابت ہو گئی۔ [النحل: 36] اللہ کی مشیت کے مطابق کسی کو توفیق ملنا اس کی طرف سے احسان، نعمت اور فضل ہے جبکہ اپنی مشیت کے مطابق کسی کو بے یار و مددگار چھوڑنا اور توفیق نہ دینا اس کی حکمت اور عدل کے عین مطابق ہے۔ کامل حکمت اور ناقابل تردید دلیل اللہ کی ہے۔ جو لوگ تقدیر کے کلی منکر ہیں وہ بندوں کی قدرت کے بھی منکر ہیں۔ انہوں نے بندے سے اس کی قدرت اور اختیار چھین لیا ہے۔

یہی وہ لوگ ہی جو اللہ تعالیٰ کے افعال سے حکمت اور مصلحت کی نفی کرتے ہیں اور اس کی کوئی وجہ بیان نہیں کرتے۔ انہوں نے سورت انبیاء کی اس آیت سے استدلال کیا ہے: ﴿لَا يُسْئَلُ

تشریح:

تقدیر سے متعلق یہ بحث بہت عمدہ، عظیم اور جامع ہے۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے اسے تفصیل سے اور واضح انداز میں تحریر کیا ہے۔ اسی طرح ان کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب «شفاء العليل في مسائل القضاء والقدر، والحكمة والتعليل» میں اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿٢٣﴾ اس سے نہیں پوچھا جاتا اس کے متعلق جو وہ کرے اور ان سے پوچھا جاتا ہے۔[الأنبياء: 23] کہتے ہیں کہ کسی چیز اور شریعت میں کوئی حکمت پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ بغیر کسی امتحان اور گناہ کے عذاب دیتا ہے اور بغیر کسی عمل کے ثواب سے نواز دیتا ہے۔ کسی کو سزا دینا چاہے تو اس کے لیے جائز ہے۔ کسی کو عذاب دینا چاہے تو اس کے لیے جائز ہے۔ یہ بات بالکل جائز ہے کہ وہ فاسق ترین شخص کو نعمتوں سے نواز دے اور متقی ترین شخص کو عذاب میں مبتلا کر دے۔ استدلال وہ اس آیت سے کرتے ہیں: ﴿لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ﴾ اس سے نہیں پوچھا جاتا اس کے متعلق جو وہ کرے۔[الأنبياء: 23] اور اسے اپنے نظریہ کے مطابق ڈھالتے ہیں۔

بلاشبہ ان کا یہ نظریہ قرآن وحدیث کی صریح عبارات کے خلاف ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ سے ظلم کی نفی کی ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿٤٦﴾﴾ اور آپ کا رب اپنے بندوں پر ہرگز کوئی ظلم کرنے والا نہیں۔[فصلت: 46] اور: ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿١٨٢﴾﴾ اور بے شک اللہ بندوں پر کچھ بھی ظلم کرنے والا نہیں۔[آل عمران: 182] اسی طرح اس سے ملتی جلتی دیگر آیات۔ لہٰذا اگر وہ اس طرح کرے گا تو یہ ظلم ہو گا۔ حالانکہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: «يا عبادي! إني حرمت الظلم على نفسي، وجعلته بينكم محرماً فلا تظالموا» اے میرے بندو! میں نے اپنے آپ پر ظلم کرنا حرام قرار دیا ہے اور تمہارے لیے بھی آپس میں ظلم کرنا حرام کیا ہے، لہٰذا ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ (صحيح مسلم: 2577) بلاشبہ فرمانبردار کو عذاب دینا ظلم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اس کی طرف ظلم کی نسبت کی جائے۔ یہ اور اس طرح کی دیگر آیات واحادیث ان ظالموں کی نظریہ کی دھجیاں اڑا دیتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے افعال سے حکمت اور مصلحت کی نفی کرتے ہیں۔ (الجبرین: 2/173-168)

شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے یہاں تقدیر کا مسئلہ بالکل شافی اور عمدہ طریقے سے بیان کر دیا ہے۔ اچھی اور بری تقدیر پر ایمان اہل سنت والجماعت کا اصول اور فرقہ ناجیہ کی نشانی ہے۔ فرقہ ناجیہ ہر اعتبار سے اچھی اور بری تقدیر پر ایمان رکھتا ہے۔

تقدیر پر ایمان کے دو درجات ہیں اور ہر درجہ دو چیزوں پر مشتمل ہے۔ تو تقدیر پر ایمان چار چیزوں پر مشتمل ہے۔ اسے چار مرتبے بھی کہتے ہیں۔ جو انہیں اچھی طرح سمجھ لیتا ہے، اس کا تقدیر پر ایمان کامل ہو جاتا ہے۔

پہلا مرتبہ: علم، یعنی کہ اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو جانتا ہے۔

دوسرا مرتبہ: کتابت یعنی لکھائی۔

تیسرا مرتبہ: اللہ تعالیٰ کی مشیت کہ جو اللہ چاہتا ہے، وہ ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا، وہ نہیں ہوتا۔

چوتھا مرتبہ: تخلیق و ایجاد، یعنی کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔ تخلیق و انتظام چلانے میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔

یہ تقدیر کے چار مرتبے ہیں: اللہ تعالیٰ کا سب چیزوں کو جاننا، اس کے علم کا ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہونا جیسا کہ فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿75﴾﴾

بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ [الأنفال: 75]

مزید ارشاد ہے: ﴿لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿12﴾﴾

تاکہ تم جان لو کہ بے شک اللہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھنے والا ہے اور یہ کہ بے شک اللہ نے یقیناً ہر چیز کو علم سے گھیر رکھا ہے۔ [الطلاق: 12]

یہ اللہ کا قدیمی علم ہے جس سے وہ ازلی، ابدی طور پر متصف ہے۔ اس کے علم سے کوئی چیز غائب نہیں ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا يَعْزُبُ عَن رَّبِّكَ مِن مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ﴾

اور آپ کے رب سے کوئی ذرہ برابر (چیز) نہ زمین میں غائب ہوتی ہے اور نہ آسمان میں۔[یونس: 61]

تو دنیا و آخرت میں ہونے والا ہر کام اور ہر حادثہ اللہ تعالیٰ کے علم ہے۔ اس سے کوئی مخفی چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ علم کے ساتھ ساتھ یہ سب کچھ لکھا ہوا بھی ہے، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴾

کیا تم جانتے نہیں کہ اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ بلاشبہ یہ سب کچھ ایک کتاب (لوح محفوظ) میں درج ہے۔ اللہ کے لئے یہ بات بالکل آسان ہے۔ [الحج: 70]

دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴾

کوئی بھی مصیبت جو زمین میں آتی ہے یا خود تمہارے نفوس کو پہنچتی ہے، وہ ہمارے پیدا کرنے سے پہلے ہی ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے (اور) یہ بات بلاشبہ اللہ کے لئے آسان کام ہے۔[الحدید: 22]

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: «كَتَبَ اللهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، قَالَ: وَعَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ».

زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی تھیں اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ (صحیح مسلم، کتاب القدر، باب حجاج آدم و موسی علیهما السلام، ح: 2653)

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو لوح محفوظ میں لکھا اور قلم نے وہ سب کچھ لکھا جو قیامت تک ہونے والا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تقدیر کا پہلا درجہ دو چیزوں پر مشتمل ہے: علم اور کتابت (لکھائی)

دوسرا درجہ بھی دو چیزوں پر مشتمل ہے: مشیت اور تخلیق وایجاد۔ اللہ کی مشیت نافذ ہو کر رہنے والی ہے۔ جو اللہ چاہتا ہے، وہ ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا، وہ نہیں ہوتا۔ وہ ہر چیز کا خالق ہے، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:﴿وَمَا تَشَاۗءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۹﴾

اور تم چاہ نہیں سکتے مگر وہی کچھ جو اللہ رب العالمین چاہتا ہو۔
[التکویر: 29-28]

ایک اور جگہ فرمایا:﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾

اللہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے۔[الرعد: 16]

مختصر لفظوں میں تقدیر یہ ہے کہ اللہ سب چیزوں کو جانتا ہے، اس نے انہیں لکھ رکھا ہے، وہی ان کا خالق ہے اور جو وہ چاہتا ہے، وہی ہوتا ہے، جو نہیں چاہتا، وہ نہیں ہوتا۔

بندے ہی اپنے افعال کو حقیقت میں سرانجام دینے والے ہیں یعنی ان کے افعال حقیقی طور پر انہی کے ہوتے ہیں اور انہی کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ بندہ ہی حقیقت میں نمازی، روزہ دار، حاجی، زانی، چور، دکاندار، گاہک، دلہا اور طلاق دینے والا ہوتا ہے۔ اسی طرح دیگر افعال ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ بندوں کا اور ان کے افعال کا خالق ہے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۹۶﴾

اور اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا اور اسے بھی جو تم کرتے ہو۔[الصافات: 96]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ متقی، نیک اور انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے لیکن فاسقوں سے راضی نہیں ہے۔ کافروں کو پسند کرتا ہے، نہ ان کے کفر سے راضی ہے۔ وہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ نیکی اور نیک لوگوں کو پسند کرتا ہے جبکہ برائی اور برے

لوگوں سے نفرت کرتا ہے۔ ایمان اور تقویٰ اسے پسند ہے جبکہ فساد، کفر اور گمراہی اسے ناپسند ہے۔ ہر بندے کو اسی کام کی توفیق ملتی ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر سارے معاملات تقدیر میں لکھ دیے گئے ہیں تو پھر عمل کرنے کا کیا فائدہ؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: «**اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ، أَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ.، وَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاءِ فَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ**».

تم عمل کرتے رہو۔ ہر شخص کو ان اعمال کی توفیق دی جاتی ہے جن کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ جو شخص نیک ہوتا ہے، اسے نیک لوگوں والے عمل کی توفیق ملی ہوتی ہے اور جو بدبخت ہوتا ہے، اسے بدبختوں والے عمل کی توفیق ملی ہوتی ہے۔ (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله: فأما من أعطى واتقى، ح: 4949۔ وصحيح مسلم، كتاب القدر، باب كيف خلق الآدمي۔، ح: 2647)

تقدیر کے پہلے درجے یعنی اللہ تعالیٰ کے علم کا غالی قدریہ نے پہلے انکار کیا تھا، پھر انہوں نے اس سے رجوع کر لیا۔ اب اس کے منکر بہت کم ہیں جیسا کہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو جانتے ہیں اور اس نے انہیں لکھا ہوا ہے۔

تقدیر کے دوسرے درجے یعنی اللہ تعالیٰ کے تمام چیزوں کا خالق ہونے اور اس کی مشیت کے نافذ ہونے کو معتزلہ وغیرہ میں سے قدریہ کی اکثریت نے جھٹلایا ہے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام ''اس امت کے مجوسی'' رکھا تھا کیونکہ مجوسی وہ لوگ ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ اس جہان کے دو خالق ہیں۔ ایک یزداں، جو اچھائی کا خالق ہے اور دوسرا اَھرَمَن، جو برائی کا خالق ہے۔ یہ قدریہ بھی ان لوگوں میں شامل ہیں کیونکہ انہوں نے بندوں کو افعال کے معاملے میں اللہ کا شریک بنایا ہے

اور کہتے ہیں کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں۔ یہ افعال ان کی تقدیر میں موجود نہیں تھے بلکہ وہ خود انہیں سرانجام دیتے ہیں۔ اللہ ان افعال کا خالق نہیں ہے۔ یہ ان کی جہالت اور ضلالت ہے۔ یہ صفات کی نفی کرنے والے معتزلہ اور قدریہ ہیں جنھوں نے اس طرح اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا اور یوں کافر ہو گئے۔

دوسری طرف قدریہ میں مُجبِّرہ ہیں۔ یہ جہمیہ اور ان جیسے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ بندہ مجبور محض ہے۔ نہ اس کا کوئی فعل ہے، نہ اختیار۔ یہ مجبور محض ہے۔ یہ بھی گمراہ ہیں۔ یہ صفات کی نفی کرنے والے جہمیہ ہیں۔ یہ صفات کی نفی کے ساتھ ساتھ جبر کے بھی قائل ہیں کہ بندہ مجبور محض ہے، اس کا کوئی فعل ہے، نہ اختیار۔ جہمیہ، معتزلہ، قدریہ، صفات کی نفی کرنے والے یہ سارے گمراہ فرقے ہیں۔ امامی شیعہ بھی انہی میں شامل ہیں کیونکہ یہ بھی تقدیر کے منکر معتزلہ ہیں۔

تقدیر کی تھوڑی سی تفصیل پیش خدمت ہے۔ ایک تقدیر پیشگی ہوتی ہے، یہ وہ تقدیر ہے جو ماں کے پیٹ میں جنین (بچے) کی ہوتی ہے۔ ایک تقدیر وہ ہے جو لیلۃ القدر میں ہوتی ہے۔ ایک تقدیر وہ ہے جو اس وقت واقع ہوئی تھی جب آدم پیدا ہوئے تھے اور اللہ نے ان کی پشت سے ان کی اولاد نکالی تھی۔ یہ تفصیلی تقدیر ہے یعنی عمر والی تقدیر، سالانہ تقدیر جو لیلۃ القدر میں ہوتی ہے اور یومیہ تقدیر، یہ ساری پیشگی تقدیر کی تفصیلات ہیں۔ اس پیشگی تقدیر سے جنین خارج ہے، نہ کوئی اور۔ اسی لیے جب صحابہ کرام نے کہا: اے اللہ کے رسول! جب جنت و جہنم میں ہمارے ٹھکانے معلوم ہیں اور ہر چیز مقدر ہو چکی ہے تو پھر عمل کی کیا ضرورت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «**اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ، أَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ، وَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاءِ فَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ، ثُمَّ قَرَأَ:** قوله تعالى: ﴿**إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّىٰ ﴿4﴾ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ﴿5﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ﴿6﴾ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ﴿7﴾ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ﴿8﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ﴿9﴾ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ﴿10﴾**﴾

تم عمل کرتے رہو۔ ہر شخص کو ان اعمال کی توفیق دی جاتی ہے جن کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ جو شخص نیک ہوتا ہے، اسے نیک لوگوں والے عمل کی توفیق ملی ہوتی ہے اور جو بدبخت ہوتا ہے، اسے بدبختوں والے عمل کی توفیق ملی ہوتی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تلاوت کیا: ”بے شک تمہاری کوشش یقیناً مختلف ہے۔ پس جس نے دیا اور (نافرمانی سے) بچا۔ اور اس نے سب سے اچھی بات کو سچ مانا۔ تو یقیناً ہم اسے آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے۔ لیکن جس نے بخل کیا اور بے پروا ہوا۔ اور اس نے سب سے اچھی بات کو جھٹلا دیا۔ تو یقیناً ہم اسے مشکل راستے کے لیے سہولت دیں گے۔ [اللیل: 10-4] (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله: فأما من أعطى واتقى، ح: 4949۔ وصحيح مسلم، كتاب القدر، باب كيف خلق الآدمي۔، ح: 2647)

یہ بہت عظیم بحث ہے، اس لائق ہے کہ اسے یاد اور ضبط کیا جائے کیونکہ اس کے ذریعے آپ تمام بدعتی اور گمراہ فرقوں مثلاً: صفات کی نفی کرنے والے قدریہ اور مجبریہ، سب کی مخالفت مول لے سکتے ہیں اور نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم والا عقیدہ اپنا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایمان کی تعریف اور کبیرہ گناہوں کے مرتکب کا حکم:

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مِنْ أُصُولِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ أَنَّ الدِّينَ وَالإِيمَانَ قَوْلٌ وَعَمَلٌ، قَوْلُ الْقَلْبِ وَاللِّسَانِ، وَعَمَلُ الْقَلْبِ وَاللِّسَانِ وَالْجَوَارِحِ. وَأَنَّ الإِيمَانَ يَزِيدُ بِالطَّاعَةِ، وَيَنْقُصُ بِالْمَعْصِيَةِ.

وَهُمْ مَعَ ذَلِكَ لا يُكَفِّرُونَ أَهْلَ الْقِبْلَةِ بِمُطْلَقِ الْمَعَاصِي وَالْكَبَائِرِ؛ كَمَا يَفْعَلُهُ الْخَوَارِجُ؛ بَلِ الأُخُوَّةُ الإِيمَانِيَّةُ ثَابِتَةٌ مَعَ الْمَعَاصِي؛ كَمَا قَالَ سُبْحَانَهُ فِيْ آيَةِ الْقِصَاصِ: ﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [البقرة: 178]، وَقَالَ: ﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝﴾ [الحجرات: 10-9].

وَلاَ يَسْلُبُونَ الْفَاسِقَ الْمِلِّيَّ اسْمَ الإِيمَانِ بِالْكُلِّيَّةِ، وَلاَ يُخَلِّدُونَهُ فِي النَّارِ؛ كَمَا تَقُولُ الْمُعْتَزِلَةُ. بَلِ الْفَاسِقُ يَدْخُلُ فِي اسْمِ الإِيمَانِ؛ كَمَا فِي قَوْلِهِ: ﴿فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾ [النساء: 92]، وَقَدْ لاَ يَدْخُلُ فِي اسْمِ الإِيمَانِ الْمُطْلَقِ؛ كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ

وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿2﴾ [الأنفال: 2]

وَقَوْلُهُ صلى الله عليه وسلم: «لاَ يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلاَ يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلاَ يَنْتَهِبُ نَهْبَةً ذَاتَ شَرَفٍ يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ فِيهَا أَبْصَارَهُمْ حِينَ يَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ» . وَنَقُولُ: هُوَ مُؤْمِنٌ نَاقِصُ الإِيمَانِ، أَوْ مُؤْمِنٌ بِإِيمَانِهِ فَاسِقٌ بِكَبِيرَتِهِ، فَلاَ يُعْطَى الاسْمَ الْمُطْلَقَ، وَلاَ يُسْلَبُ مُطْلَقَ الاسْمِ.

ترجمہ:

اہل سنت والجماعت کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ دین اور ایمان قول و عمل کے مجموعے کا نام ہے۔ یعنی دل اور زبان سے اقرار کرنے اور دل، زبان اور اعضاء سے عمل کرنے کا نام ایمان ہے۔ یہ اطاعت کرنے سے بڑھتا اور نافرمانی کرنے سے کم ہوتا ہے۔[64]

---

(64) ایمان کی تعریف کے مسئلے میں فرقہ مرجئہ اہل سنت کے خلاف ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے۔ کہتے ہیں کہ لغت میں ایمان کی اصل یہی بتائی گئی ہے۔

جواب: یہ بات صحیح ہے کہ لغت میں ایمان صرف تصدیق کو کہتے ہیں لیکن شریعت نے اسے خاص معنیٰ میں استعمال کیا ہے۔ اس لیے اس کا ایک شرعی معنیٰ ہے اور ایک لغوی۔ جس طرح لفظ کفر کو شریعت نے ایک خاص معنیٰ میں استعمال کیا ہے۔ لغت میں کفر ڈھانپنے کو کہتے ہیں لیکن شریعت نے اسے دین کے انکار اور شریعت کے رد کرنے کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔

اسی طرح نفاق لغت میں چھپنے کو کہا جاتا ہے لیکن شریعت میں نفاق کا مطلب ہے: ظاہر میں ایمان اور باطن میں کفر۔

لہٰذا یہ شرعی معانی ہیں، کفر، شرک، نفاق، ایمان اور اسلام وغیرہ سب کے ایسے الفاظ ہیں جنہیں شریعت نے لغوی معنیٰ سے شرعی معنیٰ میں منتقل کر لیا ہے۔ اب یہ اعمال شعائر دین میں

شامل ہیں جیسے شریعت نے عبادات کو ان کے لغوی معنیٰ سے شرعی معنیٰ میں ڈھال لیا ہے۔ مثلاً: عربوں کے ہاں صلاۃ یعنی نماز ان اعمال کے مجموعہ کے طور پر معروف نہ تھی، ان کے نزدیک تو صلاۃ کا مطلب دعا تھا۔ اسی طرح ان کے ہاں صیام یعنی روزہ طلوع فجر سے غروب آفتاب تک رمضان وغیرہ میں خاص چیزوں سے رکنے کا نام نہیں تھا، بلکہ ان کے نزدیک تو صیام حرکت وغیرہ کسی بھی چیز سے رکنے کا نام تھا۔ زکاۃ کو شریعت نے پاکیزگی کے معنیٰ سے نکال کر اس مال خرچ کرنے والے رکن کی طرف منتقل کیا ہے۔ اسی طرح نماز وغیرہ کو ان کے لغوی معانی جو عربوں کے ہاں معروف تھے، ان سے نکال کر شرعی معانی میں منتقل کیا۔

اس لیے اب ایمان کی شرعی تعریف یہ ہے:

زبان سے بولنا، مثلاً: شہادتین کا اقرار اور اذکار کرنا۔

دل میں عقیدہ رکھنا، مثلاً: اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعتقاد اور اس کے اسماء وصفات کی تصدیق، اعمال کی بناء پر بدلے کا عقیدہ اور موت کے بعد زندگی اور پھر دوبارہ اٹھنا وغیرہ پر اعتقاد۔

اعضاء کے ذریعے عمل، مثلاً: رکوع، سجدہ، بیت اللہ کا طواف، نماز اور جہاد وغیرہ۔

یہ تینوں چیزیں ایمان کی تعریف میں شامل ہیں۔ مؤمنوں کا ایمان مختلف ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کا ایمان پہاڑ سے بھی بڑا ہوتا ہے اور بعض کا ذرے جتنا یا اس سے بھی کم۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا حدیثِ شفاعت میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہنا ہے: «انطلق فمن كان في قلبه مثقال حبة من برة أو شعيرة من إيمان فأخرجه منها» حتى قال: «انطلق فمن كان في قلبه أدنى أدنى أدنى من مثقال حبة من خردل من إيمان فأخرجه منها» جایئے اور جس کے دل میں گندم یا جَو کے دانے کے برابر ایمان ہے، اسے وہاں سے نکال لیں۔۔۔ جایئے اور جس کے دل میں رائی کے دانے سے کم، اس سے بھی کم، اس سے اور بھی کم ایمان ہو، اسے آگ سے نکال لیں۔ (صحيح البخاري: 7510، وصحيح مسلم: 193) یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ایمان کم اور زیادہ ہوتا ہے۔ فرمانبرداری سے زیادہ جبکہ نافرمانیوں سے کم ہوتا ہے۔ جب ہم اللہ کا ذکر کرتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، صدقہ خیرات دیتے ہیں اور نیک صالح اعمال کرتے ہیں تو ہمارا ایمان بڑھ جاتا ہے اور مضبوط ہو جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں جب ہم غافل ہوتے ہیں، کھیل کود میں لگ جاتے ہیں اور نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں تو ہمارا ایمان کم ہو جاتا ہے اور کمزور پڑ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ بیان کیا ہے کہ ایمان بڑھتا ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ جو چیز بڑھ سکتی ہے، وہ کم بھی ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرامین گرامی ملاحظہ فرمائیں: ﴿لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ ﴾ تاکہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ ایمان میں زیادہ ہو جائیں۔ [الفتح: 4]، ﴿وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا﴾ اور جب ان پر اس کی آیات پڑھی جائیں تو انھیں ایمان میں بڑھا دیتی ہیں۔ [الأنفال: 2]، ﴿وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ﴾ اور جب بھی کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں اس نے تم میں سے کس کو ایمان میں زیادہ کیا؟ پس جو لوگ ایمان لائے، سو ان کو تو اس نے ایمان میں زیادہ کر دیا اور وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔ اور رہے وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے تو اس نے ان کو ان کی گندگی کے ساتھ اور گندگی میں زیادہ کر دیا۔ [التوبة: 125-124] جب ایمان زیادہ ہو سکتا ہے تو کم بھی ہو سکتا ہے۔

سلف صالحین اس کا اعتراف کیا کرتے تھے اور ایک دوسرے سے کہتا: آؤ بیٹھیں، کچھ دیر ایمان لے آئیں۔ یعنی بیٹھ کر اللہ کا ذکر کریں گے یا کوئی نیک عمل کریں گے جو قیامت والے دن ہمارے نیکیوں والے پلڑے میں جائے گا، جس سے وہ پلڑا بھاری ہو جائے گا اور دنیا میں ہمارا ایمان مضبوط ہو گا اور بڑھ جائے گا۔

بندہ اپنے تمام حالات میں کبھی ایمان میں زیادہ ہوتا ہے اور کبھی کمی میں۔ جب کبھی وہ کوئی اچھی بات کرتا ہے، اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور جب کوئی بری بات کرتا ہے تو ایمان کم ہو جاتا ہے۔ جب اللہ کا ذکر کرتا ہے اور تسبیح کرتا ہے تو یہ بہترین عمل ہے۔ اور جب اللہ اور اس کے دین کو گالیاں دیتا اور مسلمانوں کو برا بھلا کہتا ہے یا اس طرح کا کوئی اور عمل کرتا ہے تو اس کے فعل کے مطابق اس کا ایمان کم ہو جاتا ہے۔ اور بعض اوقات تو بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ جب کوئی ایک روپیہ اپنی جیب سے نکال کر صرف اللہ کو راضی کرنے کے لیے صدقہ کرتا ہے تو اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔ اور جب تھوڑا زیادہ شیطانی کاموں میں خرچ کرتا ہے کہ کھیل کود کا سامان خرید لیتا ہے یا اس کے ذریعے کوئی برا کام کرتا ہے تو اس کا ایمان کم ہو جاتا ہے۔ جب وہ عبادات وغیرہ کی ادائیگی کے لیے مساجد کی طرف قدم بڑھاتا ہے تو اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور جب تفریحی مشینوں اور رقص و موسیقی والی جگہوں کی طرف جاتا ہے تو اس کا ایمان کم ہو جاتا ہے۔ بندہ انہی دو حالتوں کے

لیکن اس کے باوجود اہل سنت والجماعت محض چھوٹے اور بڑے گناہ کا ارتکاب کر لینے کی وجہ سے اہل قبلہ میں سے کسی کی کافر قرار نہیں دیتے، جیسا کہ خوارج کرتے ہیں، بلکہ نافرمانی کے باوجود ایمانی اخوت ثابت و برقرار مانتے ہیں، جیسا کہ آیت قصاص میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ﴾.

پھر جسے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی معاف کر دیا جائے تو معروف طریقے سے پیچھا کرنا ہے۔ [البقرۃ: 178]

ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ

درمیان ڈولتا رہتا ہے۔ جو حالت غالب آتی ہے، ادھر چل پڑتا ہے۔ جو ہمیشہ خیر کی طرف جاتا ہے، اس کا ایمان بڑھتا اور مضبوط ہو جاتا ہے۔ پھر اس کی یہ قوت اس کی کمزوری پر غالب آ جاتی ہے۔ اگر کبھی وہ دوسری جانب جانے کا ارادہ کرتا ہے تو یہ مضبوط ایمان اس کے راستے میں دیوار بن کر کھڑا ہو جاتا ہے جس سے گزرنا اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ اپنے دل کو ایمان سے بھرا ہوا محسوس کرتا ہے تو شر کے ارادے کو اس میں ٹھہرنے کے لیے کوئی جگہ نہیں ملتی اور یوں شر کو اس مؤمن بندے کے دل کی طرف جانے کے لیے کوئی راستہ نہیں ملتا، جس کا ایمان مضبوط ہوتا ہے اور اس کے نیک اعمال دگنے تگنے ہوتے ہیں۔

بہر حال ایمان زبان سے بولنے، دل سے عقیدہ رکھنے اور اعضاء کے ذریعے عمل کرنے کا نام ہے۔ فرمانبرداری سے زیادہ اور نافرمانی سے کم ہوتا ہے۔ اہل سنت اسی کے قائل ہیں۔ اس مسئلے میں مرجئہ ان کے مخالف ہیں جو کہتے ہیں کہ ایمان صرف تصدیق کو کہتے ہیں۔ فقہاء حنفیہ کے بعض گروہ بھی ان کے مخالف ہیں جو کہتے ہیں کہ ایمان صرف دلی عمل کا نام ہے۔ بعض گروہ یہ کہتے ہیں کہ ایمان صرف معرفت کا نام ہے۔ ان کے اس بارے میں اور بھی اقوال ہیں جو سارے کے سارے قابل اعتراض ہیں۔ (الجبرین: 2/ 179-176)

وَاَقۡسِطُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ ۝ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَ اَخَوَيۡكُمۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ۝﴾

اور اگر ایمان والوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو دونوں کے درمیان صلح کرا دو، پھر اگر دونوں میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو اس (گروہ) سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے، پھر اگر وہ پلٹ آئے تو دونوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ مومن تو بھائی ہی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ [الحجرات: 10-9]

اہل سنت والجماعت، ملت کی طرف منسوب فاسق سے ایمان کی بالکل ہی نفی نہیں کرتے اور نہ یہ کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، جیسا کہ خوارج کا عقیدہ ہے، بلکہ اسے اس ایمان کے تحت شامل مانتے ہیں جس کا تذکرہ اس قسم کی آیات میں ہوا ہے: ﴿فَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ﴾

تو ایک مومن گردن آزاد کرنا ہے۔ [النساء: 92]

اس ایمان کے تحت اسے شامل نہیں مانتے جس کا تذکرہ اس قسم کی آیات میں ہوا ہے:

﴿اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِيۡنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ وَاِذَا تُلِيَتۡ عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ ۝﴾

مومن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات پڑھی جائیں تو انہیں ایمان میں بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسا رکھتے ہیں۔ [الأنفال: 2]

اور جو ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے مراد ہے:

«لاَ يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلاَ يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلاَ يَنْتَهِبُ نَهْبَةً ذَاتَ شَرَفٍ يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ فِيهَا أَبْصَارَهُمْ حِينَ يَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ»

زانی جس وقت زنا کرتا ہے، مؤمن نہیں ہوتا۔ چور جس وقت چوری کرتا ہے، مؤمن نہیں ہوتا۔ شرابی جس وقت شراب پیتا ہے، مؤمن نہیں ہوتا۔ ڈاکو جس وقت کوئی ایسی قیمتی چیز چھینتا ہے جس پر لوگ اس کی طرف اپنی نگاہ اٹھاتے ہیں تو وہ مؤمن نہیں ہوتا۔(متفق عليه، صحيح البخاري، كتاب المظالم، باب النهي بغير إذن صاحبه، ح: 2475۔ وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان نقصان الإيمان بالمعاصي ---، ح: 57)

ہم کہتے ہیں کہ وہ ناقص ایمان والا مؤمن ہے یا یہ کہ وہ اپنے ایمان کے اعتبار سے مؤمن اور کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے فاسق ہے۔ یعنی اسے کامل مؤمن کہتے ہیں، نہ اس سے ایمان کی بالکل نفی کرتے ہیں۔[65]

تشریح:

اہل سنت والجماعت کے عقائد میں یہ بہت عظیم بحث ہے کہ ایمان قول وعمل کے مجموعے کا نام ہے یعنی دل اور زبان کے اقرار اور دل اور اعضاء کے عمل کو ایمان کہتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت کے ہاں ایمان کی یہی تعریف ہے۔ اس معاملے میں معتزلہ میں سے مرجئہ اور خوارج ان کے مخالف ہیں۔ البتہ خوارج اس تعریف کی حد تک تو اہل سنت سے متفق ہیں کہ ایمان قول و قرار اور عمل کا نام ہے لیکن ان کے

---

(65) ایمانِ مُطلَق اور مُطلَق ایمان میں فرق ہے۔ ایمانِ مطلق کا مطلب ہے: کامل ایمان۔ اس لیے نافرمان کو ایمان کامل یا ایمان مطلق کا حق دار نہیں سمجھا جائے گا۔ لیکن نافرمان اور گناہ گار سے مطلق ایمان کی نفی بھی نہیں کی جائے گی یعنی ایمان کا لفظ نہیں چھینا جائے گا۔ کیونکہ لفظ ایمان فرمانبردار اور نافرمان، بے گناہ اور گناہ گار سب کو شامل ہوتا ہے۔ سارے لفظ ایمان میں داخل ہیں۔ کہتے ہیں: اس کے اندر ایمان ہے، یہ اہل ایمان میں سے ہے۔(الجبرین:2/191)

نزدیک یہ کم یا زیادہ نہیں ہوتا۔ بلکہ یا تو کامل ایمان ہو گا یا بالکل نہیں ہو گا۔ اسی وجہ سے وہ گناہ گار کو کافر کہتے ہیں اور اسے ابدی جہنمی مانتے ہیں۔ معتزلہ بھی آخرت میں ان کے اسی انجام کو پہنچنے کے اعتبار سے خوارج کے ہم زبان ہیں کہ گناہ گار ابدی جہنمی ہیں۔ لیکن دنیاوی اعتبار سے وہ اس قسم کے بندے کو کافر نہیں کہتے۔

مرجئہ کا یہ ماننا ہے کہ عمل ایمان کا حصہ نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایمان صرف اقرار یا تصدیق یا دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔

مذکورہ سبھی گروہ خطاکار اور صراطِ مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں۔

درست موقف وہی ہے جو اہل سنت والجماعت کا ہے کہ ایمان قول و عمل کا نام ہے یعنی دل وزبان کا قول اور دل واعضاء کا عمل۔

اللہ سے محبت، اس سے خوف اور ہر کام خالص طور پر صرف اس کے لیے کرنا دلی عمل ہے۔ تصدیق بھی دلی عمل ہے۔ زبان سے اقرار بھی دلی عمل ہے۔ تسبیح (سبحان اللہ کہنا)، تہلیل (لا الہ الا اللہ کہنا) اور ذکر اعضاء کا عمل ہے۔ نماز، روزہ، زکاۃ، حج اور جہاد اعضاء کا عمل ہے۔ لہٰذا اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایمان قول وعمل کے مجموعے کا نام ہے جو اطاعت سے بڑھتا اور نافرمانیوں سے کم ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے ایمان کی تعریف میں جو «قول وعمل» کا لفظ بولا ہے، کہ ”ایمان قول وعمل کا نام ہے“ اس تعریف میں معتزلہ اور خوارج بھی اہل سنت کی موافقت کرتے ہیں۔ پھر انہوں نے «يزيد بالطاعة وينقص بالمعاصي» ”یعنی ایمان اطاعت سے بڑھتا اور نافرمانی سے کم ہوتا ہے“ کے الفاظ بول کر معتزلہ اور خوارج کو اہل سنت سے نکالا ہے اور ان کا رد کیا ہے۔ «قول وعمل» سے مرجئہ کو اہل حق سے نکال باہر کیا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک ایمان میں اعمال شامل نہیں ہیں۔

لہٰذا ہر مؤمن پر یہ لازم ہے کہ اہل سنت والا عقیدہ بنائے اور اس کے مطابق عمل کرے۔

اہل سنت والجماعت کے عقیدے کا ایک جزء یہ بھی ہے کہ وہ کلمہ گو فاسق سے بالکل ہی ایمان ختم نہیں کر دیتے اور نہ اسے ابدی جہنمی قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ ایمان کے خاتمے کے خوارج قائل ہیں اور ابدی جہنمی ہونے کے معتزلہ۔ بلکہ ان کے نزدیک فاسق (گناہ گار) اس ایمان کے تحت شامل ہے، جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: ﴿فَتَحۡرِيرُ رَقَبَةٖ مُّؤۡمِنَةٖ﴾ تو ایک مومن گردن آزاد کرنا ہے۔[النساء : 92] اسی طرح یہ فرمان ہے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو۔[التوبة: 119]

یہاں ایمان والوں سے خطاب میں وہ شامل ہے لیکن جہاں پر مؤمنوں کی تعریف ہے، وہاں وہ شامل نہیں ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں: ﴿إِنَّمَا ٱلۡمُؤۡمِنُونَ ٱلَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ ٱللَّهُ وَجِلَتۡ قُلُوبُهُمۡ وَإِذَا تُلِيَتۡ عَلَيۡهِمۡ ءَايَٰتُهُۥ زَادَتۡهُمۡ إِيمَٰنٗا وَعَلَىٰ رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُونَ ۝٢﴾

مومن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات پڑھی جائیں تو انہیں ایمان میں بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسا رکھتے ہیں۔[الأنفال : 2]

نہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں شامل ہے: «لاَ يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ» زانی جس وقت زنا کرتا ہے، مؤمن نہیں ہوتا۔ چور جس وقت چوری کرتا ہے، مؤمن نہیں ہوتا۔ (متفق علیه) نہ اس فرمان میں شامل ہے: «لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الخُدُودَ، وَشَقَّ الجُيُوبَ، وَدَعَا بِدَعْوَى الجَاهِلِيَّةِ» جو رخسار پیٹتا ہے، گریبان پھاڑتا ہے اور جاہلیت والی پکار پکارتا ہے، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (متفق عليه، صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ليس منا من شق الجيوب، ح: 1297۔ وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب تحريم ضرب الخدود وشق الجيوب والدعاء، ح: 103) اور اسی طرح کی دیگر احادیث۔

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جو کامل مؤمن ہوتا ہے، وہ مذمت کیے ہوؤں میں شامل نہیں ہوتا جبکہ ناقص مؤمن مذمت کیے ہوؤں میں شامل ہوتا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لاَ يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ» زانی جس وقت زنا کرتا ہے، مؤمن نہیں ہوتا۔ چور جس وقت چوری کرتا ہے، مؤمن نہیں ہوتا۔ (متفق عليه) کیونکہ وہ ناقص ایمان والا ہوتا ہے۔ «وَهُوَ مُؤْمِنٌ» یعنی کامل ایمان والا۔ گویا کامل ایمان والوں سے فاسق علیحدہ ہوتے ہیں۔

ایمان ہر اس مسلمان میں ہوتا ہے جسے ایمان کے لفظ سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا﴾ اے ایمان والو! [البقرة: 104] اور اس فرمان: ﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾ بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ [آل عمران: 19] اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان: «المُسْلِمُ أَخُو المُسْلِمِ» مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ (متفق عليه، صحيح البخاري، كتاب المظالم، باب لا يظلم المسلم المسلم، ح: 2442. وصحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الظلم، ح: 2580) میں فاسق اور غیر فاسق سب شامل ہیں۔

لیکن جہاں پر ایمان کا تذکرہ بطور تعریف ہو، اس میں فاسق شامل نہیں ہوتا۔ مطلقاً ایمان کا تذکرہ ہو تو اس میں فاسق شامل ہوتا ہے، جیسا کہ یہ بات گزر چکی ہے۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے: ﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ﴾ پھر جسے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی معاف کر دیا جائے [البقرة: 178] یہاں اللہ تعالیٰ نے قاتل کو بھائی کہا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ مومن تو بھائی ہی ہیں۔ [الحجرات: 10] یہاں اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے پر سرکشی کے باوجود انہیں بھائی قرار دیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فاسق مطلق ایمان میں شامل ہوتا ہے، مثلاً: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اے ایمان والو! [البقرۃ: 104] اور ﴿فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾ تو ایک مومن گردن آزاد کرنا ہے۔[النساء: 92] اسی طرح کی دیگر آیات واحادیث میں۔ لیکن کامل ایمان جس کے ذریعے ایمان والوں کی تعریف ہوتی ہے، اس میں یہ شامل نہیں ہوتا۔ مثلاً: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝﴾ مومن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات پڑھی جائیں تو انہیں ایمان میں بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسا رکھتے ہیں۔ وہ لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں اور اس میں سے جو ہم نے انھیں دیا، خرچ کرتے ہیں۔ [الأنفال: 2] اور «لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ» زانی جس وقت زنا کرتا ہے، مؤمن نہیں ہوتا۔ چور جس وقت چوری کرتا ہے، مؤمن نہیں ہوتا۔ (متفق عليه) اسی طرح کی دیگر آیات واحادیث میں۔ کیونکہ اس کے گناہ اور نافرمانیاں اس سے کمالِ ایمان کو ختم کر دیتی ہیں۔ لہٰذا اسے مسلمان، ناقص ایمان والا مؤمن یا ایمان کے اعتبار سے مؤمن اور کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے فاسق کہا جائے گا۔ نہ تو اسے مکمل مؤمن کہا جائے گا اور نہ اس سے ایمان بالکل ہی ختم کیا جائے گا۔ یعنی نہ تو یہ کہیں گے کہ کامل ایمان والا مؤمن ہے اور نہ یہ کہیں گے کہ وہ مؤمن ہی نہیں ہے۔ ہاں اگر یہ نیت ہو کہ کامل مؤمن نہیں ہے تب کہا جا سکتا ہے کہ مؤمن نہیں ہے۔

اس بحث سے معتزلہ اور خوارج کا رد ہو جاتا ہے اور اس عظیم مسئلے میں مؤمن اہل سنت والجماعت کے عقیدے کو سمجھ لیتا ہے کہ جسے سمجھنے میں عقل وشعور نے ٹھوکریں کھائی ہیں اور قدم لڑکھڑا گئے ہیں۔ اللہ ہی مدد کرنے والا ہے۔

صحابہ کرام اور اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں اہل سنت کا عقیدہ:

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَمِنْ أُصُولِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ سَلَامَةُ قُلُوبِهِمْ وَأَلْسِنَتِهِمْ لِأَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، كَمَا وَصَفَهُمُ اللهُ بِهِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [الحشر: 10]

وَطَاعَةَ الرَّسُوْلِ صلى الله عليه وسلم فِي قَوْلِهِ: «**لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ**» .

وَيَقْبَلُونَ مَا جَاءَ بِهِ الْكِتَابُ وَالسَّنَّةُ وَالْإِجْمَاعُ مِنْ فَضَائِلِهِمْ وَمَرَاتِبِهِمْ. وَيُفَضِّلُونَ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ - وَهُوَ صُلْحُ الْحُدَيْبِيَةِ - وَقَاتَلَ عَلَى مَنْ أَنْفَقَ مِنْ بَعْدِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ، وَيُفَضِّلُونَ الْمُهَاجِرِينَ عَلَى الْأَنْصَارِ. وَيُؤْمِنُونَ بِأَنَّ اللهَ قَالَ لِأَهْلِ بَدْرٍ - وَكَانُوا ثَلَاثَ مِائَةٍ وَبِضْعَةَ عَشَرَ -: «**اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ. فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ**». وَبِأَنَّهُ لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ بَايَعَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ؛ كَمَا أَخْبَرَ بِهِ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم، بَلْ لَقَدْ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ، وَكَانُوا أَكْثَرَ مِنْ أَلْفٍ وَأَرْبَعِ مِائَةٍ.

وَيَشْهَدُونَ بِالْجَنَّةِ لِمَنْ شَهِدَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم، كَالْعَشَرَةِ، وَثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ، وَغَيْرِهِمْ مِّنَ الصَّحَابَةِ، وَيُقِرُّونَ بِمَا تَوَاتَرَ بِهِ النَّقْلُ عَنْ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَغَيْرِهِ

مِنْ أَنَّ خَيْرَ هَذِهِ الأُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا: أَبُو بَكْرٍ، ثُمَّ عُمَرُ. وَيُثَلِّثُونَ بِعُثْمَانَ، وَيُرَبِّعُونَ بِعَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ؛ كَمَا دَلَّتْ عَلَيْهِ الآثَارُ، وَكَمَا أَجْمَعَ الصَّحَابَةُ عَلَى تَقْدِيمِ عُثْمَانَ فِي الْبَيْعَةِ. مَعَ أَنَّ بَعْضَ أَهْلِ السُّنَّةِ كَانُوا قَدِ اخْتَلَفُوا فِي عُثْمَانَ وَعَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا ـ بَعْدَ اتِّفَاقِهِمْ عَلَى تَقْدِيمِ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ ـ أَيُّهُمَا أَفْضَلُ؟ فَقَدَّمَ قَوْمٌ عُثْمَانَ: وَسَكَتُوا، أَوْ رَبَّعُوا بِعَلِيٍّ، وَقَدْ قَدَّمَ قَوْمٌ عَلِيًّا، وَقَوْمٌ تَوَقَّفُوا. لَكِنِ اسْتَقَرَّ أَمْرُ أَهْلِ السُّنَّةِ عَلَى تَقْدِيمِ عُثْمَانَ، ثُمَّ عَلِيٍّ. وَإِنْ كَانَتْ هَذِهِ الْمَسْأَلَةُ ـ مَسْأَلَةُ عُثْمَانَ وَعَلِيٍّ ـ لَيْسَتْ مِنَ الأُصُولِ الَّتِي يُضَلَّلُ الْمُخَالِفُ فِيهَا عِنْدَ جُمْهُورِ أَهْلِ السُّنَّةِ. لَكِنِ الَّتِي يُضَلَّلُ فِيهَا: مَسْأَلَةُ الْخِلَافَةِ، وَذَلِكَ أَنَّهُمْ يُؤْمِنُونَ أَنَّ الْخَلِيفَةَ بَعْدَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم: أَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ، ثُمَّ عُثْمَانُ، ثُمَّ عَلِيٌّ. وَمَنْ طَعَنَ فِي خِلَافَةِ أَحَدٍ مِنْ هَؤُلَاءِ؛ فَهُوَ أَضَلُّ مِنْ حِمَارِ أَهْلِهِ.

وَيُحِبُّونَ أَهْلَ بَيْتِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، وَيَتَوَلَّوْنَهُمْ، وَيَحْفَظُونَ فِيهِمْ وَصِيَّةَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم: حَيْثُ قَالَ يَوْمَ غَدِيرِ خُمٍّ: «**أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي**». وَقَالَ أَيْضًا لِلْعَبَّاسِ عَمِّهِ ـ وَقَدِ اشْتَكَى إِلَيْهِ أَنَّ بَعْضَ قُرَيْشٍ يَجْفُو بَنِي هَاشِمٍ ـ فَقَالَ: «**وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ؛ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحِبُّوكُمْ؛ للهِ وَلِقَرَابَتِي**»، وَقَالَ: «**إِنَّ اللهَ اصْطَفَى بَنِي إِسْمَاعِيلَ، وَاصْطَفَى مِنْ بَنِي إِسْمَاعِيلَ كِنَانَةَ، وَاصْطَفَى مِنْ كِنَانَةَ قُرَيْشًا، وَاصْطَفَى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ، وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ**».

وَيَتَوَلَّوْنَ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ، وَيُؤْمِنُونَ بِأَنَّهُنَّ أَزْوَاجُهُ فِي الآخِرَةِ: خُصُوصًا خَدِيجَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أُمَّ أَكْثَرِ أَوْلَادِهِ، وَأَوَّلَ مَنْ آمَنَ بِهِ وَعَاضَدَهُ عَلَى أَمْرِهِ، وَكَانَ لَهَا مِنْهُ الْمَنْزِلَةُ الْعَالِيَةُ. وَالصِّدِّيقَةَ بِنْتَ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، الَّتِي قَالَ فِيهَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: «**فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ**».

وَيَتَبَرَّؤُونَ مِنْ طَرِيقَةِ الرَّوَافِضِ الَّذِينَ يُبْغِضُونَ الصَّحَابَةَ وَيَسُبُّونَهُمْ، وَمِنْ طَرِيقَةِ النَّوَاصِبِ الَّذِينَ يُؤْذُونَ أَهْلَ الْبَيْتِ بِقَوْلٍ أَوْ عَمَلٍ،

وَيُمْسِكُونَ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَ الصَّحَابَةِ، وَيَقُولُونَ: إِنَّ هَذِهِ الآثَارَ الْمَرْوِيَّةَ فِي مَسَاوِيهِمْ مِنْهَا مَا هُوَ كَذِبٌ، وَمِنْهَا مَا قَدْ زِيدَ فِيهِ وَنُقِصَ وَغُيِّرَ عَنْ وَجْهِهِ، وَالصَّحِيحُ مِنْهُ هُمْ فِيهِ مَعْذُورُونَ: إِمَّا مُجْتَهِدُونَ مُصِيبُونَ، وَإِمَّا مُجْتَهِدُونَ مُخْطِئُونَ. وَهُم مَّعَ ذَلِكَ لاَ يَعْتَقِدُونَ أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ مَعْصُومٌ عَنْ كَبَائِرِ الإِثْمِ وَصَغَائِرِهِ؛ بَلْ يَجُوزُ عَلَيْهِمُ الذُّنُوبُ فِي الْجُمْلَةِ. وَلَهُم مِّنَ السَّوَابِقِ وَالْفَضَائِلِ مَا يُوجِبُ مَغْفِرَةَ مَا يَصْدُرُ مِنْهُمْ - إِنْ صَدَرَ -، حَتَّى إِنَّهُمْ يُغْفَرُ لَهُم مِّنَ السَّيِّئَاتِ مَا لاَ يُغْفَرُ لِمَنْ بَعْدَهُمْ؛ لأَنَّ لَهُم مِّنَ الْحَسَنَاتِ الَّتِي تَمْحُو السَّيِّئَاتِ مَا لَيْسَ لِمَنْ بَعْدَهُمْ، وَقَدْ ثَبَتَ بِقَوْلِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَنَّهُمْ خَيْرُ الْقُرُونِ.

وَأَنَّ الْمُدَّ مِنْ أَحَدِهِمْ لَوْ تَصَدَّقَ بِهِ كَانَ أَفْضَلَ مِنْ جَبَلِ أُحُدٍ ذَهَبًا مِّمَّن بَعْدَهُمْ. ثُمَّ إِذَا كَانَ قَدْ صَدَرَ مِنْ أَحَدِهِمْ ذَنْبٌ؛ فَيَكُونُ قَدْ تَابَ مِنْهُ، أَوْ أَتَى بِحَسَنَاتٍ تَمْحُوهُ، أَو غُفِرَ لَهُ؛ بِفَضْلِ سَابِقَتِهِ، أَوْ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم الَّذِي هُمْ أَحَقُّ النَّاسِ بِشَفَاعَتِهِ، أَوْ ابْتُلِيَ بِبَلاَءٍ فِي الدُّنْيَا كُفِّرَ بِهِ عَنْهُ.

فَإِذَا كَانَ هَذَا فِي الذُّنُوبِ الْمُحَقَّقَةِ؛ فَكَيْفَ الأُمُورُ الَّتِي كَانُوا فِيهَا مُجْتَهِدِينَ: إِنْ أَصَابُوا؛ فَلَهُمْ أَجْرَانِ، وَإِنْ أَخْطَؤُوا؛ فَلَهُمْ أَجْرٌ وَاحِدٌ، وَالْخَطَأُ مغْفُورٌ. ثُمَّ الْقَدْرَ الَّذِي يُنْكَرُ مِنْ فِعْلِ بَعْضِهِمْ قَلِيلٌ نَزْرٌ مَغْفُورٌ فِي جَنْبِ فَضَائِلِ الْقَوْمِ وَمَحَاسِنِهِمْ؛ مِنَ الإِيمَانِ بِاللهِ، وَرَسُولِهِ، وَالْجِهَادِ فِي سَبِيلِهِ، وَالْهِجْرَةِ، وَالنُّصْرَةِ، وَالْعِلْمِ النَّافِعِ، وَالْعَمَلِ الصَّالِحِ.

وَمَن نَّظَرَ فِي سِيرَةِ الْقَوْمِ بِعِلْمٍ وَبَصِيرَةٍ، وَمَا مَنَّ اللهُ عَلَيْهِم بِهِ مِنَ الْفَضَائِلِ؛ عَلِمَ يَقِينًا أَنَّهُمْ خَيْرُ الْخَلْقِ بَعْدَ الأَنْبِيَاءِ؛ لاَ كَانَ وَلا يَكُونُ مِثْلُهُمْ، وَأَنَّهُمُ الصَّفْوَةُ مِنْ قُرُونِ هَذِهِ الأُمَّةِ الَّتِي هِيَ خَيْرُ الأُمَمِ وَأَكْرَمُهَا عَلَى اللهِ.

ترجمہ:

اہل سنت والجماعت کے اصول میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سلسلہ میں کسی بھی نازیبا بات سے اپنے دل اور زبان کو محفوظ رکھتے ہیں، جیسا کہ درج ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ صفت بیان کی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (10)﴾

اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے، وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جنہوں نے ایمان لانے میں ہم سے پہل کی اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے کوئی کینہ نہ رکھ۔ اے ہمارے رب! یقیناً تو بے حد شفقت کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ [الحشر: 10]

اسی طرح اہل سنت والجماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی تعمیل کرتے ہیں:

«لاَ تَسُبُّوا أَصْحَابِي، لاَ تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلا نَصِيفَهُ»

میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو۔ میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص اگر احد پہاڑ کے برابر سونا (اللہ کے راستے میں) خرچ کرے تو ان کے ایک مُد (525 گرام) یا نصف مُد خرچ کرنے کی فضیلت کو نہیں پا سکتا۔ (متفق عليه، صحيح البخاري، كتاب فضائل أصحاب النبي، باب قول النبي صلی اللہ علیہ وسلم: لو كنت متخذا خليلاً، ح: 3673۔ وصحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب تحريم سب الصحابة، ح: 2541)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و درجات کے سلسلہ میں کتاب و سنت اور اجماع سلف سے جو کچھ ثابت ہے، اہل سنت اسے تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ

فتح یعنی صلح حدیبیہ سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور جہاد کرنے والے صحابہ کو ان صحابہ پر مقدم رکھتے ہیں جنھوں نے صلح حدیبیہ کے بعد اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور جہاد کیا۔ اسی طرح انصار پر مہاجرین کی فضیلت کے قائل ہیں۔ جبکہ اہل بدر جن کی تعداد تین سو تیرہ تھی، ان کے بارے میں یہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ نے ان سے یہ فرمادیا ہے:

«اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ. فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ»

جو چاہو عمل کرو، میں نے تمھیں بخش دیا ہے۔ (متفق عليه، صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب الجاسوس، ح: 3007۔ وصحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أهل بدر وقصة حاطب بن أبي بلتعة، ح: 2494)

ان کا یہ بھی ایمان ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر درخت کے نیچے جن لوگوں نے نبی ﷺ سے بیعت کی، ان میں سے کوئی بھی جہنم میں نہیں جائے گا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی خبر دی ہے۔ (صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل أصحاب الشجرة، ح: 2496)

بلکہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو چکا ہے اور وہ اللہ سے راضی ہو چکے ہیں۔

بیعت کرنے والے ان صحابہ کی تعداد چودہ سو سے زیادہ تھی۔ (صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب غزوة الحديبية، ح: 4154)

رسول اللہ ﷺ نے جن کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے، اہل سنت ان کے جنتی ہونے کی گواہی دیتے ہیں، مثلاً: عشرہ مبشرہ (جنت کی خوشخبری پانے والے دس صحابہ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، سعید، عبد الرحمن، ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم اجمعین) (سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في الخلفاء، ح: 4649) ثابت بن قیس بن شماس (صحيح البخاري، ح: 3613، صحيح مسلم، ح: 119) اور بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر صحابہ سے جو احادیث تواتر کے ساتھ منقول ہیں کہ اس امت میں نبی کریم ﷺ کے بعد سب

سے افضل ابو بکر ہیں، اور ان کے بعد عمر، اہل سنت والجماعت ان تمام روایات کو تسلیم کرتے ہیں۔ عمر کے بعد تیسرے درجہ پر عثمان اور چوتھے درجہ پر علی رضی اللہ عنہم کو رکھتے ہیں، جیسا کہ آثار سے ثابت ہوتا ہے۔(صحيح البخاري، ح: 3655)

نیز خلافت کے لیے بیعت کرنے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مقدم رکھنے پر صحابہ کرام کا اتفاق تھا، اگرچہ بعض اہل سنت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت تسلیم کرنے کے بعد عثمان اور علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں اس پہلو سے اختلاف رکھتے تھے کہ ان دونوں میں افضل کون ہے۔ چنانچہ ایک جماعت نے عثمان رضی اللہ عنہ کو افضل مان کر سکوت اختیار کیا اور علی رضی اللہ عنہ کو چوتھے درجہ پر رکھا۔ اور ایک جماعت نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو افضل قرار دیا۔ اور ایک تیسری جماعت نے اس مسئلہ میں بالکل خاموشی اختیار کی ہے۔ لیکن اہل سنت کی رائے یہی طے پائی ہے کہ پہلے عثمان کا درجہ ہے اور ان کے بعد علی رضی اللہ عنہما کا۔ تاہم یہ مسئلہ یعنی عثمان اور علی رضی اللہ عنہما کے درمیان فضیلت کا مسئلہ، ان بنیادی مسائل میں سے نہیں جن کی مخالفت کرنے والا جمہور اہل سنت کے نزدیک گمراہ قرار دیا جائے، البتہ مسئلہ خلافت کی مخالفت کرنے والا گمراہ قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ اہل سنت کا اس بات پر ایمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ابو بکر ہیں، پھر عمر، پھر عثمان اور پھر علی رضی اللہ عنہم۔ جو شخص ان چاروں خلفائے راشدین میں سے کسی کی خلافت میں بھی طعن و تشنیع کرے، وہ اپنے گھریلو گدھے سے بھی زیادہ گمراہ ہے۔

اہل سنت والجماعت اہل بیت سے محبت وعقیدت رکھتے ہیں اور ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وصیت کا پورا پورا خیال رکھتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "غدیر خم" والے دن فرمائی تھی کہ: «أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي»

لوگو! میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔

(صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل علي بن أبي طالب، ح: 2408)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ نے جب آپ ﷺ سے یہ شکایت کی کہ بعض قریشی بنو ہاشم پر زیادتی کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ؛ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحِبُّوكُمْ؛ لِلّٰهِ وَلِقَرَابَتِي»

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، لوگ اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ اللہ کے لیے اور مجھ سے رشتہ داری کی وجہ سے تم سے محبت نہ کرنے لگیں۔ (مسند أحمد، ح: 1776، مصنف ابن أبي شيبة، ح: 32213۔ ضعیف ہے: کیونکہ مسند احمد کی سند میں یزید ابن اَبي زیاد راوی ضعیف ہے۔ جبکہ مصنف ابن ابی شیبہ کی سند میں انقطاع ہے۔)

اور فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَى بَنِي إِسْمَاعِيلَ، وَاصْطَفَى مِنْ بَنِي إِسْمَاعِيلَ كِنَانَةَ، وَاصْطَفَى مِنْ كِنَانَةَ قُرَيْشًا، وَاصْطَفَى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ، وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ».

اللہ تعالیٰ نے بنو اسماعیل کو منتخب کیا۔ بنو اسماعیل سے کنانہ کو منتخب کیا۔ کنانہ سے قریش کو منتخب کیا۔ قریش سے بنو ہاشم کو منتخب کیا اور بنو ہاشم سے مجھے منتخب فرمایا ہے۔ (صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب فضل نسب النبي، ح: 2276)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات جو مؤمنوں کی مائیں ہیں، ان سے بھی اہل سنت والجماعت محبت وعقیدت رکھتے ہیں اور ان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آخرت میں بھی وہ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات ہوں گی، خصوصاً خدیجہ رضی اللہ عنہا جن کے بطن سے آپ ﷺ کی زیادہ تر اولاد پیدا ہوئی، جو سب سے پہلے آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لائیں اور آپ ﷺ کا ساتھ دیا اور

جن کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بڑی قدر و منزلت تھی۔ اسی طرح عائشہ صدیقہ بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما، جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

«فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ»

عائشہ کو دوسری عورتوں پر وہی فضیلت حاصل ہے، جو ثرید کو تمام کھانوں پر حاصل ہے۔ (متفق عليه، صحيح البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: وضرب الله مثلاً للذين آمنوا، ح: 3411۔ وصحيح مسلم، كتاب فضائل أصحاب النبي، باب فضائل خديجة، ح: 2431۔ صحيح البخاري، ح: 3770۔ وصحيح مسلم، ح: 2446)

اہل سنت والجماعت رافضی شیعوں کے طور طریقہ سے بیزار ہیں جو صحابہ سے بغض رکھتے ہیں اور انہیں برا بھلا کہتے ہیں۔ اسی طرح ناصبیوں (خوارج) کے طریقہ سے بھی بیزار ہیں جو اہل بیت کو اپنے قول و فعل سے تکلیف پہنچاتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت صحابہ کرام کے درمیان پیش آنے والے واقعات اور اختلافات کے سلسلہ میں اپنی زبان بند رکھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ان کے خلاف جو باتیں تاریخ میں منقول ہیں، ان میں سے کچھ تو ایسی ہیں جو بالکل جھوٹی ہیں، بعض میں کمی بیشی کر کے انہیں اصل حقیقت سے پھیر دیا گیا ہے، اور جو باتیں صحیح سند سے ثابت ہیں، ان میں صحابہ کرام بخشے ہوئے ہیں، وہ اس طرح کہ انہوں نے حق تک پہنچنے کے لیے اجتہاد کیا تو کسی کا اجتہاد درست ہوا اور کسی کا غلط۔ لیکن اس کے باوجود اہل سنت یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ ہر صحابی تمام چھوٹے بڑے گناہ سے معصوم و محفوظ ہے، بلکہ عمومی طور پر ان سے گناہ سرزد ہو سکتا ہے، لیکن انہیں ایسی فضیلت و برتری حاصل ہے کہ ان سے اگر کسی قسم کا گناہ سرزد بھی ہو جائے تو یہ فضیلت و برتری باعثِ مغفرت ہو گی، بلکہ ان کی وہ خطائیں بخش دی گئی ہیں جو ان کے بعد کے لوگوں کے لیے قابل معافی نہیں ہیں، کیونکہ ان کے پاس گناہوں کی مغفرت کے لیے ایسے اعمال تھے جو بعد میں آنے والوں کو حاصل نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ افضل امت ہیں۔ (صحيح البخاري، كتاب الشهادات، باب لا يشهد

على شهادة جور، ح: 2652۔ وصحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة، ح: 2535)

ان کا خرچ کیا ہوا ایک مُد (525 گرام) بھی بعد میں آنے والے کے احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنے سے افضل ہے۔

پھر کسی صحابی سے اگر کوئی گناہ سرزد ہو گیا اور اس نے اس سے توبہ کر لی، یا اس کے بعد نیک اعمال کیے، جن سے وہ گناہ معاف ہو گیا، یا جلدی اسلام قبول کرنے کی فضیلت کی وجہ سے اسے بخش دیا گیا، یا محمد ﷺ کی شفاعت کی وجہ سے اسے معاف کر دیا گیا، جس کے سب سے زیادہ حق دار وہی ہیں، یا اسے کسی دنیاوی آزمائش سے گزرنا پڑا تو یہ ساری چیزیں اس صحابی کے لیے گناہ کا کفارہ بن جائیں گی۔ اور جب سرزد ہونے والے گناہ کا یہ معاملہ ہے تو پھر ان کاموں کی بات ہی کیا، جن میں انہوں نے اجتہاد کیا۔ کیونکہ اجتہاد کا معاملہ تو یہ ہے کہ اگر درست ہوا تو دہرا اجر، اور اگر غلط ہوا تو ایک اجر (متفق عليه، صحيح البخاري: 7352، وصحيح مسلم: 1716) اور غلطی معاف ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ بعض صحابہ کی جو غلطیاں بتائی جاتی ہیں، وہ ان کے فضائل و مناقب، یعنی ان کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان، فی سبیل اللہ ہجرت و جہاد، دین کی مدد، علم نافع اور عمل صالح کے مقابلے میں انتہائی تھوڑی اور معمولی ہیں، اور اللہ کی طرف سے بخش دی گئی ہیں۔

جو شخص صحابہ کرام کی سیرت اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جو فضیلت و مرتبہ عطا فرمایا ہے، اس میں علم و بصیرت کے ساتھ غور کرے گا تو اسے یقینی طور پر معلوم ہو جائے گا کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد صحابہ کرام افضل ترین مخلوق ہیں۔ ان جیسا کوئی ہوا ہے، نہ ہو گا۔ وہ اس امت کے بہترین لوگ ہیں جو دیگر تمام امتوں سے بہترین اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ باعزت امت ہے۔

تشریح:

یہ فصل اس کتاب "عقیدہ واسطیہ" کی سب سے بہترین اور اہم فصل ہے جس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان بیان کی گئی ہے اور رافضیوں اور ناصبیوں کا رد کیا گیا ہے۔ اس میں ان کی فضیلت اور قدر و منزلت کا بیان ہے۔ یہ بہت عظیم فصل ہے جس میں شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے بہت عمدہ، اچھے اور واضح الفاظ میں اہل سنت کا موقف بیان کیا ہے۔

اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ اپنے دلوں اور زبانوں کو صحابہ کرام کے بارے میں غلط خیالات سے محفوظ رکھا جائے۔ اس لیے ان کے دل محفوظ ہیں۔ وہ صحابہ سے محبت کرتے ہیں اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی دعائیں کرتے ہیں کیونکہ صحابہ کی محبت دین کا حصہ ہے۔ انہوں نے ہی تو ہم تک دین پہنچایا ہے۔ وہ بہترین زمانے والے تھے۔ اس لیے ان کی محبت دین کا حصہ ہے۔ اہل سنت والجماعت اللہ کی خاطر ان سے محبت کرتے ہیں۔ ان کے دل ان کے بارے میں غلط خیالات سے محفوظ ہیں، بلکہ ان کی محبت سے بھرے ہوئے ہیں۔ ان کی زبانیں ان کی کردار کشی سے سلامت ہیں۔ وہ انہیں برا بھلا کہتے ہیں، نہ ان کی عیب جوئی کرتے ہیں، بلکہ ان کے لیے رضی اللہ عنہم کے الفاظ بولتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے ان کے لیے دعائیں کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿10﴾﴾

اور وہ لوگ جو ان کے بعد آئے، وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جنہوں نے ایمان لانے میں ہم سے پہل کی اور

ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے کوئی کینہ نہ رکھ۔ اے ہمارے رب! یقیناً تو بے حد شفقت کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ [الحشر: 10]

ان کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وصیت کا بھی خیال رکھتے ہیں، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: «**لاَ تَسُبُّوا أَصْحَابِي، لاَ تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلاَ نَصِيفَهُ**»

میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو۔ میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص اگر احد پہاڑ کے برابر سونا (اللہ کے راستے میں) خرچ کرے تو ان کے ایک مُد (525 گرام) یا نصف مُد خرچ کرنے کی فضیلت کو نہیں پا سکتا۔ (متفق عليه، صحيح البخاري، كتاب فضائل أصحاب النبي، باب قول النبي صلی اللہ علیہ وسلم: لو كنت متخذا خليلاً، ح: 3673۔ وصحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب تحريم سب الصحابة، ح: 2541)

اصحاب رسول کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا یہی کردار ہے کہ ان کی زبانیں اور ان کے دل ان کے بارے میں برے خیالات سے محفوظ ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد صحابہ کرام کی جماعت ہی بہترین جماعت ہے۔ ان جیسا کوئی ہوا ہے، نہ کبھی ہو گا۔ اس لیے اللہ کی خاطر ان سے محبت کرنا، ان کے لیے رضی اللہ عنہم کے الفاظ بولنا، ان کے آپس کے اختلافات میں زبان بند رکھنا، ان کا بہترین زمانے والے ہونے پر یقین رکھنا ضروری ہے۔ یہ بات ماننا بھی ضروری ہے کہ تمام صحابہ کرام میں سب سے افضل خلفائے راشدین یعنی ابو بکر، پھر عمر، پھر عثمان اور پھر علی رضی اللہ عنہم تھے۔ اگرچہ بعض صحابہ کا عثمان کو علی پر یا علی کو عثمان پر مقدم کرنے میں اختلاف تھا، لیکن اہل سنت کے ہاں یہ بات اب متفقہ ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی خلافت و فضیلت میں تیسرے نمبر پر ہیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ

چوتھے نمبر پر ہیں۔ اہل سنت والجماعت کو یہی زیب دیتا ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھیں اور صحابہ کو گالیاں اور تکلیفیں دینے والے رافضیوں اور اہل بیت کو اپنے قول و فعل سے تکلیف دینے والے ناصبیوں کے طریقہ کار سے بیزار ہوں اور ان برے اخلاق سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں۔

رسول اکرم ﷺ نے جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دنیا میں چلتے پھرتے جنتی کہا تھا، مثلاً: عشرہ مبشرہ، ثابت بن قیس بن شماس، عبد اللہ بن سلام (صحيح البخاري: 3812، صحيح مسلم: 2483)، عکاشہ بن محصن (صحيح البخاري: 6541، صحيح مسلم: 220) اور دیگر صحابہ کرام، اہل سنت والجماعت ان سب کو پکا جنتی تسلیم کرتے ہیں۔

بدری صحابہ کے بارے میں جو نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ اللہ کا فرمان ہے: «اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ. فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ»

جو چاہو عمل کرو، میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ (متفق عليه، صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب الجاسوس، ح: 3007۔ وصحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أهل بدر وقصة حاطب بن أبي بلتعة، ح: 2494)

اور صلح حدیبیہ کے موقع پر درخت کے نیچے نبی کریم ﷺ سے بیعت رضوان کرنے والوں میں سے کوئی بھی جہنم میں نہیں جائے گا کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

«لَا يَدْخُلُ النَّارَ، إِنْ شَاءَ اللهُ، مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ أَحَدٌ، الَّذِينَ بَايَعُوا تَحْتَهَا»

ان شاء اللہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے کوئی بھی جہنم میں نہیں جائے گا۔ (صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل أصحاب الشجرة، ح: 2496)

انہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ یہ آیت نازل فرمائی تھی: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ﴿18﴾﴾

بلاشبہ اللہ ایمان والوں سے راضی ہو گیا، جب وہ اس درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے، تو اس نے جان لیا جو ان کے دلوں میں تھا، پس ان پر سکینت نازل کر دی اور انہیں بدلے میں ایک قریب فتح عطا فرمائی۔[الفتح : 18]

اہل سنت والجماعت اس سب کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ ان کا عقیدہ ہے۔

صحابہ کے بعد آنے والے تمام مؤمنوں پر لازم ہے کہ ان کے راستے پر چلیں اور یہ ایمان رکھیں کہ سارے صحابہ اس امت کے بہترین اور افضل افراد تھے اور ان کے بارے میں جو چند تنقیدی باتیں منقول ہیں، وہ اللہ کی طرف انہیں ملی ہوئی عظیم بھلائیوں، ان کے فضائل و مناقب اور عظیم اعمال کے مقابلے میں معمولی اور تھوڑی سی ہیں۔ ان سے بھی وہ توبہ تائب ہو گئے تھے یا ان کی نیکیوں نے انہیں ختم کر دیا تھا یا ان کے جلدی اسلام قبول کرنے کی وجہ سے معاف ہو چکی تھیں، یا نبی کریم ﷺ کی شفاعت کہ جس کے وہ سب سے زیادہ حق دار ہیں، کی بدولت مٹ چکی تھیں یا دنیا میں کسی بیماری وغیرہ کی آزمائش کے ذریعے وہ ختم ہو گئی تھیں۔

مذکورہ بالا مسائل میں اہل سنت والجماعت کا یہی طرز عمل اور عقیدہ و نظریہ ہے، اس لیے ہر مؤمن کو چاہیے کہ اس فصل کو اچھی طرح یاد کر لے، اس کے مطابق عمل کرے اور اسی کو اپنا پختہ عقیدہ بنائے تاکہ اس کے ذریعے رافضی و ناصبی وغیرہ بدعتیوں کا مقابلہ کر سکے جو صحابہ کرام کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہیں یا رافضیوں کی طرح اہل بیت کے بارے میں غلو سے کام لیتے ہیں یا خوارج اور معتزلہ وغیرہ کی طرح صحابہ کرام اور اہل بیت کے بارے میں اپنے قول و فعل سے بدگمانی کا شکار ہیں۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تمام صحابہ کرام سے راضی ہو جائے اور ہمیں نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والا بنا دے۔

نیک اور متقی اولیاء اللہ کی کرامات پر ایمان:

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَمِنْ أُصُولِ أَهْلِ السُّنَّةِ: التَّصْدِيقُ بِكَرَامَاتِ الأَوْلِيَاءِ وَمَا يُجْرِي اللهُ عَلَى أَيْدِيهِم مِّنْ خَوارِقِ الْعَادَاتِ فِي أَنْوَاعِ الْعُلُومِ وَالْمُكَاشَفَاتِ وَأَنْوَاعِ الْقُدْرَةِ وَالتَّأْثِيرَاتِ، وَالْمَأْثُورِ عَنْ سَالِفِ الأُمَمِ فِي سُورَةِ الْكَهْفِ وَغَيْرِهَا، وَعَنْ صَدْرِ هَذِهِ الأُمَّةِ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ وَسَائِرِ قُرُونِ الأُمَّةِ، وَهِيَ مَوْجُودَةٌ فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ.

ثُمَّ مِنْ طَرِيقَةِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ اتِّبَاعُ آثَارِ الرَّسُولِ صلى الله عليه وسلم بَاطِنًا وَظَاهِرًا، وَاتِّبَاعُ سَبِيلِ السَّابِقِينَ الأَوَّلِينَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالأَنْصَارِ، وَاتِّبَاعُ وَصِيَّةِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، حَيْثُ قَالَ: **«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ مِنْ بَعْدِي، تَمَسَّكُوا بِهَا، وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ؛ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلالَةٌ»**.

وَيَعْلَمُونَ أَنَّ أَصْدَقَ الْكَلامِ كَلامُ اللهِ، وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم، وَيُؤْثِرُونَ كَلَامَ اللهِ عَلَى غَيْرِهِ مِنْ كَلامِ أَصْنَافِ النَّاسِ، وَيُقَدِّمُونَ هَدْيَ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم عَلَى هَدْيِ كُلِّ أَحَدٍ. وَلِهَذَا سُمُّوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، وَسُمُّوا أَهْلَ الْجَمَاعَةِ؛ لأَنَّ الْجَمَاعَةَ هِيَ الاِجْتِمَاعُ، وَضِدُّهَا الْفُرْقَةُ، وَإِنْ كَانَ لَفْظُ الْجَمَاعَةِ قَدْ صَارَ اسْمًا لِنَفْسِ الْقَوْمِ الْمُجْتَمِعِينَ. وَالإِجْمَاعُ هُوَ الأَصْلُ الثَّالِثُ الَّذِي يُعْتَمَدُ عَلَيْهِ فِي الْعِلْمِ وَالدينِ. وَهُمْ يَزِنُونَ بِهَذِه الأُصُولِ الثَّلاثَةِ جَمِيعَ مَا عَلَيْهِ النَّاسُ مِنْ أَقْوَالٍ وَأَعْمَالٍ بَاطِنَةٍ أَوْ ظَاهِرَةٍ مِمَّا لَهُ تَعَلُّقٌ بِالدِّينِ. وَالإِجْمَاعُ الَّذِي يَنْضَبِطُ هُوَ: مَا كَانَ عَلَيْهِ السَّلَفُ الصَّالِحُ؛ إِذْ بَعْدَهُمْ كَثُرَ الاخْتِلافُ، وَانْتَشَرَ فِي الأُمَّةِ.

ترجمہ:

اہل سنت والجماعت کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ وہ اولیاء[66] کی کرامات کے قائل ہیں اور ان کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ جو خلاف عادت مختلف قسم کے علوم ومکاشفات اور قدرت وتاثیرات ظاہر فرماتا ہے، ان کی تصدیق کرتے ہیں۔ سابقہ امتوں کے بارے میں سورہ کہف وغیرہ میں اور امت محمدیہ کے اسلاف صحابہ کرام، تابعین اور دیگر طبقات کے افراد کے بارے میں جو بہت سی کرامات منقول ہیں، ان سب کو مانتے ہیں۔ یہ کرامات اور خلاف عادت امور اس امت میں قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گے۔[67]

---

(66) اولیاء ولی کی جمع ہے جو ولاء سے ہے اور ولاء موالات سے ہے جس کا مطلب ہے: قرب یا محبت۔(الجبرین:2/255)

(67) اولیاء اللہ کی کرامات اور ان کی دعاؤں کی قبولیت کے بارے میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں معجزات اور کرامات میں فرق اور ان کے اصول وضوابط بیان کیے گئے ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ کرامت اس انسان کے ہاتھ پر ظاہر ہوتی ہے جو نیک صالح اور سیدھے راستے پر ہو۔ تنگی وغیرہ کی حالت میں ولی کے ہاتھ پر کرامت کا اظہار اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی عزت، محبت اور اخلاص کی قبولیت کی نشانی ہوتا ہے۔

ان مؤلفین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ کرامت کامل بلند درجات کی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ بہت سے تابعین سے صحابہ سے زیادہ کرامات کا اظہار ہوا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہرگز نہیں ہے کہ وہ صحابہ سے افضل ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ تابعین سے کرامات صحابہ سے اس لیے زیادہ رونما ہوئیں کیونکہ صحابہ کو اپنے ایمان کی مضبوطی کے لیے اس قسم کے خلاف عادت واقعات کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ بخلاف تابعین کے کیونکہ ان کے زمانے میں لوگوں کو اپنے ایمان کی مضبوطی کے لیے اس قسم کے واقعات کی ضرورت تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں بہت سی کرامات ظاہر کیں تاکہ لوگ اپنے دین پر ثابت قدم رہیں اور ان کا ایمان زیادہ ہو۔

علماء نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ بعض اوقات جس کے ہاتھوں کرامت ظاہر ہوتی ہے، اسے اس کا علم نہیں ہوتا۔ بعض اوقات اس کی دعا قبول ہو جاتی ہے اور اسے معلوم نہیں ہوتا۔ بعض اوقات وہ غیر مستحق کے خلاف بد دعا کرتے ہیں تو وہ قبول ہو جاتی ہے۔ مثلاً: ابن رجب نے ذکر کیا ہے کہ حسن بصری رحمہ اللہ کے پاس ایک مرغ تھا جو صبح کی نماز سے پہلے انہیں جگایا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے بانگ نہیں دی تو حسن نماز سے لیٹ ہو گئے۔ نماز کے بعد انہوں نے مرغ کو بد دعا دیتے ہوئے کہا: آج تمہیں کیا مصیبت پڑ گئی تھی؟ اللہ کرے تو گونگا ہو جائے۔ واقعتاً اس نے اس دن کے بعد کبھی بانگ نہیں دی۔ یہ دیکھ کر ان کی والدہ نے کہا: بیٹے! آئندہ کبھی کسی چیز کو بد دعا نہ دینا۔

ولی ہونے کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ اس کی ہمیشہ دعا قبول ہی ہو، بعض اوقات قبول نہیں بھی ہوتی۔

اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ جس کے ہاتھ سے کرامت ظاہر ہو، وہ واقعتاً ولی ہو۔ اس لیے کسی ایسے شخص کو اس کی حد سے بڑھانا جائز نہیں، نہ اسے بلند درجات عطا کرنا جائز ہے۔ جیسے غالی قسم کے لوگ کرتے ہیں کہ جب ان میں کوئی مشہور صوفی جسے وہ ولی کہتے ہیں، مر جاتا ہے تو مبالغہ آرائی شروع کر دیتے ہیں اور اس کی تعریفوں کے پُل باندھ دیتے ہیں۔ اس کی پوجا کر دیتے ہیں یا شروع کرنے کے قریب ہوتے ہیں۔ اس کی نامناسب تعظیم شروع کر دیتے ہیں، پھر اپنی طرف سے جھوٹ گھڑ گھڑ کر اس کے نام سے مشہور کر دیتے ہیں کہ حضرت صاحب نے یہ کہا تھا، پیر صاحب نے یوں کیا تھا۔ یہ باتیں یا تو اس کی کرامات ہوتی ہیں یا محض جھوٹ۔

اس کی ایک مثال ان لوگوں کا شیخ عبد القادر جیلانی کے ساتھ رویہ ہے۔ بلا شبہ وہ نیک آدمی اور بہترین اولیاء اللہ میں سے تھے۔ ان کی کچھ کرامات بھی تھیں، لیکن بعض میں آنے والوں نے ان کی شان میں مبالغہ آرائی شروع کر دی اور ان کے ذمے جھوٹی باتیں لگانے لگے اور انہیں ان کی کرامات گنوانے لگے۔ مثلاً: ایک کرامت یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ ان کے دستر خوان پر ایک بھنا ہوا دنبہ لایا گیا۔ انہوں نے اور ان کے جو ساتھی وہاں موجود تھے، مل کر کھایا۔ جب سارا گوشت کھا لیا اور ہڈیاں باقی بچ گئیں تو اس دنبے سے مخاطب ہو کر کہا: دنبے! اللہ کے حکم سے کھڑا ہو جا! کہتے ہیں کہ دنبہ زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا اور اپنے بال جھاڑنے لگا۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کرنے پر قادر تھا اور اس دنبے کو زندہ کر سکتا تھا لیکن غالب امکان یہ ہے کہ یہ حکایت جھوٹی ہے کیونکہ اس موقع پر اس کے اظہار میں کوئی خاص فائدہ نہیں تھا سوائے اس کے کہ لوگ فتنے میں پڑ جاتے اور شیخ کے بارے میں غلو کا شکار ہو جاتے۔

اس سے بھی بڑی ایک اور گپ ان لوگوں نے چھوڑی ہے کہ ایک ان کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی: میرا بیٹا مر گیا ہے۔ میرا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس کے علاوہ میرا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ آپ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ اسے زندہ کر دے اور اس کی روح لوٹا دے۔ کہتے ہیں کہ یہ سن کر عبد القادر ہوا میں اڑے اور زمین و آسمان کے درمیان موت کے فرشتے کو جالیا۔ وہ بہت سی روحیں قبض کر کے اپنے تھیلے میں ڈال کر جا رہا تھا۔ شیخ نے کہا: اوئے موت کے فرشتے! بچے کی روح لوٹا دے۔ اس نے کہا: میں نہیں لوٹاؤں گا۔ فرمایا: واپس کر دے، ورنہ میں تم سے چھین لوں گا۔ آخر جب وہ نہ مانا تو اس کا تھیلا چھین لیا اور اس میں موجود تمام روحوں کو زمین پر لوٹا دیا۔ تو اس دن جتنے لوگ بھی مرے تھے، سب زندہ ہو گئے۔ یہ حکایت قبیح ترین جھوٹوں میں سے ایک جھوٹ ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر مصنوعی کرامات والے کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ سچا ولی ہے۔ ہم اللہ کی قدرت کو تسلیم کرتے ہیں لیکن مبالغہ آرائی کے شوقین لوگوں نے اولیاء اللہ پر ایسی جھوٹی کرامات گھڑ رکھی ہیں جو بالکل بے اصل ہیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے ہاتھوں کرامات ظاہر کرتا ہے، انہیں مکاشفات ہوتے ہیں۔ غیبی راز ان پر منکشف ہو جاتے ہیں اور بعض آنے والے معاملات ان پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ یہ ان کی کرامت اور بلند درجے کی علامت ہوتی ہے۔ لیکن یہ اس بات کی ہرگز دلیل نہیں ہوتی کہ وہ اس مقام پر تک پہنچ چکے ہیں کہ اب انبیاء سے بھی اونچے ہو گئے ہیں۔ جیسا کہ بعض غالی صوفی اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں۔ صوفیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اولیاء انبیاء سے اونچے درجے پر ہوتے ہیں اور انبیاء رسولوں سے اوپر والے درجے پر۔ گویا ان کے نزدیک سب سے اوپر والا درجہ ولی کا ہے، پھر نبی کا اور سب سے نچلا درجہ رسول کا ہے۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے کہیں ذکر کیا ہے کہ یہ لوگ یہ شعر پڑھا کرتے ہیں:

مقام النبوة في برزخ فويق الرسول ودون الولي.

نبوت کا مقام برزخ ہے جو رسول سے اوپر اور ولی سے نیچے ہے۔

اہل سنت والجماعت کا مسلک یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کی ظاہر وباطن، ہر حال میں پیروی کرتے ہیں، پہلے پہلے سبقت لے جانے والے مہاجرین وانصار کا طریقہ اپناتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وصیت کو پیش نظر رکھتے ہیں:

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ مِنْ بَعْدِي، تَمَسَّكُوا بِهَا، وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ؛ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ»

تم میری سنت کو اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقہ کو لازم کرلو اور انہیں مضبوطی سے تھامے رہو اور دین میں ایجاد کیے گئے کاموں سے بچو کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، ح: 4607، سنن الترمذي، ح: 2676، سنن ابن ماجه، ح: 42)

اہل سنت والجماعت کو یقین ہے کہ سب سے سچا کلام اللہ کا کلام ہے، اور بہترین طریقہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔ وہ اللہ کے کلام کو ہر کسی کے کلام پر

یہ بات بالکل جھوٹ ہے کیونکہ ولی جہاں تک بھی پہنچ جائے، وہ کبھی بھی انبیاء کے رتبے تک نہیں پہنچ سکتا، رسولوں کا مرتبہ اس سے کہیں بلند ہے۔

ہم ان شعبدوں کی بھی تصدیق کرتے ہیں جو شیطان کے اولیاء شعبدہ بازوں اور جادوگروں کی زبانوں پر شعبدہ بازی اور شیطانی کاموں کے باعث ظاہر ہوتی ہیں۔ لیکن یہ اس بات کی دلیل نہیں ہوتیں کہ یہ لوگ اولیاء اللہ ہیں۔ یہ تو ان جادوگروں کی شیطانوں اور سرکش جنوں کی خدمت کے آثار ہوتے ہیں جو لوگوں کو دھوکے میں ڈالنے کے لیے نظر آتے ہیں۔ ان کی وجہ سے یہ جادوگر مختلف چیزوں میں اپنا اختیار چلاتا نظر آتا ہے۔

یہ اور اس طرح کی باتیں شیطانی حربے کہلاتی ہیں۔ اسی وجہ سے سفیان ثوری کہا کرتے تھے کہ جب تم کسی خواہش پرست انسان کو دیکھو کہ ہوا میں اُڑ رہا ہے یا پانی پر چل رہا ہے تو اس کی حالت سے دھوکا نہ کھاؤ جب تک اس کے حالات کو کتاب وسنت پر پرکھ نہ لو۔ اگر وہ شریعت کا عامل اور اس کے مطابق زندگی بسر کرتا ہو تو سمجھ لو کہ یہ اس کی کرامت ہے وگرنہ شیطانی حرکت ہے۔ (الجبرین: 2/261-264)

ترجیح دیتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو ہر کسی کے طریقہ پر مقدم رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ کتاب وسنت والے کہلاتے ہیں۔ وہ جماعت والے بھی کہلاتے ہیں کیونکہ جماعت اجتماع کو کہتے ہیں جو فرقہ بندی اور اختلاف کی ضد ہے۔ اگرچہ جماعت کا لفظ اب جمع ہونے والی قوم کے لیے استعمال ہونے لگا ہے۔

سلف صالحین کا اجماع کتاب وسنت کے بعد تیسری بنیاد ہے جس پر علم ودین کے مسائل میں اعتماد کیا جاتا ہے۔

اہل سنت انہی تین اصولوں (کتاب اللہ، سنت رسول اور اجماع سلف) پر لوگوں کے ان تمام ظاہری وباطنی اقوال وافعال کو تولتے ہیں جن کا تعلق امور دین سے ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک وہی اجماع درست اور معتبر ہے جو سلف صالحین کا اجماع ہے، کیونکہ ان کے بعد اختلاف بڑھ گیا تھا اور امت کے افراد منتشر ہو گئے تھے۔

تشریح:

جیسا کہ کتاب کے مؤلف شیخ الاسلام ابو العباس ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا، اہل سنت والجماعت کا یہ بھی اصول ہے کہ وہ اولیاء اللہ کی کرامات، جن کا اللہ اور اس کے رسول نے تذکرہ کیا اور جو ان کے بعد ظاہر ہوئیں، سب کی تصدیق کرتے ہیں۔

کرامت اس خلاف عادت واقعہ کو کہتے ہیں جو کسی ولی اللہ کے ہاتھوں رونما ہوتا ہے۔ عام روٹین میں وہ کام کسی مخلوق سے ظاہر نہیں ہوتا۔ خلاف عادت واقعہ کو کرامت اس وقت کہا جائے گا جب وہ کسی سچے مؤمن اور ولی اللہ کے ہاتھوں ظاہر ہو گا۔ اگر کسی اور سے ظاہر ہو تو وہ جادو اور جنوں کا کمال ہو گا۔ جو مؤمن سے ظاہر ہوتا ہے، وہ کرامت ہوتی ہے۔ مؤمن کی کرامت بھی اسی وقت مانی جائے گی جب وہ دین پر استقامت اختیار کرنے والا ہو گا۔ مثلاً: شیخ الاسلام رحمہ اللہ (اپنی کتاب الفرقان بین اولیاء الرحمن واولیاء الشیطان، ص: 45 پر) لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص پانی پر چلے یا ہوا میں

اُڑے تو اسے تب ہی ولی مانا جائے گا جب اسے کتاب وسنت کے معیار پر پرکھ لیا جائے۔ اگر وہ کتاب وسنت پر استقامت اختیار کیے ہوئے ہو تو اللہ کا ولی ہے، وگرنہ شیطان کا ولی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (34)

اس کے ولی تو وہی ہیں جو متقی ہیں اور لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔[الأنفال: 34]

دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (62) الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ (63)﴾

سن لو! بے شک اللہ کے دوست، ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔وہ جو ایمان لائے اور بچا کرتے تھے۔[یونس: 63-62]

غار والوں کا شمار بھی اولیاء اللہ میں ہوتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے عزت بخشی تھی۔ یہ لوگ تین سو سال تک سوئے رہے۔ بعض لوگ نو سال کا اضافہ کرتے ہیں۔ پھر اس کے بعد اللہ نے انہیں فوت کر دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ ان کے ایمان اور تقویٰ کی بدولت اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک نشانی اور عبرت بنایا۔

اسی طرح دو جلیل القدر صحابیوں عباد بن بشر اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ بھی کرامت ہے۔ ایک مرتبہ یہ دونوں صحابی سخت اندھیری رات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر واپس جا رہے تھے کہ ان کی لاٹھیاں روشن ہو گئیں اور چراغ بن کر راستہ منور کرنے لگیں یہاں تک کہ دونوں اس روشنی میں چلتے ہوئے اپنے اپنے گھروں تک پہنچ گئے۔ (مسند أحمد: 12980)

کرامات میں سے ایک قصہ سیدنا طفیل دوسی رضی اللہ عنہ کا بھی ہے جو دوس قبیلے کے سردار تھے۔ جب یہ مسلمان ہوئے تو ان کی قوم اسلام لانے میں تاخیر کرنے لگی۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ

سے دعا فرمائیں کہ مجھے کوئی نشانی دے جسے دیکھ کر میری قوم کے لوگ ہدایت پا جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے دعا کی کہ اسے کوئی ایسی نشانی عطا فرما جس کے ذریعے اس کی قوم سیدھے راستے پر آجائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کے درمیان ایک چراغ سا بنا دیا۔ جب یہ اپنی قوم کے پاس آئے تو اس نشانی کو دیکھ کر کہنے لگے: اے میرے رب! چہرے کے علاوہ کسی اور جگہ یہ روشنی منتقل کر دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے ان کی لاٹھی میں منتقل کر دیا۔ جب بھی وہ اپنی لاٹھی اٹھاتے، وہ روشن ہو جاتی۔ ان کی ان کوششوں کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کو ہدایت بخشی اور وہ انہیں مسلمان بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔(معرفة الصحابة لأبي نعيم الأصبهاني، ح: 3500، دلائل النبوة للبيهقي، ح: 2108)

بات کرنے کا مقصد یہ ہے کہ خلاف عادت کام اگر متقی اور نیک شخص سے ظاہر تو وہ کرامت ہے اور اس کے بر خلاف کسی سے ظاہر ہو تو وہ جادو اور جنات کا کام ہوتا ہے۔

اہل سنت والجماعت کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ وہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور خلفائے راشدین کے طریقے کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی ان کا راستہ اور منہج ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور نقش قدم، نیز خلفائے راشدین کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ یہی اہل سنت والجماعت کا طریقہ کار ہے۔ اسی لیے انہیں کتاب وسنت والے کہا جاتا ہے۔ انہیں جماعت والے بھی کہا جاتا ہے۔ اور جماعت اجتماع کو کہتے ہیں جو تفرقہ اور اختلاف کی ضد ہے۔ انہیں اہل سنت والجماعت اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ کتاب وسنت کی بنیاد پر اکٹھے ہیں، دونوں کی تصدیق کرتے ہیں اور تمام باتوں اور کاموں کو انہی دونوں پر تولتے ہیں۔ یہی اہل سنت والجماعت ہیں کیونکہ یہ کتاب وسنت کی تعظیم اور انہیں ماخذ بنانے پر متفق ہیں۔ لوگوں کے تمام اقوال وافعال کو وہ تین بنیادوں پر پرکھتے ہیں۔

پہلی بنیاد کتاب اللہ ہے۔

دوسری بنیاد صحیح سنت ہے۔

تیسری بنیاد اجماع ہے۔ معتبر اجماع وہ ہے جو سلف کا اجماع ہے، صحابہ کا اجماع ہے۔لوگوں کا ہر قول و فعل انہی تین بنیادوں پر تولا جائے گا۔ جو ان کے مطابق ہو گا، سر آنکھوں پر لیا جائے گا۔ اور جو ان کے خلاف ہو گا، اسے کہنے اور کرنے والے کے منہ پر دے مارا جائے گا، چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ سب کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اخلاق کریمہ اور اعمال حسنہ سے مزین اہل سنت کی چند صفات کا تذکرہ:

شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ثُمَّ هُم مَّعَ هَذِهِ الأُصُولِ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ، وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ عَلَى مَا تُوجِبُهُ الشَّرِيعَةُ: وَيَرَوْنَ إِقَامَةَ الْحَجِّ وَالْجِهَادِ وَالْجُمَعِ وَالأَعْيَادِ مَعَ الأُمَرَاءِ أَبْرَارًا كَانُوا أَوْ فُجَّارًا، وَيُحَافِظُونَ عَلَى الْجَمَاعَاتِ. وَيَدِينُونَ بِالنَّصِيحَةِ لِلأُمَّةِ، وَيَعْتَقِدُونَ مَعْنَى قَوْلِهِ صلى الله عليه وسلم: «**الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ الْمَرْصُوصِ؛ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا**»، وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ، وَقَوْلِهِ صلى الله عليه وسلم: «**مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ؛ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ؛ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالْحُمَّى وَالسَّهَرِ**».

وَيَأْمُرُونَ بِالصَّبْرِ عِنْدَ الْبَلاءِ، وَالشُّكْرِ عِنْدَ الرَّخَاءِ وَالرِّضَا بِمُرِّ الْقَضَاءِ. وَيَدْعُونَ إِلَى مَكَارِمِ الأَخْلاقِ، وَمَحَاسِنِ الأَعْمَالِ، وَيَعْتَقِدُونَ مَعْنَى قَوْلِهِ صلى الله عليه وسلم: «**أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا**».

وَيَنْدُبُونَ إِلَى أَنْ تَصِلَ مَنْ قَطَعَكَ، وَتُعْطِيَ مَنْ حَرَمَكَ، وَتَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَكَ. وَيَأْمُرُونَ بِبِرِّ الْوَالِدَيْنِ، وَصِلَةِ الأَرْحَامِ، وَحُسْنِ الْجِوَارِ، وَالإِحْسَانِ إِلَى الْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ، وَالرِّفْقِ بِالْمَمْلُوكِ. وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْفَخْرِ، وَالْخُيَلاءِ، وَالْبَغْيِ، وَالاسْتِطَالَةِ عَلَى الْخَلْقِ بِحَقٍّ أَوْ بِغَيْرِ حَقٍّ.

وَيَأْمُرُونَ بِمَعَالِي الأَخْلاقِ، وَيَنْهَوْنَ عَنْ سِفْسَافِهَا. وَكُلُّ مَا يَقُولُونَهُ وَيَفْعَلُونَهُ مِنْ هَذَا وَغَيْرِهِ؛ فَإِنَّمَا هُمْ فِيهِ مُتَّبِعُونَ لِلْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، وَطَرِيقَتُهُمْ هِيَ دِينُ الإِسْلامِ الَّذِي بَعَثَ اللهُ بِهِ مُحَمَّدًا صلى الله عليه وسلم. لَكِنْ لَمَّا أَخْبَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَنَّ أُمَّتَهُ سَتَفْتَرِقُ عَلَى ثَلاثٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً؛ كُلُّهَا فِي النَّارِ؛ إِلاَّ وَاحِدَةً، وَهِيَ الْجَمَاعَةُ. وَفِي حَدِيثٍ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: «**هُمْ مَنْ كَانَ عَلَى مِثْلِ مَا أَنَا عَلَيْهِ الْيَوْمَ وَأَصْحَابِي**»، صَارَ الْمُتَمَسِّكُونَ بِالإِسْلامِ

الْمَحْضِ الْخَالِصِ عَنِ الشَّوَائِبِ هُمُ أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ. وَفِيهِمُ الصِّدِّيقُونَ، وَالشُّهَدَاءِ، وَالصَّالِحُونَ، وَمِنْهُمُ أَعْلامُ الْهُدَى، وَمَصَابِيحُ الدُّجَى، أُولو الْمَنَاقِبِ الْمَأْثُورَةِ، وَالْفَضَائِلِ الْمَذْكُورَةِ، وَفِيهِمُ الأَبْدَالُ، وَفِيهِمُ أَئِمَّةُ الدِّينِ، الَّذِينَ أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى هِدَايَتِهِمْ وَدِرَايَتِهِمْ، وَهُمُ الطَّائِفَةُ الْمَنْصُورَةُ الَّذِينَ قَالَ فِيهِمُ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: «**لاَ تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ مَنْصُورَةً، لاَ يَضُرُّهُم مَّنْ خَالَفَهُمْ، وَلاَ مَنْ خَذَلَهُمْ؛ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ**»

فَنَسْأَلُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنَا مِنْهُمْ وَأَنْ لاَ يُزِيغَ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَانَا، وَأَنْ يَهَبَ لَنَا مِن لَّدُنْهُ رَحْمَةً إِنَّهُ هُوَ الوَهَّابُ. وَصَلَّى اللهُ وَسَلَّمَ عَلَى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا.

ترجمہ:

مذکورہ بالا اصولوں کی روشنی میں اہل سنت والجماعت احکام شریعت کے مطابق بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔[68] امراء وحکام کے ساتھ، خواہ وہ

---

(68) **معروف:** ہر اس کام کو کہتے ہیں جسے فطرت سلیمہ اور صحیح نفس پسند کرتا ہے۔ نفس کو پسند ہر بھلائی کو معروف کہتے ہیں۔ ہر وہ کام جس سے دل مطمئن اور مانوس ہو۔ اب یہ ہر اس کام کو بھی کہتے ہیں جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے۔ اسے بھی معروف کہتے ہیں۔ عبادت اور اخلاص کا حکم امر بالمعروف ہے۔ نماز اور جماعت کا حکم امر بالمعروف ہے۔ ذکر الٰہی اور تلاوت قرآن کا حکم امر بالمعروف ہے۔ صدقات وخیرات کا حکم، زکوٰۃ، کفارہ اور نذروں کو پورا کرنے کا حکم اور اسی طرح دیگر احکامات بھی امر بالمعروف ہیں۔

اسی طرح فرضی یا نفلی روزے کا حکم، نیک لوگوں سے محبت اور ان کی قربت اختیار کرنے کا حکم، بھلائی اور علمی مجالس میں حاضری کا حکم، علم نافع اور عمل صالح کا حکم بھی امر بالمعروف ہے۔ اسی طرح وہ تمام نیکی کے کام جنہیں کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور انہیں پسند کرتا ہے، ان کا حکم دینا بھی امر بالمعروف ہے۔

اچھے ہوں یا برے، حج اور جہاد کا فریضہ ادا کرنا، نیز جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ باجماعت نماز کی پابندی کرتے ہیں، امت کی خیر خواہی کو دینی فریضہ سمجھتے ہیں اور اپنا عقیدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درج ذیل احادیث کے معنیٰ ومفہوم کے مطابق بناتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «**الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ؛ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا**»

منکر: ہر اس چیز کو کہتے ہیں جسے نفس ناپسند کرتے ہیں اور طبیعتیں نفرت کرتی ہیں۔ صحیح سلامت نفس اس سے بیزاری اور نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ اس کے منکر ہونے کا سبب ہے۔ اگر گھٹیا نفس اسے اچھا سمجھیں تو ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ایک منکر وہ ہوتا ہے جو طبعی طور پر ناپسندیدہ ہو۔ دوسرا منکر وہ ہوتا ہے جسے شریعت کو ناپسند ہو اور اس سے اسے حرام قرار دیا ہو۔ اب منکر ہر اس چیز کا نام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اوراس سے روکا ہے۔ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا اور ڈرایا ہے۔

مثلاً: بندوں کو اذیت پہنچانا اور انہیں اس پر زیادتی کرنا منکر ہے۔ گالی گلوچ، ہجو، برا بھلا کہنا اور لعنت کرنا وغیرہ منکر ہے۔ اسی طرح فرائض کی ادائیگی میں کنجوسی، نفس کی بخیلی اور سخت لالچ جس کا کوئی فائدہ نہیں یا ایسی لالچ جو حرام تک لے جائے، منکر ہے اور ایسا منکر ہے جسے نفس بھی ناپسند کرتے ہیں۔ اسی طرح معاملات میں دھوکا، سودی معاملات، دھوکا، فراڈ وغیرہ سب منکر ہیں۔ اسی طرح ہمسائے یا دوست وغیرہ کو تکلیف دینا منکر ہے۔ اسی طرح قطع تعلقی اور قطع رحمی منکر ہے۔

بعض منکر بعض گھٹیا لوگوں کے ہاں اچھے کام شمار ہوتے ہیں تو ان کے نزدیک ان کا اچھا ہونا، ان کے اچھا ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ لوگ تو شراب کو اچھا سمجھتے اور اس سے الفت رکھتے ہیں۔ تو یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ یہ معروف ہے، بلکہ یہ منکر ہی ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ تمباکو نوشی سے پیار کرتے ہیں تو یہ اس کے معروف ہونے کی دلیل نہیں ہے، بلکہ درحقیقت یہ منکر ہی ہے۔ اسی طرح بعض لوگ حرام کاموں کا ارتکاب کرتے ہیں، ان سے لذت اٹھاتے ہیں، انہیں اچھا اور اپنے گھٹیا ذوق کے مطابق سمجھتے ہیں۔ تو ان کا یہ سمجھنا اسے منکر ہونے سے نہیں نکال سکتا۔ (الجبرین: 2/284-283)

ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لیے عمارت کی طرح ہے کہ جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط کرتا ہے۔ (متفق عليه، صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب تشبيك الأصابع في السجود وغيره، ح: 481۔ وصحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب تراحم المؤمنين، ح: 2585)

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث کو بیان فرماتے وقت اپنے دونوں ہاتھ کی انگلیوں کو باہم ملا کر اس کی وضاحت فرمائی۔

آپ ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

«مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ؛ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ؛ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالْحُمَّى وَالسَّهَرِ»

باہم محبت ومودت رکھنے اور نرمی ومہربانی کا برتاؤ کرنے میں مؤمنوں کی مثال ایک جسم کی ہے کہ اس کا کوئی عضو جب بیمار ہو جاتا ہے تو اس کی وجہ سے پورا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (متفق عليه، صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، ح: 6011۔ وصحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب تراحم المؤمنين، ح: 2586)

اہل سنت والجماعت ابتلاء وآزمائش پر صبر کرنے[69]، راحت وآسائش میں شکر گزار ہونے اور کڑوی تقدیر پر راضی رہنے کا حکم دیتے ہیں۔ وہ اخلاق کریمہ اور اعمال حسنہ کی طرف بلاتے اور رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث پر یقین رکھتے ہیں:

«أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا»

مؤمنوں میں سب سے کامل ایمان والا شخص وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔ (سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب الدليل على زيادة الإيمان ونقصانه، ح: 4682، ترمذي: 1162)

---

(69) صبر کا لغوی معنیٰ ہے: رکنا اور روکنا۔ اصطلاحی معنیٰ ہے: نفس کو واویلا کرنے اور ناراض ہونے سے روکنا، زبان کو شکوے کرنے سے روکنا اور اعضاء کو الجھن اور ابتری سے بچانا۔ یہ معنیٰ ابن قیم رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔ (الجبرین: 2/292)

اہل سنت والجماعت اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ جو تم سے قطع تعلق کرے، اس سے رشتہ جوڑے رکھو۔ جو تمہیں محروم کر دے، اسے بھی دو۔ جو تم پر زیادتی کرے، اسے معاف کر دو۔ نیز وہ والدین کی اطاعت و فرمانبرداری، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے ساتھ احسان کرنے اور غلاموں کے ساتھ نرمی برتنے کا حکم دیتے ہیں جبکہ فخر و تکبر، سرکشی اور لوگوں پر حق و ناحق زیادتی کرنے سے منع کرتے ہیں۔

اسی طرح وہ بلند اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں اور گھٹیا اخلاق و عادات سے روکتے ہیں۔ یہ سب یا اس کے علاوہ بھی جو کچھ وہ کہتے یا کرتے ہیں، کتاب و سنت کی پیروی میں کرتے ہیں۔

اہل سنت کا مسلک وہی دین اسلام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو دے کر بھیجا ہے۔ لیکن چونکہ نبی ﷺ نے اس بات کی پیشین گوئی فرمائی ہے کہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، جن میں سے ایک کے علاوہ سب کے سب جہنمی ہوں گے۔ وہ فرقہ ناجیہ جماعت ہے۔

دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے اس فرقہ کی یوں وضاحت فرمائی ہے:

«هُمْ مَنْ كَانَ عَلَى مِثْلِ مَا أَنَا عَلَيْهِ الْيَوْمَ وَأَصْحَابِي»

یہ وہ لوگ ہوں گے جو میری سنت اور میرے صحابہ کے راستے پر چلنے والے ہوں گے۔(سنن الترمذي، أبواب الإيمان، باب ما جاء في افتراق هذه الأمة، ح: 2641، المعجم الأوسط للطبراني: 4886)

لہٰذا ان احادیث کی روشنی میں جن لوگوں نے ہر طرح کی ملاوٹ سے پاک خالص اسلام کو تھام رکھا ہے، وہ اہل سنت والجماعت ہیں۔ انہی کی جماعت میں صدیقین، شہداء اور صالحین گزرے۔ انہی میں ہدایت کے مینار اور اندھیروں کے

چراغ ظاہر ہوئے جن کے فضائل و مناقب مذکور و منقول ہیں۔ انہی میں ابدال[70] اور وہ ائمہ دین پیدا ہوئے جن کی ہدایت پر ساری امت متفق ہے۔ یہی جماعت وہ طائفہ منصورہ ہے جس کے بارے میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

---

(70) لفظ ابدال صوفیوں کی من گھڑت اصطلاح ہے جس کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ ان کا خیال ہے کہ زمین میں کچھ ابدال ہیں، جب ان میں کوئی ایک فوت ہو جاتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ سنبھال لیتا ہے۔ ان کا کام یہ ہے کہ یہ امت کی اصلاح کرتے ہیں اور ان پر عذاب آنے سے روکتے ہیں۔

ان کے نزدیک اوتاد، اقطاب اور ابدال ہیں۔ یہ ایسے نام ہیں جن کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ البتہ لفظ ابدال کا معنیٰ صحیح ہے کہ اس سے نیک اور اہل علم لوگ مراد ہیں جو ایک دوسرے کے جانشین بنتے ہیں۔ جب کوئی ایک مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں کوئی دوسرا اس کی جگہ پر کھڑا کر دیتے ہیں۔ جب کوئی عالم فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا عالم لے آتے ہیں۔ تو یہ ابدال ہیں یعنی پچھلے کے بدلے میں آئے ہیں۔ یہ ان کے ابدال ہونے کا مطلب ہے اگرچہ شریعت میں یہ لفظ کہیں نہیں ملتا لیکن لغوی اعتبار سے یہ معنیٰ درست ہے۔

اچھی نیت سے اس کا استعمال درست ہے لیکن صوفیوں کے اصطلاح کے طور پر اس کے استعمال کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اسی طرح صوفیوں کے اصطلاح میں اقطاب اور اوتاد کی بھی کوئی اصل نہیں ہے۔

اقطاب کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ زمین میں قطب ایسے ہی ہے جیسے آسمان میں قطبی ستارہ ہے۔

اوتاد کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ زمین کے ثابت رہنے کا ذریعہ ہیں۔ جیسے پہاڑ ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو ٹھہرایا ہوا ہے۔ کیونکہ یہ ڈولتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر پہاڑ گاڑ دیے ہیں۔

صوفی کہتے ہیں کہ یہ لوگ زمین کے ٹھہرے رہنے کا سبب ہیں۔ انہی کی وجہ سے نہ زمین ہلتی ہے، نہ تھرتھراتی ہے اور نہ اِدھر اُدھر ہوتی ہے۔

«لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ مَنْصُورَةً، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ، وَلَا مَنْ خَذَلَهُمْ؛ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ»

میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔ ان کا ساتھ چھوڑنے والے اور ان کی مخالفت کرنے والے قیامت تک انہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔

(متفق عليه، صحيح البخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب قول النبي ﷺ: لا تزال طائفة ---، ح: 7311۔ وصحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب لا تزال طائفة من أمتي ---، ح: 1037)

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اسی طائفہ منصورہ میں شامل رکھے، ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ ہونے دے اور اپنی طرف سے ہمیں رحمت سے نوازے۔ بلاشبہ وہی تو سب کچھ دینے والا ہے۔ اللہ ہمارے نبی محمد، آپ کی آل اور صحابہ پر درود اور بہت زیادہ سلام بھیجے۔

تشریح:

اہل سنت والجماعت کے بارے میں یہ اختتامی کلمات جو مؤلف نے سپرد قلم کیے ہیں، اس قدر عظیم ہیں کہ سونے کے پانی سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ ہر مؤمن کو چاہیے کہ انہیں اپنا عقیدہ بنائے، ان پر اپنے آپ کو پرکھے اور ان پر چلے کیونکہ یہی اہل سنت والجماعت کا قول ہے اور قرآن وسنت اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت ہر خیر سے متصف ہیں۔ احکام شریعت کے مطابق شریعت کی قید میں رہتے ہوئے وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾

البتہ جب ہم لفظ ابدال کو اہل علم، اہل دین، اہل خیر اور اصلاح پسندوں کے معنیٰ میں استعمال کرتے ہیں کہ یہ ایک دوسرے کے جانشین بنتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (الجبرین: 2/327-328)

اور مومن مرد اور مومن عورتیں، ان کے بعض بعض کے دوست ہیں، وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں۔[التوبۃ: 71]

اہل سنت نیک و بد ہر طرح کے امراء وحکام کے ساتھ جمعہ، جماعت، عیدین اور جہاد کرنے پر یقین رکھتے ہیں کیونکہ اسی میں جہاد کا استحکام، شہروں کا امن اور قومی یکجہتی پائی جاتی ہے۔ اگر حکمران برا ہوگا تو اس کی برائی کا بوجھ اسی پر ہوگا۔ وہ ان کے ساتھ جمعہ وجماعت قائم کرتے ہیں اور ان کی سرپرستی میں جہاد کرتے ہیں، جیسا کہ بنوامیہ، بنو عباس وغیرہ کے زمانوں میں ایسا ہوا۔

اہل سنت والدین کے ساتھ حسن سلوک، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور ہمسایوں کے ساتھ اچھا رویہ اپنانے کی تلقین کرتے ہیں۔ اخلاق کریمہ اور اعمال حسنہ کی طرف بلاتے ہیں اور اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ آپ ان سے تعلق جوڑ کر رکھیں جو آپ سے توڑتے ہیں۔ انہیں دیں جو آپ کو محروم رکھتے ہیں اور انہیں معاف کردیں جو آپ پر ظلم ڈھاتے ہیں۔ ان کا وہی عقیدہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے درج ذیل احادیث میں بیان فرمایا ہے:

«مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ؛ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ؛ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالْحُمَّى وَالسَّهَرِ»

باہم محبت ومودت رکھنے اور نرمی ومہربانی کا برتاؤ کرنے میں مؤمنوں کی مثال ایک جسم کی ہے کہ اس کا کوئی عضو جب بیمار ہو جاتا ہے تو اس کی وجہ سے پورا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (متفق عليه، صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، ح: 6011۔ وصحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب تراحم المؤمنين، ح: 2586)

«الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ؛ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا»

ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لیے عمارت کی طرح ہے کہ جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو تقویت پہنچاتا ہے۔ (متفق عليه، صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب

تشبيك الأصابع في السجود وغيره، ح: 481- وصحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب تراحم المؤمنين، ح: 2585)

«أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا»

مؤمنوں میں سب سے کامل ایمان والا شخص وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔ (سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب الدليل على زيادة الإيمان ونقصانه، ح: 4682، ترمذي: 1162)

اہل سنت ان سب احادیث کو مانتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت اپنے ہر قول وفعل میں کتاب وسنت کی پابندی کرتے ہیں۔ ان کے ہاں کوئی اور مقصود نہیں ہے۔ بلکہ ان کے اقوال وافعال کتاب وسنت کے مطابق ہوتے ہیں۔ اسی لیے انہیں اہل سنت، اہل جماعت، اہل کتاب وسنت کہتے ہیں کیونکہ وہ اسی بنیاد پر اکٹھے ہیں اور اسی بنیاد پر معاملات طے کرتے ہیں اور اسی بنیاد پر تعاون کرتے ہیں۔ لہٰذا وہ اہل سنت والجماعت اور اہل کتاب وسنت ہیں جیسا کہ اہل علم اس بات کو واضح طور پر بیان کر چکے ہیں۔

انہی میں ہدایت کے امام اور علمبردار ہیں جنہوں نے دین پر استقامت دکھائی اور شریعت کی پابندی کی۔ یہ سب اہل سنت والجماعت میں داخل ہیں۔ انہی میں ابدال ہوتے ہیں، یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کو بدل دیتے ہیں۔ ابدال کا مطلب ہے: علماء۔ جو ایک دوسرے کے جانشین اور نائب بنتے ہیں۔ ایک عالم چلا جاتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ پر آجاتا ہے۔ یہ سلسلہ چلتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ ہی زمین اور اس کی چیزوں کا وارث بن جائے گا۔ یہ اس امت کا حال ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

«لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ مَنْصُورَةً، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ، وَلَا مَنْ خَذَلَهُمْ؛ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ»

میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔ ان کا ساتھ چھوڑنے والے اور ان کی مخالفت کرنے والے قیامت تک انہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔

(متفق عليه، صحيح البخاري، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب قول النبي ﷺ: لا تزال طائفة ---، ح: 7311- وصحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب لا تزال طائفة من أمتي ---، ح: 1037)

قیامت تک کا مطلب ہے کہ قربِ قیامت تک جب ایک پاکیزہ ہوا چلے گی اور تمام مؤمن مرد و عورت کی روحیں قبض کرلے گی اور زمین پر صرف بدترین لوگ رہ جائیں گے اور انہی پر قیامت قائم ہوگی۔

ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں اور آپ کو اہل سنت والجماعت کا ایک فرد بنا دے اور ہمیں اور آپ کو نفس کے شر اور اعمال کی برائیوں سے محفوظ فرما دے۔ اپنے دین کی مدد کرے اور اپنے کلمہ کو بلند فرما دے۔

نیکی کرنے کی طاقت اور گناہ سے بچنے کی قوت صرف اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول یعنی ہمارے نبی محمد، آپ کی آل اور تمام صحابہ پر درود و سلام بھیجے۔ اے اللہ! ان پر درود و سلام کی برکھا برسا دے۔ آمین



مشکل الفاظ کے معانی
اور ان کی شرح

اربعوا	نرمی کرو	ر،ب،ع	ربع: چار۔ ربیع: موسم بہار، کیونکہ یہ سال کا چوتھا موسم ہے۔ اِرْبَعْ: اپنی طاقت سے زیادہ کام نہ کرو۔
أرزاق	رزق کی جمع	ر،ز،ق	وہ عطیہ جو جاری ہو، خواہ دنیاوی ہو یا اخروی۔ رزق بمعنیٰ حصہ بھی آتا ہے۔ کبھی اس چیز کو بھی کہا جاتا ہے جو پیٹ میں پہنچ کر غذا بنتی ہے۔
أَرْسَلَ	اس نے بھیجا	ر،س،ل	آہستہ اور نرمی کے ساتھ چلنا۔ رسول: روانہ ہونے والا
أزواج	زوج کی جمع، بیوی	ز،و،ج	زوج: جن حیوانات میں نر اور مادہ پایا جاتا ہے، ان میں سے ہر ایک دوسرے کا زوج کہلاتا ہے یعنی نر اور مادہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا زوج ہے۔ حیوانات کے علاوہ دوسری چیزوں میں جفت کو زوج کہتے ہیں۔ اسی طرح ہر وہ چیز جو دوسری کی مماثل یا مقابل ہونے کی حیثیت سے اس سے ملی ہوئی ہو، وہ اس کا زوج کہلاتی ہے۔
آسفونا	انہوں نے ہمیں غصہ دلایا	ا،س،ف	غم اور غصے کے مجموعے کو کہتے ہیں۔ کبھی ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ اصلی معنیٰ: جذبہ انتقام سے دل کے جوش مارنے کے ہیں۔ اگر یہ کیفیت اپنے سے کمزور آدمی پر پیش آئے

			تو پھیل کر غصے کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور اگر اپنے سے طاقتور پر ہو تو سکڑ کر غم بن جاتی ہے۔
أصحاب	ساتھی	ص،ح،ب	صاحب: ہمیشہ ساتھ رہنے والا خواہ جسمانی طور پر ساتھ رہے یا توجہ کے ذریعے۔ عرف میں اسی کو صاحب کہتے ہیں جو عام طور پر ساتھ رہے۔ کبھی کسی چیز کے مالک کو بھی اس کا صاحب کہتے ہیں اور کبھی اسے بھی صاحب کہہ دیتے ہیں جو کسی چیز میں اختیار رکھتا ہو۔
اِصْطَبِر	جمے رہو	ص،ب،ر	صبر: کسی کو تنگی کی حالت میں روک رکھنا۔ اصطبر: مشقت کے ساتھ صبر کرنا
اصطفی	چن لیا	ص،ف،و	صفاء: کسی چیز کا ہر قسم کی ملاوٹ سے پاک اور صاف ہونا۔ صاف اور چکنے پتھر کو بھی صفاء کہتے ہیں۔ اصطفاء: صاف اور خالص چیز لے لینا جیسے اختیار: بہتر چیز لے لینا اور اجتباء: عمدہ چیز منتخب کر لینا
اعتقاد	عقیدہ	ع،ق،د	کسی کے اطراف کو جمع کر دینا یعنی گرہ باندھنا۔ اصل میں تو ٹھوس اجسام کے متعلق استعمال ہوتا ہے لیکن بطور استعارہ معانی پر بھی بولا جاتا ہے۔
ألزمنا	ہم نے لازم کر دیا	ل،ز،م	لزوم: کسی چیز کا عرصہ دراز تک ایک جگہ ٹھہرے رہنا۔ الزام: حکماً واجب کرنا اور

			مجبور کرنا۔ لِزام: چمٹ جانا
أمهات	اُمّ کی جمع، ماں	ا، م، م	قریبی حقیقی اور دور والی یعنی نانی، پرنانی وغیرہ سب کو ام کہتے ہیں۔ اسی لیے حواء کو ماں کہا جاتا ہے۔ ہر اس چیز کو اُمّ کہتے ہیں جو کسی دوسری چیز کے وجود میں آنے یا اس کی اصلاح و تربیت کا سبب ہو۔ اسی طرح ہر وہ چیز جس کے اندر اس سے متعلقہ تمام چیزیں سما جائیں، وہ ان کی اُمّ کہلاتی ہے۔
أن تزولا	یہ کہ وہ دونوں زائل ہو جائیں	ز، و، ل	زوال: کسی چیز کا اپنا صحیح رخ چھوڑ کر ایک جانب مائل ہو جانا، اپنی جگہ سے ہٹ جانا
انتقمنا	ہم نے انتقام لیا	ن، ق، م	کسی چیز کو برا سمجھنا۔ کبھی یہ زبان کے ذریعے عیب لگانے اور کبھی سزا دینے پر بولا جاتا ہے۔
بَايَعَ	بیعت کی	ب، ی، ع	بیع: بیچنا لیکن کبھی خریدنا کے معنیٰ میں بھی آ جاتا ہے۔ بیعت: کسی کی اطاعت کا اقرار کرنا
بعث	اٹھانا	ب، ع، ث	کسی چیز کو ابھارنا اور کسی طرف بھیجنا۔ قبروں سے زندہ کر کے میدانِ محشر کی طرف چلانا
البغي	سرکشی	ب، غ، ی	کسی چیز کی طلب میں میانہ روی کی حد پار کرنے خواہش کرنا
تجادل	وہ جھگڑتی ہے	ج، د، ل	جدال: ایسی گفتگو کرنا جس میں دونوں

			ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔
تحریف	کلام کو اس کے موقع و محل سے پھیر دینا	ح،ر،ف	حرف: کسی چیز کا کنارہ۔ تحریف: کسی چیز کو ایک جانب مائل کر دینا
تُحْصَى	شمار کیا جائے گا	ح،ص،ی	الاحصاء: عدد حاصل کرنا، شمار کرنا۔ اصل میں یہ لفظ «حصی» (کنکریاں) سے لیا گیا ہے۔ اس سے گننے کا معنیٰ اس لیے لی گیا ہے کہ عرب لوگ گنتی میں کنکریوں پر اس طرح اعتماد کرتے تھے جیسے ہم انگلیوں پر کرتے ہیں۔
تُظِلّ	سایہ کیے ہوئے ہے	ظ،ل،ل	ظلّ: سایہ دار ہونا۔ اظلّ: کسی کو اپنی حفاظت میں لے لینا
تُعَادُ	لوٹ آئے گی	ع،و،د	عود: کسی کام کو شروع کرنے کے بعد دوبارہ اس کی طرف پلٹنا، چاہے وہ پلٹنا جسمانی ہو یا قول و عزم سے۔
تُعبِّرُ	تعبیر کرتی ہے	ع،ب،ر	عبر: ایک حالت سے دوسری حالت تک پہنچ جانا۔ تعبیر: خواب کا انجام بتانا۔ گویا تاویل بتانے والا اس کے ظاہر سے باطن تک پہنچ جاتا ہے۔
تعطیل	نفی کرنا	ع،ط،ل	خالی چھوڑنا، ترک کرنا، بے کار ہونا
تُفسِّر	وضاحت کرتی ہے	ف،س،ر	فسر: کسی چیز کی معنوی صفت کو ظاہر کرنا۔ تفسیر: کسی مفرد اور مشکل لفظ کی تشریح

			اور وضاحت۔
تُقِلّ	اٹھائے ہوئے ہے	ق،ل،ل	قلّ: اصل میں صفات کی کمی پر بولتے ہیں۔ اقلّ: اٹھانا، بلند کرنا
تقلُّب	پھرنا	ق،ل،ب	قلب: کسی چیز کو پھیرنا اور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پلٹنا۔ دل کو بھی قلب اس لیے کہتے ہیں کہ وہ کثرت سے الٹتا پلٹتا ہے
تکییف	کیفیت بیان کرنا	ک،ی،ف	کیف: کسی چیز کی حالت اور رنگ کے بارے میں سوال کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔
تمثیل	مثال بیان کرنا	م،ث،ل	مثل: ایسی بات جو کسی دوسری بات سے ملتی جلتی ہو اور ان میں سے کسی ایک کے ذریعے دوسری کا مطلب واضح ہو جاتا ہو
تُنصَب	نصب کیے جائیں گے	ن،ص،ب	نَصب: کسی چیز کو کھڑا کرنا یا گاڑ دینا۔ نصیب: اس پتھر کو کہتے ہیں جو کسی جگہ پر بطور نشان گاڑ دیا جاتا ہے، اس کی جمع نُصُب اور انصاب ہے۔ نُصب اور نَصَبٌ: تکلیف و مشقت
تَوَکَّل	بھروسا کرو	و،ک،ل	توکل کا صلہ لام ہو یعنی اس کے بعد لام آئے تو اس کا معنی ہوتا ہے: ذمہ داری لینا، مثلاً: «توکلتُ لفلان» میں نے فلاں کی ذمہ داری لی۔ اگر صلہ «علیٰ» ہو تو اس کا مطلب ہوتا ہے: بھروسا اور اعتماد کرنا،

			مثلاً: «توكلتُ عليه» میں نے اس پر بھروسا کیا۔
ثبّط	روک دیا	ث، ب، ط	روکنا، ہلنے جلنے نہ دینا
ثرید	کھانے کی قسم	ث، ر، د	روٹی کو چورا چورا کر کے شوربہ میں بھگونے سے تیار ہونے والا کھانا
الحاد	ٹیڑھا پن اختیار کرنا	ل، ح، د	ایک طرف جھکنا، مائل ہونا، اسماء و صفاتِ الٰہی میں الحاد کا مطلب ہے: اللہ کی ایسی صفات بیان کرنا جو اس کی شان کے لائق نہ ہوں، یا اس کی ثابت شدہ صفات کی ایسی تاویل کرنا جو اس کی شان کے خلاف ہو۔
حفاۃ	ننگے پاؤں	ح، ف، ی	حافی کی جمع ہے، مطلب: ننگے پاؤں، بغیر جوتوں کے
الْحَمْدُ	تمام تعریفیں	ح، م، د	کسی کی اچھی صفات اور فضائل بیان کرنا بشرطیکہ وہ افعال اختیاری ہوں، مثلاً: کسی کی سخاوت پر اس کی تعریف کرنا۔
حُوْب	گناہ	ح، و، ب	جرم کا ارتکاب، گناہ۔ حوبہ: اس ضرورت کو کہتے ہیں جو انسان کو ارتکاب جرم پر آمادہ کر لے۔
خَذَلَ	بے یار و مددگار چھوڑ دیا	خ، ذ، ل	ایسے شخص کا عین موقع پر ساتھ چھوڑ کر الگ ہو جانا جس کے متعلق گمان ہو کہ وہ پوری پوری مدد کرے گا۔
دُسُر	میخیں، کیل	د، س، ر	اس کی واحد دِسَار ہے۔ دَسْر کے معنیٰ ہیں: کسی چیز کو زور سے مار کر پیچھے ہٹا دینا

دُكَّت	ریزہ ریزہ کر دی جائے گی۔	د، ک، ک	دک ٌّ: نرم اور ہموار زمین کو کہتے ہیں۔ دکَّ: کوٹ کر ہموار کرنا۔ اسی سے دکان ہے، جس کے معنیٰ ہموار چبوترہ کے ہیں۔
دواوین	رجسٹر	د، و، ن	دیوان کی جمع ہے دواوین۔ اعمال نامے، رجسٹر
دِیْن	دین	د، ی، ن	اطاعت اور جزا، بطور استعارہ شریعت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے
ربوبیة	آقائیت	ر، ب، ب	رب: تربیت کرنا یعنی کسی چیز کو آہستہ آہستہ درجہ بدرجہ نشوونما دے کر حدِ کمال تک پہنچانا
رقیب	نگران	ر، ق، ب	رقبہ: اصل میں گردن کو کہتے ہیں، مجازاً انسان اور عرف عام میں غلام کو کہتے ہیں۔ رقیب: نگران کو اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اس شخص کی گردن پر نظر رکھتا ہے یا وہ نگرانی کے لیے بار بار اپنی گردن اٹھا کر دیکھتا ہے۔
سبحان	پاک ہے	س، ب، ح	سبح: تیز رفتاری سے گزرنا۔ تسبیح: عبادت الٰہی میں تیزی کرنا
سَلَبُوا	انہوں نے چھینا	س، ل، ب	سلب: کسی سے کوئی چیز چھین لینا
سَمِيّ	ہمنام	س، م، و	ہر چیز کے اوپر والے حصے کو سماء کہتے ہیں۔ سمی: نظیر، مثال، یعنی کیا کوئی ایسا ہے جو اس نام کا مستحق ہو اور حقیقتاً اللہ کی صفات

			سے متصف ہو؟
سِنَة	اونگھ	و،س،ن	غفلت، اونگھ، ہلکی سی نیند
شَهِيْد	گواہ	ش،ہ،د	کسی چیز کا مشاہدہ کرنا خواہ آنکھ سے ہو یا بصیرت سے، کبھی صرف حاضر ہونے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔
صحواً	بغیر بادل کے	ص،ح،و	صحو: بیدار ہونا، سامنے ہونا
صراط	راستہ	ص،ر،ط	آسان راستہ، اصل میں نگل جانے سے نکلا ہے۔ راستہ کو صراط اس لیے کہتے ہیں کہ وہ چلنے والے کو گویا نگل جاتا ہے یا چلنے والا اس کو نگلتا ہوا چلا جاتا ہے۔
صَعِقَ	بے ہوش ہو گیا	ص،ع،ق	صاعقہ: فضا میں سخت آواز۔ کبھی اس آواز سے آگ پیدا ہوتی ہے، کبھی وہ عذاب اور کبھی موت کا سبب بن جاتی ہے۔
صمد	بے نیاز	ص،م،د	وہ سردار جس کی طرف ہر معاملہ میں رجوع کیا جائے۔
طائر	تقدیر	ط،ی،ر	طائر کا لفظی معنیٰ: پرندہ۔ انسانی اعمال کو طائر اس لیے کہا گیا کیونکہ عمل کے سرزد ہو جانے کے بعد انسان کو یہ اختیار نہیں رہتا کہ اسے واپس لے گویا وہ اس کے ہاتھوں سے اُڑ جاتا ہے۔
طَوِيَت	لپیٹ دیے گئے	ط،و،ی	کسی چیز کو اس طرح لپیٹنا جیسے کپڑے کو لپیٹا جاتا ہے

عدول	ہٹنا	ع،د،ل	عدل: مساوات، برابری
عراة	ننگے بدن	ع،ر،ی	عاری کی جمع، مطلب: ننگے جسم، بغیر کپڑوں کے
عرصات	میدان، کھلی جگہ	ع،ر،ص	عرصۃ کی جمع ہے ہر اس وسیع جگہ کو کہتے ہیں جہاں کوئی عمارت نہ ہو
عقلوا	انہوں نے سمجھا	ع،ق،ل	عقل کا معنیٰ: روکنا اور منع کرنا۔ اس قوت کو بھی کہتے ہیں جو قبول علم کے لیے تیار رہتی ہے اور وہ علم جو اس قوت کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے، اسے بھی عقل کہہ دیتے ہیں۔
غرلاً	بغیر ختنے کے	غ،ر،ل	اغرل کی جمع، مطلب: بے ختنہ کیے ہوئے
الغمام	بادل	غ،م،م	غمّ: بنیادی معنیٰ کسی چیز کو چھپا لینا۔ بادل کو غمام اس لیے کہتے ہیں کہ یہ سورج کی روشنی کو ڈھانپ لیتا ہے۔
فَرجُ	کشادگی	ف،ر،ج	فَرج: دو چیزوں کے درمیان شگاف جیسے دیوار میں شگاف یا دونوں ٹانگوں کے درمیان کی کشادگی۔ کنایہ کے طور پر فرج کا لفظ شرمگاہ پر بولا جاتا ہے اور کثرت استعمال کی وجہ سے اسے حقیقی معنیٰ سمجھتے ہیں۔ فَرَج: غم دور ہونا
فرح	خوشی	ف،ر،ح	فرح کا معنیٰ: کسی فوری یا دنیوی لذت پر سینہ کھل جانا۔ عموماً یہ جسمانی لذتوں پر خوش ہونے کے معنوں میں آتا ہے۔

فِرقة	گروہ	ف،ر،ق	الگ الگ ہو جانا
فقیر	محتاج	ف،ق،ر	فقر چار معنوں میں استعمال ہوتا ہے: (1) زندگی کی بنیادی ضروریات کا نہ پایا جانا۔ (2) ضروریات زندگی کا پورا نہ ہونا۔ (3) نفس کی فقیری یعنی مال کی ہوس۔ (4) اللہ کی ضرورت
قنوط	مایوسی، ناامیدی	ق،ن،ط	بھلائی سے مایوس ہونا۔ کبھی فرح کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے۔
قیوم	قائم رکھنے والا	ق،و،م	قیوم: وہ ذات جو ہر چیز کی نگران اور محافظ ہے اور ہر چیز کو اس کی ضروریاتِ زندگی پہنچاتی ہے۔
کفو	ہمسر	ک،ف،و	مرتبہ اور منزلت میں دوسرے کا ہم پلہ ہونا
کلالیب	کنڈیاں	ک،ل،ب	کَلُّوب کی جمع ہے۔ کلب (کتا) سے نکلا ہے ۔کنڈی کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ جو چیز اس کے شکنجے میں آجاتی ہے، اسے کتے کی طرح پکڑ لیتی ہے۔
لَا یَظْمَأ	پیاس نہیں لگے گی	ظ،م،ء	ظِمْء: دو مرتبہ پانی پینے کے درمیان وقفہ۔ ظمأ: وہ پیاس جو اس وقفے کے دوران لگتی ہے۔
لا یُقَاس	اندازہ نہیں لگایا جاسکتا	ق،ی،س	کسی چیز کو دوسری چیز سے ملا کر اندازہ لگانا
لَعَنَ	اس نے لعنت	ل،ع،ن	کسی کو ناراضگی کی بنا پر اپنے سے دور کر دینا

	کی		اور دھتکار دینا۔ اللہ کی طرف سے کسی شخص پر لعنت سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ دنیا میں تو اللہ کی رحمت اور توفیق سے محروم ہو جائے اور آخرت میں سزا کا مستحق ہو۔ انسان کی طرف سے کسی پر لعنت بھیجنے کا مطلب بد دعا دینا ہے۔
لمح	جھپک، چمک	ل،م،ح	لمح: بجلی کی چمک۔ «کلمح البصر»: آنکھ کے جھپکنے کی طرح
مأثور	منقول	ا،ث،ر	کسی چیز کا بقیہ حصہ جو اصل چیز کے وجود کی دلیل ہو۔ نشان
مبسوطتان	کھلے ہوئے	ب،س،ط	کسی چیز کو پھیلانا اور توسیع کرنا۔ کبھی یہ بخشش کے معنٰی میں ہوتا ہے
متصدعاً	ریزہ، ریزہ	ص،د،ع	صَدْع: ٹھوس اجسام میں شگاف ڈالنا۔ صَدَعَ الْاَمرَ: کسی معاملے کو ظاہر اور واضح کر دینا۔
متعمداً	جان بوجھ کر	ع،م،د	عمد: کسی چیز کا ارادہ کرنا اور اس پر ٹیک لگانا
مِحَال	قوت والا	ح،و،ل	حول: کسی چیز کا متغیر ہونا اور دوسری چیزوں سے الگ ہونا
محبة	محبت، پیار	ح،ب،ب	حَبّ: دانہ۔ حِبّ: محبوب۔ محبت: کسی چیز کو اچھا سمجھ کر اس کا ارادہ کرنا اور چاہنا۔ محبت تین قسم کی ہوتی ہے: (1) محض لذت کے لیے، جیسے مرد و عورت کی محبت۔ (2) نفع ملنے کی وجہ سے جیسے

			تجارت سے محبت۔(3) محض کسی کے فضل وشرف کی وجہ سے، جیسے اہل علم سے
مرتاب	شک میں پڑا ہوا	ر،ی،ب	ریب: ایسا شک جو بے چین کر دے۔
مرزبة	پتھر کوٹنے والا بڑا ہتھوڑا	ر،ز،ب	رزب: کسی جگہ جمے رہنا اور نہ ٹلنا
مُصَدَّقُون	تصدیق یافتہ	ص،د،ق	دل وزبان کی ہم آہنگی اور بات کا واقعہ کے مطابق ہونا۔
مغلولة	بندھے ہوئے	غ،ل،ل	غَلَل کے اصل معنیٰ کسی چیز کو اوپر اوڑھنے یا اس کے درمیان چلے جانے کے ہیں۔ لہٰذا «غُلّ» (طوق) خاص کر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے کسی کے اعضاء کو جکڑ اس کے درمیان میں باندھ دیا جاتا ہے۔ مغلولہ: گردن سے بندھے ہوئے ہاتھ۔غِلّ: کینہ اور پوشیدہ دشمنی
مفاتح	چابیاں	ف،ت،ح	کسی چیز سے بندش اور پیچیدگی کو زائل کرنا۔ یہ ازالہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک آنکھ سے نظر آتا ہے، مثلاً: «فتح الباب» دروازہ کھولنا۔ دوسرا نظر نہیں آتا، مثلاً: «فتح الهم» غم دور کرنا
مقت	ناخوشی، نارضگی	م،ق،ت	کسی شخص کو برا کام کرتے ہوئے دیکھ کر اس سے بہت بغض رکھنا
ملائكة	فرشتے	ا،ل،ک	ملائکہ کی واحد مَلَک آتی ہے جو اصل میں

			مَأْلُک ہے۔ مَأْلُک اَلُوک سے ہے جس کا مطلب ہے: پیغام
الملي	ملت سے منسوب	م،ل،ل	دین کی طرح ملت بھی اس دستور کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کی زبان پر بندوں کے لیے مقرر فرمایا تاکہ اس کے ذریعہ وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکیں۔ دین اور ملت میں یہ فرق ہے کہ ملت کی نسبت اس نبی کی طرف ہوتی ہے جس کا وہ دین ہوتا ہے۔
مھیمن	نگہبان	ا،م،ن	مہیمن وہ ہے جو (1) کسی کو خوف سے امن دے (2) کسی کا کوئی حق ضائع نہ ہونے دے۔ گویا اپنی پناہ میں لے کر حفاظت کرنے والا
موازین	ترازو	و،ز،ن	وزن: کسی چیز کی مقدار معلوم کرنا۔ عرف عام میں وزن اس مقدار کو کہتے ہیں جو ترازو کے ذریعے متعین کی جاتی ہے۔ قرآن میں لوگوں کے اعمال تولنے کے سلسلے میں کہیں میزان ہے اور کہیں موازین (میزان کی جمع)۔ میزان: حساب لینے والے کے اعتبار سے ہے کہ وہ اکیلا ہے اور موازین: لوگوں کے اعتبار سے ہے کیونکہ ہر ایک کے اعمال کی ترازو الگ الگ ہوگی۔

مورود	پانی، پہنچنے کی جگہ	و،ر،د	ورد: کسی جگہ کا قصد کرنا۔ وارد: وہ شخص جو قافلے سے آگے جا کر پانی لاتا ہے۔ وَرْد: گلاب کا پھول۔ اسے ورد اس لیے کہتے ہیں کیونکہ مشہور ہے گلاب کا پھول تمام پھولوں سے پہلے ظاہر ہوتا ہے۔
ناجیه	نجات پانے والی	ن،ج،و	کسی چیز سے الگ ہونا، نجات پانا
نِدٌّ	مد مقابل	ن،د،د	کسی چیز کی ذات یا جوہر میں اس کا شریک ہونا
نعیم	آسائش	ن،ع،م	نِعمت: اچھی حالت۔ نَعمت: آرام و آسائش
نُقُّوا	صاف ہو جائیں گے	ن،ق،ی	نقی: صفائی ستھرائی۔ ملاوٹ سے پاک ہونا۔
الْهُدٰی	ہدایت	ہ،د،ی	لطف و کرم کے ساتھ کسی کی رہنمائی کرنا
هُذِّبُوا	وہ پاک ہو جائیں گے	ہ،ذ،ب	ہذب: کسی کا عیب سے پاک ہونا۔ اصل میں یہ تیزی سے گزر جانے سے نکلا ہے۔ مطلب یہ کہ اس کا اُس سے کوئی تعلق نہیں۔ یعنی جو مہذب ہوتا ہے وہ عیب سے پاک ہوتا ہے اور اس کا عیب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔
وَجَدَ	اس نے پالیا	و،ج،د	کسی چیز کو پالینا۔ یہ کئی طرح سے ہوتا ہے: (1) حواس خمسہ سے (2) پوشیدہ قوتوں سے (3) بذریعہ عقل
وَصَفَ	صفت بیان کی	و،ص،ف	کسی چیز کا حلیہ اور حالت بیان کرنا، کسی چیز کی وہ حالت جو حلیہ اور حالت کے لحاظ سے

			ہوتی ہے، اسے صفت اور وصف کہتے ہیں۔ صفت غلط اور صحیح دونوں طرح ہو سکتی ہے۔
وصیت	وصیت	و، ص، ی	واقعہ پیش آنے سے پہلے کسی کو نصیحت والے انداز میں ہدایت کرنا
ولیصفحوا	لازم ہے وہ معاف کر دیں۔	ص، ف، ح	صفح: ہر چیز کا چوڑا پہلو یا چوڑی جانب۔ دوسرا معنیٰ: ترک ملامت اور عفو۔ مگر یہ عفو سے زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ انسان بعض اوقات عفو یعنی درگزر تو کر لیتا ہے لیکن صفح سے کام نہیں لیتا۔ یعنی کسی سے اس قدر درگزر کرنا کہ اسے مجرم ہی نہ گردانا جائے۔
یتبرؤون	بے زار ہیں	ب، ر، ا	کسی ناپسندیدہ چیز سے نجات حاصل کرنا۔ باری: ایجاد کرنے والا۔ بَرِیّہ: مخلوق
یتولون	دوستی رکھتے ہیں	و، ل، ی	وِلاء اور توالی: دو یا دو سے زیادہ چیزوں کا اس طرح یکے بعد دیگرے آنا کہ ان کے درمیان کوئی ایسی چیز نہ آسکے جو ان میں سے نہ ہو۔ پھر استعارہ کے طور پر قرب کے معنیٰ میں استعمال ہونے لگا۔ خواہ وہ قرب بلحاظ مکان، نسب، دین، دوستی یا اعتقاد کے ہو۔
یحیطون	وہ گھیرتے ہیں	ح، و، ط	ہر طرف سے گھیرنا اور حفاظت کرنا۔ علم سے احاطے کا مطلب ہے: کسی چیز کے

			وجود، جنس، کیفیت، اس کی غرض اور اس کو اچھی طرح جان لینا۔
یُخْطَف	اچک لیا جائے گا	خ، ط، ف	خطف: کسی چیز کو تیزی سے اچک لینا
یَخْلو بـ	تنہائی میں لے جائے گا	خ، ل، و	خلاء: خالی جگہ، جہاں عمارت و مکان نہ ہو۔ خُلُوّ: زمان و مکان دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ خلا، یخلو: تنہا ہونا۔ خلا، یخلو کے بعد جب "ب" آئے تو اس کا معنیٰ ہوگا: کسی کے ساتھ تنہا ہونا
یَزْحَف	گھسٹ کر چلے گا	ز، ح، ف	اصل میں اس کے معنیٰ پاؤں گھسیٹ گھسیٹ کر چلنا ہے، جیسے بچہ چلنے کے قابل ہونے سے پہلے، اونٹ تھکن کی وجہ سے یا فوج کثرت کی وجہ سے آہستہ آہستہ گھسٹ گھسٹ کر چلتی ہے۔
یشفع	سفارش کرتا ہے	ش، ف، ع	شفع: کسی چیز کو اس جیسی دوسری چیز کے ساتھ ملا دینا۔ جفت چیز کو شفع کہتے ہیں۔ شفاعت: دوسرے کے ساتھ اس کی مدد یا سفارش کرتے ہوئے مل جانے کے ہیں۔ عام طور پر کسی بڑے باعزت آدمی کا اپنے سے کمتر کے ساتھ اس کی مدد کے لیے شامل ہو جانے پر بولا جاتا ہے۔ قیامت والے دن شفاعت بھی اسی طرح کی ہوگی۔
یُصان	بچا جائے	ص، و، ن	صون: حفاظت

یَصِیح	وہ چیختا ہے	ص،ی،ح	صیح: آواز پھاڑنا۔ صیحہ: بلند آواز، چنگھاڑ
یضحك	خوش ہوتا ہے	ض،ح،ک	ضحک: چہرے کی مسرت اور خوشی سے دانتوں کا ظاہر ہو جانا۔ ہنستے وقت چونکہ سامنے کے دانت ظاہر ہو جاتے ہیں، اس لیے انہیں ضواحک کہتے ہیں۔
یغفر	وہ بخشتا ہے	غ،ف،ر	غفر: کسی کو ایسی چیز پہنا دینا جو اسے میل کچیل سے محفوظ رکھ سکے۔ اللہ کی طرف سے مغفرت یا غفران کا مطلب ہے: بندے کو عذاب سے بچا لیا۔ استغفار: قول اور عمل سے مغفرت طلب کرنا
یَغْلُو	مبالغہ کرتے ہیں	غ،ل،و	غُلُوٌّ: کسی چیز کا حد پار کرنا۔ یہ حد پار کرنا اشیاء کے نرخ میں ہو تو اسے غلاء (مہنگائی) کہتے ہیں اور قدر و منزلت میں ہو تو اسے غلو کہتے ہیں۔
یقُصُّ	وہ بیان کرتا ہے	ق،ص،ص	قصٌّ: نشان قدم پر چلنا۔ قصص: نشان
یَلِجُ	وہ داخل ہوتا ہے	و،ل،ج	کسی تنگ جگہ میں داخل ہونا
ینتهب	ڈاکا ڈالتا ہے	ن،ہ،ب	نہب: زبردستی لینا، چھیننا
یُنْشِئُ	پیدا کر دے گا	ن،ش،أ	نشأ، نشاۃ: کسی چیز کو پیدا کرنا اور اس کی پرورش کرنا
ینفق	وہ خرچ کرتا ہے	ن،ف،ق	نفق کے معنیٰ: کسی چیز کے ختم ہونے یا چلے جانے کے ہیں۔ چلے جانے کی مختلف صورتیں ہیں: (1) فروخت ہونے سے (2) مر جانے سے (3) خرچ کرنے سے

			(4) دینے سے۔ نفق: سرنگ کو بھی کہتے ہیں۔ اسی سے نِفاق ہے یعنی ایک طرف سے آکر دوسری طرف سے نکل جانا۔ جیسے منافق اسلام میں آئے اور نکل گئے۔
يَؤُوْدُ	وہ تھکاتا ہے	ا، و، د	بوجھل اور بھاری بنادینا

کتابیات:

- مفردات القرآن از امام راغب اصفہانی، ترجمہ شیخ الحدیث مولانا محمد عبدہ فیروزپوری، ناشر: اسلامی کتب خانہ، لاہور
- مترادفات القرآن از مولانا عبد الرحمن کیلانی، ناشر: مکتبۃ السلام، وسن پورہ، لاہور، طبع نہم: نومبر 2007ء
- مقاییس اللغۃ لابن فارس، ناشر: دار الفکر، طبع: 1979ء
- المعجم الوسیط مترجم، ناشر: مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور